حاتم طائی کا قصّہ

نورالحسن نقوی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

حاتم طائی کا قصّہ

مرتب

نورالحسن نقوی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	1976
چھٹی طباعت	:	2010
تعداد	:	550
قیمت	:	-/18 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	339

Hatim Taee ka Qissa

Compiled by

Noor-ul-Hasan Naqvi

ISBN :978-81-7587-402-2

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025

فون نمبر: 49539000، فیکس 49539099

ای۔میل urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ www.urducouncil.nic.in

طابع: سلاسار امیجنگ سسٹمس آفسیٹ پرنٹرس، C-7/5، لارنیس روڈ انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی۔110035

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آ جاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آ جاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کر سکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

1	کچھ اس کتاب کے بارے میں	7
2	قصہ کا آغاز	11
3	پہلا سوال: حاتم کا جانا اور پہلے سوال کا جواب لانا	20
4	دوسرا سوال: نیکی کر دریا میں ڈال	29
5	تیسرا سوال: حاتم کا جانا اور تیسرے سوال کا جواب لانا	50
6	چوتھا سوال: سچے کو ہمیشہ راحت ہے	62
7	پانچواں سوال: کوہ ندا کی خبر لانا	72
8	چھٹا سوال: مرغابی کے انڈے کے برابر موتی لانا	86
9	ساتواں سوال: حمام بادگرد کی خبر لانا	101

کچھ اس کتاب کے بارے میں

یہ دلچسپ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے فورٹ ولیم کالج کے لیے لکھی گئی تھی۔ کوئی پونے دو سو سال پہلے کی بات ہے کہ انگریزوں نے تجارت کے بہانے ہمارے مُلک میں قدم رکھا۔ دھیرے دھیرے مُلک کے مختلف حصوں پر ان کی حکومت قایم ہوتی گئی۔ اس لیے انگریز افسروں کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ اس دیس میں بسنے والوں کی بول چال سمجھ سکیں۔ اُس وقت مُلک کی سب سے اہم زبان اُردو تھی — چنانچہ انھیں اُردو سکھانے کے لیے کلکتے میں فورٹ ولیم کالج قایم کیا گیا۔

کالج قایم ہوا تو ایک اور مشکل پیش آئی۔ اس سے پہلے اُردو اسکولوں میں پڑھائی نہ جاتی تھی۔ اس لیے کورس کی کتابیں بھی ناپید تھیں۔ اب پہلا کام یہ کرنا تھا کہ کتابیں لکھوائی جائیں۔ مُلک کے کونے کونے سے ادیبوں کو بُلا کر یہ کام انھیں سونپا گیا۔ سید حیدر بخش حیدری بھی ان ادیبوں میں شامل تھے۔ انھوں نے حاتم طائی کے فارسی قصے کو اُردو کا رُوپ دیا اور آرائشِ محفل نام رکھا۔ باغ و بہار کی طرح یہ کتاب بھی اتنی مقبول ہوئی کہ آج تک لوگ اسے پڑھتے اور لطف اٹھاتے ہیں۔ ہم نے سوچا آپ اس کی

سیر سے کیوں محروم رہیں اس لیے کہانی کو مختصر کر کے آسان زبان میں ڈھال دیا۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ اسے پسند کریں گے اور اس داستان کے دلچسپ واقعات کو برسوں نہ بھلا سکیں گے۔

حاتم اس داستان کا ہیرو ہے۔ اسے سب سے زیادہ خوشی اس وقت ہوتی ہے جب وہ کسی دوسرے کے کام آئے۔ جیالا ایسا ہے کہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے مشکل سے مشکل کام کا بیڑا اٹھا لیتا ہے۔ کہتے ہیں آدمی ہمت کرے تو خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ یہی حال حاتم کا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ قدم قدم پر حاتم کو جادوگروں، دیووں، پریوں اور طرح طرح کی بلاؤں کا سامنا ہوتا ہے۔ جگہ جگہ یہ سب پہاڑ کی طرح کھڑے ہو کر اس کا راستہ روک لیتے ہیں۔ لیکن حاتم کے فولادی ارادوں کے آگے رُوئی کے گالوں کی طرح اڑ جاتے ہیں۔ اور آخر کار وہ اپنی تمام مہموں میں کامیاب ہوتا ہے۔ سچ ہے ہمت نہ ہارو تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

داستان کے بارے میں آپ جانتے ہی ہیں کہ ایک قصے میں سے دوسرا قصہ نکلتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ حاتم ایک سوال کا جواب لانے کے لیے نکلتا ہے لیکن اس کے جواب سے پہلے دوسرے بہت سے سوالوں کا جواب لانا لازمی ہو جاتا ہے۔ کتنی جگہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک کہانی ختم نہیں ہو پاتی کہ دوسری کہانی بیچ میں آجاتی ہے۔

داستان میں ایسے بہت سے واقعات بھی نظر آتے ہیں جو ہمیں آپ کو روزمرہ کی زندگی میں دیکھنے کو نہیں ملتے۔ مثلاً حاتم کو ایک ریچھنی سے شادی کرنی پڑتی ہے۔ حاتم جانوروں اور پرندوں کی زبان سمجھتا ہے اور وہ حاتم کی۔ جن، پریاں اور دیو ان سب سے ہماری ملاقات بس داستانوں ہی

میں ہوتی ہے۔ ان باتوں سے ایک فائدہ تو ضرور ہوتا ہے۔ ہمارا تخیل پر لگا کر اڑنے لگتا ہے۔ حاتم آسمانوں کی سیر کرتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ اُڑن کھٹولے پر حاتم نہیں ہم خود سوار ہیں۔

داستانوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں جیت ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔ ہیرو کیسی ہی مشکلات میں پھنس جائے ہمیں یقین ہوتا ہے کہ وہ ان سب پر قابو پالے گا۔ اگر وہ کنویں میں قید کر دیا گیا ہے تو ضرور کوئی اللہ کا بندہ پانی بھرنے آئے گا اور اسے نجات دلا دے گا۔ اگر وہ راستہ بھٹک گیا ہے تو حضرت خضرؑ تشریف لائیں گے اور اس کی رہنمائی کریں گے۔ اگر اسے کھولتے تیل کے کڑھاؤ میں ڈال دیا جاتا ہے تو مُہرے کی مدد سے اس کا بال بیکا نہیں ہوتا۔ غرض ہر جگہ فتح اس کے قدم چومتی ہے اور قدرت ہمیشہ اس کا ساتھ دیتی ہے۔

'حاتم طائی کا قصہ' پڑھنے کے بعد مناسب ہوگا کہ آپ اور داستانوں کا مطالعہ بھی کریں۔ جب آپ اُردو کی ان اہم داستانوں سے لطف اندوز ہو چکیں گے تو پھر ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ داستان کی جگہ ناول نے کیوں لے لی اور پھر ہم چند اہم ناولوں کا مطالعہ کریں گے۔ اس طرح اُردو کے افسانوی ادب کے متعلق خاصی معلومات حاصل ہو سکے گی۔

نورالحسن نقوی

قصّہ کا آغاز

بڑی پرانی بات ہے کہ یمن میں طے نام کا ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کی شادی اپنے چچا کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اللہ کے کرم سے ان کے گھر ایک چاند سا بیٹا پیدا ہوا۔ اس کی خوبصورتی کے چرچے دُور دُور ہوئے۔ بادشاہ نے اس کی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لیے بہت سے نجومیوں کو بلوایا اور کہا کہ اپنا اپنا حساب دیکھ کر بتاؤ کہ اس کے نصیب میں کیا لکھا ہے۔ سب نے سوچ بچار کرکے بتایا کہ "شہزادہ بڑا قسمت والا ہے۔ اس کی حکومت دور تک پھیلے گی، جب تک جیئے گا دوسروں کی بھلائی کے کام کرے گا۔ اس لیے رہتی دُنیا تک اس کا نام روشن رہے گا۔" بادشاہ یہ سُن کر باغ باغ ہوگیا۔ دَھن دولت سے سب کی گود بھر دی۔ بیٹے کا نام حاتم رکھا۔ سارے مُلک کے غریب غربا کو مالا مال کر دیا۔ ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ آج کے دن سارے مُلک میں جتنے بچّے پیدا ہوں وہ محل میں پہنچا دیے جائیں۔ ان سب کی پرورش بادشاہ کے سایے میں ہوگی۔ اس دن پورے مُلک میں چھ ہزار لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ وہ سب محل میں پہنچا دیے گئے۔ ہر ایک کے لیے ایک دائی کھلائی مقرّر کر دی گئی۔ حاتم کے لیے چار دائیاں نوکر رکھی گئیں۔

اب ایک عجیب بات ہوئی۔ دائیوں کھلائیوں نے بڑی کوشش کی مگر حاتم نے کسی طرح دودھ نہ پیا۔ سب پریشان ہو گئے۔ بادشاہ نے گھبرا کر نجومیوں، پنڈتوں، سیانوں کو پھر بُلایا۔ سب نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا "جہاں پناہ! حاتم کی سخاوت کے ڈنکے دُنیا میں بجیں گے۔ جب تک جیے گا پہلے اوروں کو کھلائے گا تب خود لقمہ توڑے گا۔ ابھی سے یہ حال ہے کہ جب تک سب بچے دودھ نہ پی لیں یہ دودھ نہ پیے گا۔" یہی ہوا جب تمام بچوں نے دودھ پی لیا تو اس نے بھی پیا۔ بڑا ہو گیا تب بھی یہی رہا کہ دوسروں کی بھلائی کے لیے کوشش کرتا رہا۔

شکار کا شوق بچپن سے تھا مگر جس جانور کو پکڑتا جیتا چھوڑ دیتا۔ ایک دن شکار کو گیا۔ ایک شیر غراتا ہوا سامنے آیا۔ حاتم عجب اُلجھن میں پڑ گیا۔ مارتا ہے تو مفت میں شیر کی جان جاتی ہے۔ نہیں مارتا تو اپنی جان جوکھوں میں پڑتی ہے۔ آخر یہی طے کیا کہ اُس کی جان مت لو بلکہ خود اس کے مُنہ کا نوالہ بن جاؤ۔ یہ سوچ کر اس کے پاس گیا اور بولا کہ "لے میرا اور میرے گھوڑے کا گوشت حاضر ہے۔ اپنا پیٹ بھر اور جدھر جی چاہے چلا جا۔" یہ سُننا تھا کہ شیر حاتم کے قدموں پر لوٹنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد اسی طرف چلا گیا جدھر سے آیا تھا۔

انھیں دنوں کی بات ہے کہ خراسان میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اسی مُلک میں ایک سوداگر رہتا تھا۔ اس کا نام برزخ تھا۔ اُس کے پاس بے شمار دولت تھی۔ اس کے ایک بیٹی تھی جس کا نام حُسن بانو تھا۔ بچی ابھی صرف بارہ برس کی تھی کہ سوداگر کی موت کا وقت آ پہنچا۔ اُس نے اپنی بیٹی بادشاہ کو سونپی اور اس دُنیا سے رخصت ہوا۔ حُسن بانو کی پرورش ہوتی رہی۔

جب وہ بڑی ہوگئی تو بادشاہ نے اس کی ساری دولت اسی کے حوالے کر دی۔ حُسن بانو دل کی بڑی نیک تھی۔ اس نے سوچا میں اتنی دولت لے کر کیا کروں گی۔ کیوں نہ اسے اللہ کے راستے میں لُٹا دوں اور اپنی زندگی اس کی یاد میں بسر کر دوں۔ اس نے اپنی دائی سے صلاح مشورہ کیا۔ اس بوڑھی عورت نے دُنیا دیکھی تھی۔ بولی: "ابھی تمھاری عمر ہی کیا ہے۔ دُنیا میں آکر ابھی تم نے کچھ بھی تو نہیں دیکھا۔ اللہ اللہ کرنے کو تو عمر پڑی ہے۔ ابھی دُنیا سے مُنہ نہ موڑو۔ زندگی بِتانے کے لیے کسی اچھے ساتھی کی تلاش کرو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دروازے پر سات سوال لکھ کر لگا دو۔ جوان سوالوں کے جواب لا دے سمجھو کہ وہ بہادر اور تمھارا جیون ساتھی بننے کے لائق ہے۔ اس سے شادی کر لو اور ہنسی خوشی زندگی کے دن بسر کرو۔"

دائی کی بات حُسن بانو کے دل پر اثر کر گئی۔ سات سوال لکھوا کر اپنے دروازے پر لٹکا دیے اور انتظار کرنے لگی کہ کوئی جواں مرد ان سوالوں کے جواب ڈھونڈ کر لائے۔ یہ انتظار بھی تھا اور خدا کی عبادت بھی جاری تھی۔ خالی وقت پاتی تو کوٹھے پر جا بیٹھتی اور بازار کا تماشا دیکھتی رہتی۔ ایک دن دیکھا کہ ایک بُزرگ صورت فقیر بازار سے گزر رہا ہے۔ بڑا نورانی چہرہ ہے۔ چالیس خادم آگے پیچھے ہیں جن کے ہاتھوں میں چاندی سونے کی اینٹیں ہیں۔ باری باری وہ اینٹیں زمین پر رکھتے جاتے ہیں اور فقیر ان پر پاؤں رکھ رکھ کر آگے بڑھتا جاتا ہے۔ خادم اسے زمین پر پاؤں نہیں رکھنے دیتے۔ حُسن بانو بڑی حیران ہوئی۔ اپنی دائی کو بُلا کر یہ تماشا دکھایا۔ اس نے کہا "بیٹی! یہ بُزرگ بادشاہ کا پیر ہے۔ اس کا کمال دُور دُور تک مشہور ہے۔" حُسن بانو نے دل میں اس سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ فقیر کے پاس اپنے آدمی کو بھیجا

اور کہلایا کہ" اپنے مبارک قدموں سے میرے گھر کی عزت بڑھائیں۔" اس نے دعوت قبول کر لی اور اگلے دن اسی شان سے چاندی سونے کی اینٹوں پر قدم رکھتا ہوا اپنے چالیس نوکروں کے ساتھ حُسن بانو کی حویلی میں داخل ہوا۔

ادھر حُسن بانو نے بھی دعوت کا ایسا شاندار انتظام کیا تھا کہ اچھے اچھے بادشاہوں سے نہ بن پڑے۔ قیمتی فرش جس میں سونے چاندی کے تار پڑے تھے، دروازے سے مسند تک بچھا تھا۔ فقیر کو پیش کرنے کے لیے ہیرے جواہرات تھالیوں میں سجے تھے۔ سونے چاندی کے برتنوں میں طرح طرح کے میوے، پھل، مٹھائیاں اور کھانے رکھے تھے، ہاتھ دھونے کے لیے قیمتی سلفچیاں اور لوٹے حاضر تھے۔ یہ قیمتی ساز و سامان دیکھا تو شاہ صاحب کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ دو چار لقمے کھا کر ہاتھ کھینچ لیا اور حُسن بانو کو دعائیں دے کر رخصت ہو گئے۔ ہونٹوں پر دعائیں تھیں مگر دل میں کھوٹ تھی، نیت خراب ہوئی۔ ہمیشہ کے مکّار اور دھوکے باز تھے۔ رات کو بھیس بدل کر انھیں چالیس چوروں کے ساتھ آئے اور حُسن بانو کا قیمتی سامان لُوٹ کر لے گئے۔

حُسن بانو بڑی سمجھ دار تھی۔ اس نے ان حضرت کو پہچان تو لیا مگر چُپ رہی۔ صبح کو فریاد لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا قصّہ کہہ سُنایا۔ وہ سُن کر اُلٹا ناراض ہوا۔ بولا" ایسے نیک بُزرگ پر الزام رکھتے ہوئے تم کو شرم نہیں آتی۔" غرض بادشاہ کا غصّہ اتنا بڑھا کہ اس بے قصور لڑکی کی ساری جائیداد اور سارا مال ضبط کر لیا اور اسے شہر سے باہر نکال دیا۔ یہ بے سہارا لڑکی اپنی بُوڑھی دائی کو ساتھ لے کر سُنسان جنگل میں جا پڑی جہاں نہ کوئی مددگار تھا نہ ہمدرد۔

بہت دنوں دونوں جنگل میں مارے مارے پھرتے رہے۔ حُسن بانو ایک دن تھکی ہاری ایک درخت کے نیچے بیٹھی تھی۔ آنکھ جھپک گئی۔ عجب خواب دیکھا۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک بُزرگ سبز لباس پہنے سامنے کھڑے ہیں۔ انھوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا "بیٹی! غم نہ کر، مایوس نہ ہو۔ اللہ کی مدد تیرے ساتھ ہے۔ جس درخت کے سایے میں تُو سو رہی ہے اسی کے نیچے سات بادشاہتوں کا خزانہ گڑا ہے۔ اللہ نے اسے تیرے لیے ہی محفوظ رکھا ہے۔ خوشی خوشی اُٹھ اور اس بے حساب دولت کو اپنے خرچ میں لا۔"

حُسن بانو کی آنکھ کھُل گئی۔ پورا خواب بُوڑھی دائی کو سُنایا۔ دونوں نے مل کر زمین کھودی تو اتنی دولت نکلی کہ اندازہ لگانا مشکل ہے۔ خدا کا شکر ادا کیا اور خزانے کو وہیں چھپا رہنے دیا۔ پھر اس جنگل میں ایک شاندار محل بنوایا۔ حُسن بانو کے تباہ ہونے سے اس کے عزیز اور رشتے دار بھی اُجڑ گئے تھے۔ سب در در کی ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ ان سب کو بُلا کر بھی یہیں رکھ لیا۔ سب اپنی اپنی پریشانیوں کو بھُول کر ہنسی خوشی رہنے لگے۔

کچھ دنوں بعد حُسن بانو کو اور ہی سُوجھی۔ ایک دن سوداگر کا بھیس بدلا بہت سے تحفے تحائف ساتھ لیے اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کی کہ "جہاں پناہ! میں ایک سوداگر کا بیٹا ہوں۔ میں اور میرا باپ فلاں شہر سے مال لے کر حضور کے شہر کی طرف آرہے تھے۔ راستے میں والد کا انتقال ہو گیا۔ جنگل میں جس جگہ ان کا انتقال ہوا ہے، جی چاہتا ہے کہ وہاں ایک شہر بساؤں۔ حضور کے نام پر اس کا نام شاہ آباد رکھوں۔" بادشاہ یہ سُن کر بہت خوش ہوا۔ فوراً شہر بسانے کی اجازت دے دی اور سوداگر

کے بیٹے کا نام ماہ رُوشاہ رکھا۔

اِدھر اجازت ملی اُدھر شہر بننا شروع ہوگیا۔ حُسن بانو ماہ روشاہ کے بھیس میں برابر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتی رہتی تھی۔ اس کے سامنے ایک دن پیر صاحب بادشاہ سے ملنے آئے۔ بادشاہ اور درباری سب ادب سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ شاہ صاحب کو مسند پر جگہ دی گئی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں شروع ہوئیں تو بادشاہ نے ماہ روشاہ کی ملاقات شاہ صاحب سے کرا دی۔ ظاہر میں وہ ان سے مل کر بہت خوش ہوا اور درخواست کی کہ کسی دن تشریف لا کر میرے گھر کی عزت بڑھایئے۔ انھوں نے دعوت قبول کرلی۔ دن بھی طے ہوگیا۔ ماہ روشاہ نے ایک دن کے لیے برزخ سوداگر کی وہ حویلی مانگی جس میں شاہ جی اپنے کرتب دکھا چکے تھے۔ بادشاہ اس سے اتنا خوش تھا کہ وہ حویلی ہمیشہ کے لیے بخش دی۔ ماہ روشاہ نے مرمت کرا کے حویلی کو خوب سجایا اور دعوت کا انتظام پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر کیا۔ شاہ صاحب نے قیمتی سامان دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ جی میں کہنے لگے ذرا سی دیر ہے پھر یہ سارا سامان اپنا ہے۔ جلدی سے تھوڑا سا کھانا کھا کر رخصت ہو گئے۔

حُسن بانو نے ساری بات پہلے ہی سے سوچ رکھی تھی۔ نوکروں کو چوکنّا کر دیا تھا۔ شہر کے کوتوال کو خبر کرا دی تھی کہ آج رات میرے گھر میں ڈاکہ پڑنے کا ڈر ہے۔ اس نے جگہ جگہ سپاہیوں کو مقرر کر دیا۔ کچھ کو حویلی میں چھپا دیا۔ آدھی رات ڈھلی تھی کہ شاہ صاحب اور ان کے ساتھیوں نے چھاپہ مارا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ قیمتی سامان گٹھریوں میں باندھ لیا اور چلنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اتنے میں سپاہیوں نے گھیرا

ڈال لیا اور سب کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ لیا۔

صبح کو شادی اور ان کے ساتھی بادشاہ کے سامنے پیش کیے گئے۔ آخر ڈھول کا پول کھل کے رہا۔ سب کو لمبی لمبی سزائیں ہوئیں۔ بادشاہ اور سارے درباری افسوس کرنے لگے کہ برزخ کی بیٹی کو جھوٹا سمجھے اور بے گناہ کو شہر سے نکال دیا۔ حسن بانو ماہ رو شاہ کے لباس میں وہاں موجود تھی۔ بادشاہ کے قدموں پر گر پڑی اور اپنا سارا حال سُنایا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اپنے کیے پر بہت پچھتایا۔ حُسن بانو نے کہا "اللہ نے مجھے بڑی دولت دی ہے مگر وہ میرے کسی کام کی نہیں تو رُوکھی سوکھی روٹی کھا کر سادہ زندگی گزارنا چاہتی ہوں اور اللہ کی یاد میں مشغول رہنے کی خواہش رکھتی ہوں اور یہ دولت بھی آپ کو نذر کرنا چاہتی ہوں۔" بادشاہ نے کہا "جو تمھاری مرضی" مگر شاہی آدمی جیسے ہی خزانے کے پاس پہنچے، اشرفیاں اور سونا چاندی سانپ بچھو بن کر ان کی طرف دوڑے۔ بادشاہ نے کہا "بیٹی! اللہ کی مرضی یہ ہے کہ تم عیش آرام کی زندگی گزارو اور اس خزانے کو اپنے خرچ میں لاؤ۔"

بادشاہ تو یہ مشورہ دے کر حکومت کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ حُسن بانو نے ساری دولت اللہ کی راہ میں لُٹانی شروع کر دی۔ جو مسافر اُدھر سے گزرتا اس کی خاطر اور مہمانداری ہوتی۔ جب وہ جانے لگتا تو اسے دولت سے لاد دیا جاتا۔ حُسن بانو کی سخاوت کا چرچا دُور دُور ہوا۔ بڑی بڑی دُور سے لوگ آتے۔ جو کچھ سُنا تھا اس سے زیادہ ہی پاتے۔ لوٹ کر جاتے تو اس کی سخاوت کے گُن گاتے۔ ہوتے ہوتے اس کی شہرت شہر خوارزم تک پہنچی۔ یہاں کے بادشاہ کے ایک بیٹا تھا۔ اس کا نام

منیر شامی تھا۔ اس نے حُسن بانو کی خوبصورتی اور سخاوت کا حال سُنا تو بن دیکھے اس سے محبت کرنے لگا۔ فقیر کا بھیس بنایا اور ماں باپ سے چُھپ چُھپا کر شاہ آباد کی طرف چل نکلا۔ آخر بڑی تکلیفیں اُٹھا کر وہاں تک پہنچا اور سرائے میں ٹھہرا۔ کھانا پیش کیا گیا تو انکار کر دیا۔ حُسن بانو نے خود بُلا کر سبب پُوچھا اور کہا "جس چیز کی ضرورت ہو لے، کھا پی کسی بات کا غم نہ کرے" شہزادے نے جواب دیا" اے شہزادی! میں خود شہزادہ ہوں اور ایک بڑے مُلک کا وارث ہوں۔ مال و دولت کی مجھے ضرورت نہیں۔ تمھاری خاطر یہ بھیس بنایا ہے۔ تمھارے شہر میں یہ آرزو لے کر آیا ہوں کہ تم مجھے اپنا لو"

حُسن بانو نے جواب دیا" ہمیں تمھارے حال سے ہمدردی ہے مگر کیا کریں۔ ہم نے یہ طے کیا ہے کہ شادی اُس سے کریں گے جو ہمارے سات سوالوں کا جواب لادے۔ اگر تم ایسا کر دوگے تو میں تمھاری لونڈی بن جاؤں گی" شہزادہ یہ سُن کر بڑا مایوس ہوا۔ پھر سوچا اس سے کیا ملے گا۔ آخر حُسن بانو سے سوال پُوچھے۔ اُس نے کہا "کوئی شخص برابر یہ کہتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے۔ دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے۔ بتاؤ یہ کون ہے، کہاں ہے اور یہ بات کیوں کہتا ہے؟"

شہزادہ سخت پریشان ہوا۔ سمجھ میں نہ آیا کہ اُس سوال کا جواب کہاں سے ڈھونڈ کر لائے۔ حُسن بانو سے ایک سال کی مہلت لے کر روانہ ہوا۔ جہاں جاتا لوگ سمجھاتے کہ اس چکر میں نہ پڑ۔ کتنے شہزادے اس سوال کی کھوج میں نکلے اور مفت میں جان گنوائی۔ منیر شامی دُھن کا پکا تھا۔ اُس نے کسی کی نہ سُنی۔ شہر شہر جنگل جنگل مارا مارا پھرتا رہا۔ ایک دن

اتفاق سے ایک جنگل میں جا نکلا۔ وہاں حاتم سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ایک خوبصورت جوان کی بری حالت دیکھی تو سبب پوچھا۔ منیر شامی نے اپنی دکھ بھری کہانی کہہ سنائی۔ حاتم نے دلاسا دیا اور کہا "اللہ کی مہربانی سے مایوس نہ ہو۔ اس نے چاہا تو تیرے دل کی مراد پوری ہوگی۔"

حاتم کی بات سے شہزادے کو تسلی ہوئی۔ حاتم اسے لے کر حسن بانو کے پاس پہنچا اور کہا "یہ شہزادہ میرا دوست ہے۔ تمھاری محبت میں گرفتار ہے۔ میں اسے تمھارے سپرد کرتا ہوں اور خود تمھارے سوال کا جواب لینے جاتا ہوں۔ جب تک نہ لوٹوں اس کا خیال رکھنا" یہ کہہ کر حاتم رخصت ہوا اور منیر شامی سرائے میں ٹھہر کر حاتم کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

پہلا سوال

حاتم کا جانا اور پہلے سوال کا جواب لانا

منیر شامی کی مدد کے لیے حاتم گھر سے نکل تو کھڑا ہوا مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جائے۔ اسی الجھن میں جنگل جنگل مارا پھرتا تھا اور اللہ سے دعا کرتا تھا کہ کسی طرح منیر شامی کی مشکل آسان کردے۔ ایک دن جنگل میں دیکھا کہ ایک ہرنی چر رہی ہے۔ پاس ہی ایک بھیڑیا تاک میں بیٹھا ہے۔ قریب تھا کہ اسے دبوچ لے۔ حاتم دوڑ کر قریب پہنچا اور للکار کر کہا "او نابکار! اس معصوم بچوں والی کی جان کیوں لیتا ہے؟" بھیڑیا یہ آواز سن کر رک گیا اور کہا "یقیناً تو حاتم ہے جو تجھے ہرنی پر اتنا رحم آیا۔" حاتم نے پوچھا "تو نے کیسے پہچانا؟" اس نے جواب دیا "حاتم کے سوا کون ہے جو بے زبان جانوروں پر ترس کھائے۔ مگر اتنا سوچ کر میں اسے نہ کھاؤں تو اپنا پیٹ کس طرح بھروں؟" حاتم نے کہا "سچ ہے، تیرا پیٹ تو بھرنا ہی چاہیے۔" یہ کہہ کر نیام سے تلوار نکالی اور اپنی ران سے گوشت کا ایک پارچہ کاٹ کر اس کے آگے ڈال دیا۔ بھیڑیے نے پیٹ بھر کے جنگل کا راستہ لیا۔ ہرنی نے بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں حاتم کا شکریہ ادا کیا۔ حاتم بھی ایک طرف کو چل نکلا لیکن ران کا زخم چلنے نہ دیتا تھا۔ ناچار ایک درخت کے نیچے پڑ رہا۔ زخم کی تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ایک گیدڑ

اور اس کی مادہ اُدھر سے گزرے۔ مادہ نے پوچھا "یہ آدم زاد کون ہے اور اسے کیا تکلیف ہے جو اسے چین لینے نہیں دیتی" گیدڑ نے کہا "میں نے اپنے بزرگوں سے جو کچھ سنا ہے اس کے حساب سے یہ نوجوان حاتم دکھائی دیتا ہے" مادہ نے کہا "مجھے اس کا کچھ اور حال بتاؤ" گیدڑ نے حاتم کی سخاوت اور بہادری کا حال سُنایا۔ بھیڑیے اور ہرن کا قصّہ بھی سُنایا۔ مادہ نے کہا "کاش ہم اس کی کچھ مدد کر سکتے" گیدڑ نے کہا "ماژندران کے جنگل میں ایک جانور ہے۔ اس کے سر کا بھیجا اس کے زخم کو فوراً اچھا کر دے گا۔ تم اس کی دیکھ بھال کرو۔ میں ایک ہفتے کے اندر اس کا بھیجا لے کر آتا ہوں"

گیدڑ رخصت ہو کر ماژندران کی طرف چلا۔ آٹھ دن مادہ حاتم کی دیکھ بھال کرتی رہی۔ آٹھویں دن گیدڑ بھیجا لے کر آیا۔ زخم پر رکھا تو فوراً بھر گیا اور حاتم اُٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں کا شکریہ ادا کیا اور بولا کہ "تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ اگر تم مجھ سے کوئی خدمت لو تو مجھے بڑی خوشی ہو" گیدڑ نے کہا "اے حاتم! دُنیا بھر پر تیرے احسان ہیں۔ ایک احسان مجھ پر بھی کر۔ یہاں سے تھوڑی دُور پر ایک بھیڑیا رہتا ہے۔ ہر سال ہمارے بچّوں کو کھا جاتا ہے۔ اس کا کچھ علاج کر" حاتم نے کہا "تم اس کا پتہ بتاؤ۔ میں کوشش کرتا ہوں۔ آگے اللہ مالک ہے"

بھیڑیے کا پتہ پوچھ کر حاتم اس کے گھر پہنچا۔ بہت سمجھایا کہ اپنی اس حرکت سے باز آ جا۔ مگر وہ بدزبان غرّانے لگا اور حاتم سے بولا "تو میرے معاملے میں دخل مت دے ورنہ تیرا بھی وہی حشر کروں گا جو گیدڑ کے بچّوں کا کیا" یہ سُن کر حاتم کو طیش آ گیا اور اس سے اُلجھ پڑا۔ دونوں

گتھم گتھا ہو گئے۔ آخر حاتم نے اُس کی گردن دبوچ لی اور پچھاڑ کر خنجر سے اُس کے سارے دانت اور ناخن توڑ ڈالے۔ یہ دُرگت بن گئی تو بھیڑیا حاتم کے پیروں پر گر پڑا اور رو رو کر کہنے لگا "اے نوجوان! تُو نے یہ کیا کیا۔ اب میں شکار کیسے کروں گا اور اپنا پیٹ کیسے بھروں گا؟" یہ دیکھ کر حاتم کو ترس آیا اور اپنے کیے پر پچھتانے لگا۔ گیدڑ پاس ہی کھڑا تھا۔ اس نے کہا "اے حاتم! تُو نے میرے اُوپر بڑا احسان کیا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جیتے جی اس بھیڑیے کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔ اپنے کھانے سے پہلے اسے کھانا پہنچاؤں گا اور پُوری طرح اس کی دیکھ بھال کروں گا۔" یہ سُن کر حاتم کو اطمینان ہوا اور وہ بھیڑیے کو تسلّی دے کر گیدڑ کے ساتھ واپس چلا آیا۔

راستے میں گیدڑ نے حاتم کو بتایا "میں جانتا ہوں، حاتم! تُو کس کام سے گھر بار چھوڑ کر جنگلوں کی خاک چھانتا پھر رہا ہے۔ میں نے اپنے بڑوں سے سُن رکھا ہے کہ وہ آواز جس کی تجھے تلاش ہے دشتِ ہویدا سے آتی ہے اور وہ جنگل یہاں سے بہت دُور ہے۔ اُس کے دو راستے ہیں۔ ایک دُور کا، دوسرا پاس کا۔ پاس کا راستہ خطروں سے بھرا پڑا ہے۔ دُور کے راستے میں خطرے کم ہیں۔"

حاتم اس سے رخصت ہو کر آگے چلا۔ چلتے چلتے ایک چوراہا دکھائی دیا۔ یہ وہاں کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ اب کدھر جاؤں۔ اتنے میں چاروں طرف سے ریچھوں نے گھیر لیا۔ یہ بستی ریچھوں ہی کی تھی۔ وہ اسے پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اپنے پاس بٹھایا اور کہنے لگا "اپنا حال کہو تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو اور کیا نام ہے؟ ہمیں تو

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم یمن کے شہزادے ہو اور تمھارا نام حاتم ہے۔" حاتم نے جواب دیا "سچ کہتے ہو۔ میں طے کا بیٹا حاتم ہوں۔"

اُس نے کہا "تمھارے آنے سے میرا بڑا کام بنا۔ اس جنگل میں کوئی اس قابل نہ تھا جس سے میں اپنی بیٹی کی شادی کر سکوں۔ اب میں تجھے اپنا داماد بناؤں گا۔" حاتم بہت گھبرایا کہ ریچھنی سے کیسے نبھے گی۔ اُس نے شادی سے انکار کر دیا۔ اس پر ریچھوں کے بادشاہ کو بہت غصہ آیا۔ اُس نے حاتم کو غار میں ڈلوا دیا اور غار کا منہ پتھر سے بند کر دیا۔ حاتم کئی دن تک بھوکا پیاسا قید میں رہا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ سرہانے کھڑا ہے اور کہتا ہے "اے حاتم! تو خواہ مخواہ کیوں اپنی جان گنواتا ہے۔ جب تک تو یہ شادی منظور نہ کرے گا قید سے نہ چھوٹے گا۔ اس شادی میں ہی تیری بھلائی ہے۔" یہ کہہ کر بزرگ رخصت ہو گئے اور حاتم چونک کر اُٹھ بیٹھا۔

اتنے میں بادشاہ نے حاتم کو بلوایا اور پوچھا کہ "بول اب کیا کہتا ہے؟" حاتم رضامند ہو گیا۔ بادشاہ نے سب امیروں وزیروں کو جمع کیا اور بڑی دھوم دھام سے شادی کی۔ حاتم نے دو تین مہینے یہاں گزارے۔ آخر ایک دن اپنی بیوی سے بولا "آج میرا حال سنو۔ میں ایک کام کے واسطے اپنے شہر سے نکلا تھا۔ تیرے باپ نے زبردستی میرا بیاہ کر دیا۔ اگر تم دونوں خوشی سے مجھے کچھ دنوں کے لیے اجازت دے دو تو میں وہ کام کر آؤں۔"

یہ سنتے ہی وہ دوڑی دوڑی اپنے باپ کے پاس گئی اور حاتم کی سفارش کی۔ وہ بھی رضامند ہو گیا۔ دربار میں بلا کر عزت کے ساتھ حاتم کو رخصت کیا۔ اُس کی بیٹی نے ایک مہرہ پگڑی میں باندھ دیا اور سمجھا دیا کہ یہ قدم قدم پر تیرے کام آئے گا۔ اس طرح وہ ان دونوں سے رخصت ہو کے آگے چلا۔

ایک مدت کے بعد کسی پہاڑ پر جا پہنچا۔ یہاں میووں سے لدے ہرے بھرے درخت کوسوں تک لہلہاتے تھے۔ بڑی خوشگوار جگہ تھی۔ ذرا دیر کو ستانے کے لیے لیٹ رہا۔ تھکا ہارا تو تھا ہی۔ لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر میں باغ کا مالک وہاں آ پہنچا۔ حاتم کی آنکھ کھلی تو اُسے سامنے کھڑا پایا۔ فوراً اُٹھا اور جھک کر سلام کیا۔ اس نے محبت سے پوچھا "اے مہمان! تو کون ہے اور کہاں جائے گا؟" حاتم نے جواب دیا "میں دشتِ ہویدا کو جاؤں گا۔" اس نے نرمی سے کہا "اے جوان! اس خیال کو دل سے نکال دے۔ وہاں جاکر آج تک کون واپس آیا ہے؟"

حاتم نے کہا "میں اپنی کسی مراد کے لیے وہاں نہیں جاتا۔ میں نے اللہ کے راستے میں کسی اور کی مدد کرنے کے لیے کمر کسی ہے۔" اس نے جواب دیا "میں سمجھ گیا تو یقیناً حاتم ہے۔ کیونکہ اس کے سوا اس زمانے میں کون ہے جو کسی دوسرے کے لیے اپنی جان مصیبت میں ڈالے۔ خیر فکر مت کر جو دوسروں کی مدد کرتے ہیں اللہ ان کی مدد کرتا ہے۔ لیکن میں اتنا بتا دوں کہ جو دشتِ ہویدا کی طرف گیا وہ پھر لوٹ کر نہ آیا اور جو لوٹ بھی آیا وہ اپنے آپ میں نہ رہا۔ غور سے میری بات سن اور میری نصیحت گرہ میں باندھ لے۔ جس وقت تو اُس دشت کے قریب پہنچے گا تجھے ایسی جگہ لے جایا جائے گا جہاں چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اُسے ظلمات کہتے ہیں۔ تو چپ چاپ چلتے رہنا۔ وہاں بہت سی حسین لڑکیاں اور طرح طرح کی دلکش چیزیں تجھے اپنی طرف متوجہ کریں گی، تو کسی طرف دھیان نہ دینا۔ وہیں ایک عورت تیرا ہاتھ پکڑ کے دشتِ ہویدا میں پہنچا دے گی۔"

صبح کو حاتم اس سے رخصت ہو کر اپنی منزل کی طرف چل دیا۔ تھوڑے

دنوں کے بعد اندھیرے راستوں سے گزرتا ہوا ایک تالاب کے کنارے جا پہنچا۔ ایک حسین لڑکی تالاب سے نکلی اور اس نے حاتم کا ہاتھ پکڑ کر پانی میں غوطہ لگا دیا۔ حاتم کا پاؤں تہ سے لگا تو آنکھیں کھول دیں۔ خود کو اس لڑکی کے ساتھ ایک خوبصورت باغ میں پایا۔

وہ تو ہاتھ چھڑا کر کسی طرف غائب ہو گئی۔ ایک طرف سے ہزاروں حسین لڑکیاں خوبصورت لباس پہنے، سر سے پیر تک گہنوں میں لدی ہوئی نکل آئیں اور رقص کرنے لگیں۔ حاتم کو باغ کے مالک کی نصیحت یاد تھی۔ اس نے کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

آخرکار وہ حاتم کو ایک ایسے مکان میں لے گئیں جو جواہر، لعل اور یاقوت سے بنا تھا۔ بیچوں بیچ ہیروں جڑا ایک شاندار تخت تھا۔ جیسے ہی حاتم تخت کے قریب پہنچا، وہ سب لڑکیاں بُت بن بن کر دیواروں سے چپک گئیں اور محل کی دیواروں سے اَن گنت پریاں نکل کر رقص کرنے لگیں۔ حاتم حیران تھا کہ الٰہی یہ کیا کرشمہ ہے۔

حاتم تخت کے پاس تو پہنچ ہی چکا تھا۔ دل میں کہنے لگا یہاں تک آپہنچا ہے تو ذرا دیر کو اس تخت پر بھی بیٹھ دیں۔ یہ سوچ کر اُس نے تخت پر پاؤں رکھا۔ ساتھ ہی ایک تڑاقے کی آواز ہوئی اور بُت بن جانے والی لڑکیوں میں سے جو سب سے خوبصورت تھی پھر بُت سے انسان کے روپ میں آگئی اور ناز و انداز سے چلتی ہوئی حاتم کے قریب آ پہنچی۔ چہرے پر ہلکی نقاب پڑی تھی۔ جی تو چاہا آگے بڑھ کر نقاب ہٹا دے اور اس کی صورت دیکھے مگر اُس مردِ کی نصیحت یاد آگئی۔ فوراً سنبھل گیا۔

اب حاتم اسی انتظار میں رہا کہ یہ عورت میرا ہاتھ پکڑتی ہے یا کیا

کرتی ہے۔ تین دن اور تین راتیں اسی انتظار میں گزر گئیں اور حاتم اسی طرح تخت پر بیٹھا رہا۔ چوتھے دن اس نے سوچا اگر اسی طرح بیٹھا رہا تو جُگ بیت جائیں گے۔ منیر شامی بیچارہ انتظار میں جان گنوا دے گا۔ اب جو ہونا ہے جلد ہو جائے۔ یہ سوچ کر اس حسینہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ فوراً تخت کے نیچے سے ایک اور خوبصورت عورت نکلی۔ اس نے ایک لات ایسی ماری کہ یہ کہیں کا کہیں جا پڑا۔ سر اُٹھا کر دیکھا تو نہ وہ محل ہے، نہ وہ تخت اور نہ وہ حسینہ۔ ایک لق و دق جنگل ہے جس کا اور چھور دکھائی نہیں دیتا۔

اب حاتم کو اندازہ ہوا کہ دشتِ ہویدا یہی ہے۔ وہ شخص بھی یہیں ہوگا جو کہتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے۔ اُسے ڈھونڈنا چاہیئے۔ اسی خیال میں اِدھر اُدھر پھرتا تھا۔ اتنے میں یہ آواز اُس کے کان میں آئی کہ "ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے" یہ آواز سات دن تک دن میں تین دفعہ اُس کے کان میں آتی رہی۔ آٹھویں دن جب شام کے وقت وہ آواز سُنائی دی تو وہ اس کی طرف دوڑا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سفید داڑھی والا ایک بُزرگ بیٹھا ہے۔ یہ اُس کے آگے گیا اور سلام کیا۔ اُس نے پُوچھا "اے جوان! تُو کہاں سے آیا ہے اور اس جنگل میں تیرا کیا کام ہے؟"

حاتم نے کہا "میں یہ جاننے کے لیے یہاں تک آیا ہوں کہ تم نے ایسا کیا دیکھا ہے جسے دوبارہ دیکھنے کی آرزو رکھتے ہو؟"

بُوڑھے نے کہا "اے مسافر! ایک دن میں سیر کرتا ہوا کسی تالاب کے کنارے جا نکلا اور کنارے پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ اتنے میں ایک حسین عورت تالاب سے نکلی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اُس میں لے گئی۔ تہ سے پاؤں ٹکے تو

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک طرف سے حسین عورتوں کا غول نکلا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک محل میں لے گئیں۔ وہ خود تو بُت بن بن کر دیواروں سے چپک گئیں اور دیواروں سے پریاں نکل کر ناچنے لگیں۔ میں تخت پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ اتنے میں ایک حسینہ مُنہ پر نقاب ڈالے پاس آکھڑی ہوئی۔ میں نے نقاب ہٹائی تو عجب حُسن دیکھا۔ جی جان سے اُس پر فدا ہوگیا۔ میں نے اُس کا ہاتھ پکڑا ہی تھا کہ تخت کے نیچے سے ایک اور حسین عورت نکلی۔ اُس نے ایک ایسی لات ماری کہ میں اِس ویران جنگل میں آپڑا۔ اُسی دن سے آٹھوں پہر رونے کے سوا کچھ کام نہیں۔ لاکھ چاہتا ہوں کہ اُسے دل سے بُھلا دوں پر یہ ممکن نہیں۔"

حاتم بات کی تہ کو پہنچ گیا۔ کہا" اے بزرگ! میرے ساتھ آ۔ وہ محفل میں تجھے دکھاؤں گا۔ اگر چاہتا ہے کہ اُس حسینہ کو ہمیشہ دیکھتا رہے تو اُس کا ہاتھ کبھی نہ پکڑنا۔ نہ کبھی اُس کے چہرے سے نقاب اُلٹنا۔ وہ ساری عُمر تیرے آگے ہاتھ باندھے کھڑی رہے گی۔ اگر اُس کا ہاتھ پکڑے گا تو پھر اِسی سُنسان جنگل میں آپڑے گا۔ اور قیامت تک اُس محل میں داخل نہ ہو سکے گا"۔ یہ کہہ کر حاتم اُسے تالاب کے قریب لے گیا۔ وہاں پھر وہی عورت نکلی اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر تہ میں لے گئی۔

اب سوال کا جواب لے کر حاتم شاہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ راستے کی مصیبتیں جھیلتا ہوا اپنی منزل پر جا پہنچا۔ حُسن بانو کے ملازم اُسے ہاتھوں ہاتھ حویلی تک لے گئے اور حاتم کے صحیح سلامت لَوٹ آنے کی اطلاع کرادی۔ سُنتے ہی حُسن بانو نے بُلوا کر پردے کے پاس بٹھایا اور حال پُوچھا۔

حاتم نے اُس آدمی کا سارا قصّہ سُنا دیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ آدمی جس کو

دیکھنے کے لیے بے چین تھا اب پھر اُس کے پاس جا پہنچا ہے ۔ اِس لیے اب جنگل سے وہ آواز آنی بند ہو گئی ہے ۔" یہ سُن کر حُسن بانو اور اُس کی دائی نے حاتم کی ہمت کی داد دی ۔

حاتم نے کہا "پہلے سوال کا جواب تو مل گیا ۔ اب دوسرا سوال بیان کرو ۔"
حُسن بانو نے کہا " اے حاتم ! تُو بہت دُکھ سہہ کر آیا ہے ۔ کچھ دن آرام کر لے ۔"
حاتم نے کہا " آرام تو مجھے اُسی دن ملے گا جس دن میں تیرے ساتوں سوالوں کے جواب لا دوں گا ۔" یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور آٹھ روز تک منیر شامی کے پاس رہا ۔ نویں روز حُسن بانو سے جا کر کہا کہ " تیرا سوال کیا ہے ۔ خدا کے واسطے جلد کہہ ۔"

دوسرا سوال

نیکی کر اور دریا میں ڈال

حُسن بانو نے کہا " دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے دروازے پر لکھ کر لگا دیا ہے کہ 'نیکی کر اور دریا میں ڈال' یہ کیا بھید ہے ؟" حاتم یہ سُنتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔ پُوچھا " اتنا تو بتاؤ کہ یہ جگہ کس طرف ہے ؟" حُسن بانو نے کہا "میں نے اپنی دائی سے سُنا ہے کہ وہ جگہ یہاں سے اُتّر کی طرف ہے "

بس اتنی بات معلوم کر کے حاتم وہاں سے چل نکلا۔ ایک مُدّت کے بعد کسی جنگل میں جا پہنچا۔ وہاں سے رونے کی آواز آئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک خوبصورت جوان زمین پر بیٹھا آنسو بہا رہا ہے۔ حاتم نے پُوچھا " اے جوان! تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہے جو اس طرح آنسو بہا رہا ہے ؟"

اُس نے کہا " اے مسافر! میں سوداگر ہوں اور یہاں سے بارہ کوس دُور ایک شاندار شہر ہے۔ ایک دن پھرتا پھراتا سوداگری کا مال لے کر اس شہر میں جا نکلا۔ اتفاق سے اوپر نظر اُٹھی تو کیا دیکھتا ہوں ایک حسین لڑکی کھڑی بال سُکھا رہی ہے۔ میں نے پُوچھا " یہ کون ہے ؟" پتہ چلا یہ حارِس سوداگر کی بیٹی ہے۔ اور جو اس کے تین سوالوں کے جواب لا کر دے گا اُسی سے شادی کرے گی۔ یہ بات سُنتے ہی میں اُس کی ڈیوڑھی پر پہنچا۔ اُس نے کہا:-

◆ پہلا سوال یہ ہے کہ اس شہر کے قریب ایک غار ہے۔ وہاں آج تک کوئی نہیں گیا۔ اس کا حال معلوم ہونا چاہیے۔

◆◆ دوسرا سوال یہ ہے کہ جمعہ کی رات کو جنگل سے آواز آتی ہے کہ افسوس میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔ اس کا راز کیا ہے؟

◆◆◆ تیسرا سوال یہ ہے کہ وہ مہرہ جو سانپ کے پیٹ میں ہے لاکر دے۔"

یہ سُننا تھا کہ میرے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ اُس نے مجھے شہر سے نکال دیا اور میں اس جنگل میں آپڑا۔"

حاتم اس مصیبت کے مارے کو ساتھ لے کر شہر کے اندر گیا اور کہلوایا کہ "میں بیاہ کرنے کو آیا ہوں۔" حارس کی بیٹی نے اسے بُلایا اور پردے کے پیچھے بیٹھ کر بات کی۔ اپنے سوال بتائے۔ حاتم نے کہا "میں ان سوالوں کے جواب لانے کے لیے کمربستہ ہوں۔ مگر میری ایک شرط ہے۔ اگر میں جواب لادوں تو پھر تُو میری ہے اور مجھے اختیار ہے کہ جس کو چاہوں تجھے دے ڈالوں۔"

اُس نے یہ بات مان لی۔

حاتم وہاں سے رخصت ہوا۔ شہر کے بہت سے لوگ اُس کے ساتھ آئے اور غار دکھا کر چلے گئے۔ حاتم اس میں کُود پڑا۔ ایک دن اور ایک رات اس میں چکر کھاتا رہا تب جاکر زمین سے پاؤں ٹکے۔ سامنے ایک صاف شفاف تالاب تھا اور اُس کے پیچھے ایسی لمبی اور اونچی دیوار جس کا اور تھا نہ چھور۔ قریب پہنچا تو اُس میں ایک دروازہ دکھائی دیا۔ حاتم اُس میں داخل ہو گیا۔ ایک بستی نظر پڑی جس میں ایک سے ایک شاندار مکان تھا۔

حاتم ابھی اس سوچ میں تھا کہ کیا کرے۔ اتنے میں سامنے سے اَن گِنت دیو آتے دکھائی دیے۔ حاتم کو دیکھتے ہی وہ اُس کی طرف دوڑ پڑے۔

قریب تھا کہ اس کی تکا بوٹی کر دیں کہ ایک دیو بول اٹھا "یارو! یہ آدم زاد ہے۔ اس کا گوشت بڑے مزے کا ہوتا ہے۔ سردار کو پتہ چلے گا تو کولھو میں پلوا دے گا۔ اس کی بیٹی کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ کوئی دوا اثر نہیں کرتی۔ شاید یہ کوئی ترکیب بتائے۔ اسے لے چلو۔"

یہ بات سب کو پسند آئی۔ وہ سب حاتم کو لے کر اپنے سردار کے پاس پہنچے۔ سردار نے کہا "اے جوان! بہت دنوں سے میری بیٹی کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ کسی طرح آرام نہیں ہوتا۔ ہو سکے تو کوئی علاج کر۔" حاتم نے اپنی پگڑی سے مہرہ نکال کر پانی میں ڈالا اور وہ پانی اس کی آنکھوں میں لگا دیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کی آنکھیں فوراً اچھی ہو گئیں۔ اب تو سردار بہت خوش ہوا۔ اسے بادشاہ کے پاس لے گیا اور بڑی تعریفیں کیں۔

بادشاہ نے کہا "اے مسافر! مجھے مدتوں سے پیٹ کے درد کی شکایت ہے۔ ہزاروں علاج کیے، مرض دور نہ ہوا۔ اگر تو میری تکلیف دور کر دے تو تیرا احسان کبھی نہ بھولوں۔" حاتم نے کہا "اے مہربان بادشاہ! علاج کرنا میرا کام ہے، اچھا کرنا تو خدا کے اختیار میں ہے۔ پہلے آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ کھانا کس طرح کھاتے ہیں؟" اس نے جواب دیا "سب امیروں اور وزیروں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا ہوں۔" حاتم نے کہا "خوب! آپ جس وقت کھانا کھائیں، اجازت دیجیے کہ میں بھی موجود رہوں۔"

بادشاہ نے کہا "مناسب۔ اب کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ تو بھی میرے ساتھ چل۔" حاتم نے ایسا ہی کیا۔ اندر پہنچے تو دستر خوان بچھا۔ اس پر طرح طرح کے لذیذ کھانے چنے گئے۔ بادشاہ کھانا شروع کرنا چاہتا تھا کہ حاتم نے اسے روک دیا۔ اور ایک قاب سے سرپوش ہٹایا۔ جتنے لوگ موجود تھے

انھیں دکھا کر پھر ڈھک دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ قاب کھولی تو کھانے کی جگہ کیڑوں سے بھری تھی۔ یہ نرالی بات دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔

حاتم نے کہا "بادشاہ سلامت! بات یہ ہے کہ آپ کے کھانے پر لوگوں کی نظر ہو جاتی ہے۔ آپ اکیلے بیٹھ کر کھانا کھایا کیجیے" اس کے بعد بادشاہ ایسا ہی کرنے لگا۔ دو تین دن میں اس کے پیٹ کا درد بالکل اچھا ہو گیا۔ اب تو بادشاہ حاتم کا گرویدہ ہو گیا۔ اُسے گلے سے لگا لیا اور بولا "تو نے میرا بڑا کام کیا۔ میں تجھے مُنہ مانگا انعام دوں گا۔ بول کیا مانگتا ہے؟"

حاتم نے کہا "اے بادشاہ! میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ بس اتنا چاہتا ہوں کہ جتنے آدم زاد تیری قید میں ہیں ان سب کو آزاد کر دے" بادشاہ کے حُکم سے سارے قیدی پیش کیے گئے اور ان سب کو آزاد کر دیا گیا۔ پھر بادشاہ حاتم سے بولا "بھائی مجھ پر ایک احسان اور کر۔ میری بیٹی ایک مدّت سے بیمار ہے۔ نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ ذرا اسے دیکھ لے۔ ممکن ہے تیری کوشش سے وہ اچھی ہو جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں ہمیشہ کے لیے تیرا بے دام غلام ہو جاؤں گا" حاتم نے کہا "بسم اللہ، چلیے اُسے بھی دکھایئے" بادشاہ حاتم کو محل میں لے گیا۔ حاتم نے ایک ہفتے تک اُسے مُہرے کا پانی پلایا۔ اللہ نے مدد کی اور وہ اچھی ہو گئی۔ چہرہ کُندن کی طرح دمکنے لگا۔ حاتم نے بادشاہ سے اجازت چاہی۔ اُس نے بہت سے قیمتی تحفے دیے اور بڑی عزّت کے ساتھ حاتم کو غار سے رخصت کیا۔

غار سے نکل کر حاتم حارس سوداگر کی بیٹی کے پاس پہنچا اور اُسے غار کا سارا حال سُنایا۔ اس کے بعد اُس آواز کی کھوج میں چلا جو ہر جمعہ کی رات کو جنگل کی طرف سے آتی تھی۔ بہت دنوں بعد ایک ایسے گاؤں میں جا پہنچا

جہاں کے سب رہنے والے رو رہے تھے۔ لوگوں سے پُوچھا "کیا ماجرا ہے؟" انھوں نے کہا "ہم بدنصیبوں کے گاؤں میں ہر مہینے کی سات تاریخ کو ایک بَلا آتی ہے اور ایک آدمی کو کھا جاتی ہے۔ اس مرتبہ ہمارے سردار کے بیٹے کی باری ہے۔ ہم سب اس لیے روتے ہیں۔"

حاتم نے سب کو تسلّی دی اور کہا "تم غم نہ کرو۔ اس بار تمھارے سردار کے بیٹے کی جگہ میں اُس کے پاس جاؤں گا۔ مگر یہ بتاؤ وہ بَلا ہے کس صورت شکل کی؟" لوگوں نے اُس کا پُورا نقشہ کھینچ دیا۔ حاتم نے کہا "گھبراؤ مت۔ جو میں کہوں وہ کیے جاؤ۔ اللّٰہ نے چاہا تو اس بَلا سے نجات پاؤ گے۔" سب نے ایک زبان ہوکر کہا "تم جیسے کہو گے ہم ویسے ہی کریں گے۔"

حاتم نے سَو گز لمبا اور سَو گز چوڑا ایک آئینہ تیار کرا کے اس میدان میں رکھ دیا جہاں وہ بَلا آیا کرتی تھی۔ اوپر سے ایک چادر ڈھک دی۔ حاتم اُس بَلا کے آنے سے پہلے آئینے کے پیچھے چھُپ کر بیٹھ رہا۔ آدھی رات کے بعد وہ بَلا آئی۔ حاتم نے چپکے سے چادر سرکا دی۔ بَلا نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو غصّے سے پھُولنے لگی اور ایسی ایسی ڈراونی آوازیں نکالیں کہ بستی کے رہنے والوں کے دل دہل گئے۔ آخر پھُولتے پھُولتے بَلا کا پیٹ پھٹ گیا۔ ذرا دیر میں بے جان ہوکر زمین پر آرہی۔

بَلا کے مرنے کا لوگوں کو پتہ چلا تو بہت خوش ہوئے۔ سب دوڑے دوڑے حاتم کے پاس آئے۔ سردار بھی آیا اور قدموں پر گر پڑا۔ بولا "تُو جو کہے وہ حاضر کروں۔" حاتم نے کہا "میرے پاس اللّٰہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ مجھے تو کسی اور ہی کام کی دُھن سوار ہے۔" سردار نے پُوچھا "وہ کیا ہے؟" حاتم نے ساری بات بتائی۔ سردار نے کہا "وہ آواز تو

ہم بھی سُنتے ہیں لیکن اُس کا حال کسی کو نہیں معلوم۔" حاتم نے کہا "آج کی رات میں اسی بستی میں ٹھہر کر وہ آواز سُنوں گا۔"

وہ رات حاتم نے اسی بستی میں گزارنی۔ آدھی رات کو آواز گُونجی "افسوس میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔" حاتم فوراً اس آواز کی طرف چل پڑا۔ آخر چلتے چلتے ایک قبرستان میں جا نکلا۔ اچھی جگہ تھی۔ سوچا آج کی رات یہیں آرام کر لوں۔ اینٹوں کا تکیہ بنایا اور ایک کونے میں لیٹ رہا۔

آدھی رات بیتی تھی کہ عجب کرشمہ دکھائی دیا۔ ایک ایک کر کے ساری قبروں کے مُنہ کھُل گئے اور ہر ایک میں سے ایک ایک بُزرگ نکلا جو سفید چادر اپنے جسم سے لپیٹے تھا۔ ایک نے چاندنی کا فرش بچھا دیا۔ باقی سب آ آ کر فرش پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک شخص ایک ٹوٹی قبر سے نکلا۔ اس کا لباس ملگجا تھا، چہرے سے رنج و غم ٹپکتا تھا۔ وہ آیا اور چاندنی سے الگ زمین پر بیٹھ گیا۔ ذرا دیر میں قہوے کا دَور چلنے لگا مگر اُس غریب کو کسی نے نہ پُوچھا۔ اتنے میں اس بدنصیب آدمی نے بڑی دُکھ بھری آواز میں کہا "افسوس، میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔" تھوڑی دیر میں ہر ایک کے آگے خوان آیا۔ ہر خوان میں ایک پیالہ کھیر کا اور ایک کُوزہ ٹھنڈے پانی کا تھا۔ اُس بیچارے کے پیالے میں کنکر پتھر اور کُوزے میں خون بھرا تھا۔

حاتم ایک کونے میں چھپا یہ سب کچھ دیکھتا تھا۔ ایک بُزرگ نے حاتم کو بھی کھیر کا پیالہ اور ٹھنڈے پانی کا کُوزہ لا کر دیا۔ حاتم نے ان کا شُکریہ ادا کرتے ہوئے کہا "آپ کی مہربانی کہ آپ نے میرا اتنا خیال کیا مگر یہ تو بتایئے

کہ اس بیچارے نے کیا قصور کیا ہے کہ اُسے کھیر کی جگہ کنکر پتھر اور پانی کی جگہ خون دیتے ہیں؟" بزرگ نے جواب دیا "اے نوجوان! اس کا حال تو ہم میں سے کسی کو بھی نہیں معلوم۔ پوچھنا چاہتے ہو تو تم خود جا کر اسی سے پوچھ لو۔"

یہ جواب سُن کر حاتم اُٹھا اور اُس مصیبت زدہ کے پاس پہنچا۔ سلام کیا اور پاس ہی بیٹھ گیا۔ جو کچھ دیکھا تھا اس کا سبب پوچھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رو کر بولا "اے جوان! میرا نام یوسف ہے۔ میں سوداگر تھا اور ان سب کا سردار تھا جو میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ میں نے بڑی دولت کمائی مگر اللہ کے راستے میں کچھ بھی خرچ نہ کیا۔ نیکی کی جو بات کسی نے سمجھائی وہ میری سمجھ میں نہ آئی۔ ہمارا قافلہ ایک دن تجارت کا سامان لیے اس راستے سے گزر رہا تھا۔ اچانک ڈاکو ٹوٹ پڑے۔ سب کچھ چھین لیا اور ہمیں مار کر یہاں دفن کر دیا۔ میں نے اپنے کیے کی سزا پائی۔ ان لوگوں کی نیکی ان کے کام آئی۔ یہ بھی سُن لے کہ میں چین کا رہنے والا ہوں۔ اب میری اولاد کا یہ حال ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج ہے۔"

حاتم کو سوداگر کے حال پر بہت ترس آیا۔ سوداگر سے پوچھا "یہ بتا اب بھی کوئی صورت ہے کہ تجھے اس تکلیف سے چھٹکارا ملے؟" سوداگر نے کہا "ہاں، ایک صورت ہے۔ ایک جگہ میری بہت سی دولت دفن ہے۔ کوئی وہاں جائے۔ اُسے کھود کر نکالے۔ اس میں سے ایک حصہ میری اولاد کو دے۔ باقی اللہ کے راستے میں بانٹ دے۔ اس طرح مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا مل سکتا ہے اور اللہ مجھ سے راضی ہو سکتا ہے۔"

حاتم نے کہا "اے عزیز! میں ضرور تیری مدد کروں گا۔ اللہ چاہے تو

آج ہی تیرے مُلک کی طرف روانہ ہوتا ہوں اور جو ترکیب تُو نے بتائی ہے وہ کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر حاتم اُٹھ کھڑا ہوا اور چین کی طرف جانے کے لیے کمر کس لی۔ چلتے چلتے ایک جگہ کنواں نظر آیا۔ پیاسا تھا۔ چاہا کہ اس سے لے کر پانی پیے۔ اتنے میں کنویں سے ایک سانپ نے مُنہ نکالا اور ایک آدمی کی کمر میں بَل ڈال کر اسے اندر کھینچ لیا۔ حاتم اللہ کا نام لے کر کنویں میں کُود پڑا۔ جوں ہی زمین سے پیر ٹِکے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ چاروں طرف ایک وسیع میدان ہے۔ ہرے بھرے درخت ہیں۔ سامنے ایک عالی شان محل ہے جس کا دروازہ کھُلا ہوا ہے۔ حاتم اندر داخل ہو گیا۔ ایک جڑاؤ تخت نظر پڑا جس پر کوئی آدمی سو رہا تھا۔ اتنے میں وہ سانپ نظر آیا اور اس نے حاتم پر حملہ کر دیا۔

حاتم نے دوڑ کر اسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ سانپ اس زور سے چیخا کہ تخت پر سویا ہوا آدمی اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے حاتم سے کہا "اے اجنبی! اس سانپ کو چھوڑ دے۔" حاتم نے کہا "خدا کی قسم! اگر اس نے مسافر کو نہ چھوڑا تو میں اسے جیتا نہ چھوڑوں گا۔" یہ تکرار ہو ہی رہی تھی کہ سانپ حاتم کو نگل گیا۔ حاتم پیٹ کے اندر پہنچ کر بہت گھبرایا۔ اتنے میں آواز آئی "اے حاتم! یہ سب جادُو کا کارخانہ ہے۔ تُو بُرے جنجال میں پھنس گیا ہے۔ کمر سے خنجر نکال اور اس کا پیٹ چاک کر دے۔ یہاں سے بچنے کا بس یہی طریقہ ہے۔" حاتم نے ایسا ہی کیا۔ پیٹ چاک کرتے ہی ایک چشمہ سا اُبل پڑا اور حاتم اس میں تیرنے لگا۔ آخر تیرتا تیرتا ایک بیابان میں جا نکلا۔ دیکھا وہاں بہت سے آدمی کھڑے ہیں جو سُوکھ کر کانٹا ہو گئے ہیں۔

ان آدمیوں میں وہ بھی شامل تھا جسے سانپ نے کنویں میں کھینچا تھا۔ پُوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ سب لوگ وہی ہیں جنھیں سانپ نے پکڑا تھا۔ حاتم نے کہا "بھائیو! سب خدا کا شُکر ادا کرو کہ اس طلسم سے چھٹکارا ملا اور اپنے اپنے گھر کی راہ لو۔" وہ سب حاتم کو دعائیں دیتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

ان سب لوگوں کو رخصت کرکے حاتم پھر چین کی طرف روانہ ہوا۔ چلتے چلتے ایک عالی شان شہر کے دروازے پر پہنچا۔ لوگ اسے پکڑ کر لے گئے اور بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ حاتم بہت غصّے میں تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا "تمھارے شہر کا نرالا دستور ہے۔ مہمان کی خاطر کرنے کے بجائے اسے گرفتار کر لیتے ہیں۔" یہ بات سُن کر بادشاہ رونے لگا اور بولا "اے مسافر! تُو ٹھیک کہتا ہے لیکن ایک بَلا نے ہمیں مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔" حاتم نے کہا "وہ بَلا کون سی ہے؟" بادشاہ نے کہا "وہ بَلا خود میری لڑکی ہے۔ اُسے کسی نے جادُو کر دیا ہے۔ جو مسافر اس شہر میں آتا ہے اُس سے دو سوال کرتی ہے۔ وہ جواب نہیں دے پاتا اور مفت میں مارا جاتا ہے۔ اِس شہر کا نام کبھی عادل نگر تھا مگر اسی لیے اب اِس کا نام بیداد نگر ہے۔"

حاتم نے اس لڑکی کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی۔ بادشاہ اُسے لے کر اپنی بیٹی کے پاس گیا۔ محل میں جا کر دیکھا کہ شہزادی تخت پر بیٹھی ہے۔ صورت ایسی پیاری ہے کہ حُور پَری دیکھے تو شرما جائے۔ حاتم پاس جا بیٹھا۔ شہزادی دیر تک اچھی اچھی باتیں کرتی رہی۔ اتنے میں رات ہوگئی۔ کھانا آیا۔ سب نے ہنسی خوشی کھایا اور پھر باتیں شروع ہوگئیں۔

اس میں آدھی رات ڈھل گئی۔ اس وقت سب آدمی باہر چلے گئے۔ اب شہزادی اور حاتم اکیلے رہ گئے۔ دیکھتے دیکھتے شہزادی پر دَورہ سا پڑ گیا۔ پاگلوں کی طرح کود پھاند کرنے لگی اور حاتم کے پاس آکر بولی "اے اجنبی! یہ بتا تجھے اپنی جان پیاری نہیں جو یہاں آیا" حاتم چُپ رہا۔ شہزادی نے کہا "اچھا اب تو ہمارے سوالوں کے جواب دے۔ ایسا لگتا ہے کہ تیری موت تجھے یہاں لائی ہے" حاتم نے کہا "خیر، موت زندگی تو خدا کے ہاتھ میں ہے، تُو اپنے سوال بتا"

شہزادی بولی "پہلے تو یہ بتا کہ وہ کون سا میوہ ہے جو سب میووں سے زیادہ میٹھا ہے؟" حاتم جھٹ سے بولا "اولاد" شہزادی نے پھر پُوچھا "وہ کیا چیز ہے جو ہر ایک کو کھا لیتی ہے؟" حاتم نے جواب دیا "موت" دونوں جواب سُنتے ہی شہزادی تھر تھر کانپنے لگی اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ اُس کے گرتے ہی اُس کے بدن میں سے ایک کالا سانپ نکل کر حاتم کی طرف لپکا۔ حاتم نے جھٹ پگڑی سے مُہرہ نکال کر مُنہ میں رکھ لیا۔ سانپ نے جیسے ہی حملہ کیا حاتم نے اُس کی گردن مروڑ کر ایک ہنڈیا میں بند کر دیا اور زمین میں گڑھا کھود کر ہنڈیا اُس میں دبا دی۔ اُس کے بعد حاتم شہزادی کے قریب پہنچا اور ایک کُرسی پر بیٹھ گیا۔ دن نکلتے نکلتے وہ ہوش میں آگئی۔ حاتم کو دیکھ کر چونکی اور بولی "تُو کون ہے اور میرے محل میں کس طرح آیا؟" حاتم نے اپنے آنے، لڑکی کے سوال کرنے اور سانپ کے مارے جانے کا حال بتایا۔ وہ بڑی حیران ہوئی۔ پھر اُس نے دائی کو آواز دی اور حاتم سے کہا کہ سارا حال اسے بھی سُنا۔ اُس کے بعد بادشاہ آیا اور اس نے بھی سارا واقعہ سُنا۔ سب حیران تھے۔ حاتم نے کہا "اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ وہ سانپ جو مارا گیا اصل میں

ایک جن تھا۔ یہ جن شہزادی کے سر پر سوار ہوگیا تھا۔ ہر مسافر کو وہی مار ڈالتا تھا۔ خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ شہزادی کو اس سے چھٹکارا ملا۔ اب اس پر پاگل پن کا دورہ نہیں پڑے گا۔" بادشاہ یہ خوش خبری سُن کر بہت خوش ہوا اور حاتم سے کہا "اے نیک دل انسان! میں تیرا احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ اب میری بڑی خواہش یہ ہے کہ تُو میری بیٹی سے شادی کرلے۔" حاتم راضی ہوگیا تو دھوم دھام سے دونوں کا بیاہ ہوگیا۔

شادی کے بعد حاتم کچھ دنوں وہاں ٹھہرا۔ پھر یوسف سوداگر کے کام کے لیے چین کی طرف چل پڑا۔ چلتے چلتے اُس کے شہر میں جا پہنچا۔ لوگوں سے پُوچھا کہ یوسف سوداگر کی حویلی کدھر ہے۔ سب حیرت سے حاتم کا مُنہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا "شاید تُو کوئی دیوانہ ہے جو یوسف سوداگر کو ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ اُسے مرے تو سَو برس ہونے کو آئے۔" حاتم نے کہا "یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ پھر بھی اُس کی حویلی تک پہنچنا چاہتا ہوں۔" اُنھوں نے کہا "اُس کی حویلی سوداگروں کے محلّے میں ہے۔ سیدھے ہاتھ کو چلے جاؤ۔" حاتم پُوچھتا پُوچھتا سوداگروں کے محلّے میں جا پہنچا۔ ادھر سارے میں یہ شہرت ہوگئی کہ کوئی دیوانہ یوسف کو پُوچھتا پھرتا ہے۔ یہ سُن کر لوگ جمع ہوگئے۔ یوسف کے خاندان والے بھی وہاں پہنچ گئے۔ حاتم کو پتہ چلا کہ یہ یوسف کے رشتہ دار ہیں تو ان میں سے ایک سے کہنے لگا "بھائی، ایک جگہ میری ملاقات یوسف سوداگر سے ہوئی تھی۔ اُنھوں نے ایک پیغام بھیجا ہے۔" اتنا سُننا تھا کہ لوگ ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ ایک نے کہا "اسے بادشاہ کے پاس لے چلو۔"

غرض لوگ حاتم کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ حاتم نے بادشاہ کو وہ سارا قصّہ سُنا دیا جو قبرستان میں دیکھا تھا۔ یوسف کی خواہش بھی بادشاہ کو بتا دی۔

وہ بھی اسے دیوانہ سمجھ کر ہنسنے لگا۔ حاتم نے کہا "اے شریف بادشاہ! تو مجھے دیوانہ سمجھ کر ہنس رہا ہے اور میں دل میں سوچ رہا ہوں کہ تو کتنا نادان ہے۔ ذرا سوچ تو اگر یوسف مجھے نہ ملتا تو تجھے کیسے پتہ چلتا کہ اس کی دولت کہاں گڑی ہے" یہ بات بادشاہ کی سمجھ میں آگئی اور وہ اسے لے کر یوسف سوداگر کی حویلی میں پہنچا۔ یوسف کی بتائی ہوئی جگہ پر زمین کھودی گئی۔ بہت مال نکلا۔ حاتم نے ایک چوتھائی اُس کے عزیزوں کو دیا۔ باقی خیرات کر دیا۔

اس کام کو پُورا کر کے حاتم واپس لوٹا اور یوسف کی قبر پر پہنچا۔ ابھی جمعہ میں دو دن باقی تھے۔ اس نے وہاں ٹھہر کر انتظار کیا۔ جمعہ کی رات کو پھر وہی ہوا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آج یوسف سوداگر نے بھی سب کی طرح اُجلے کپڑے پہن رکھے تھے۔ بیٹھنے کا وقت آیا تو اُسے بھی فرش پر جگہ ملی اور آج اُس کے سامنے بھی کھیر کا پیالہ اور ٹھنڈے پانی کا کُوزہ آیا۔ یوسف نے حاتم کو دیکھا تو اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور کہا "اے حاتم! تیری مہربانی سے آج اس عذاب سے مجھے چھٹکارا ملا" حاتم بھی یہ سوچ کر بہت خوش تھا کہ میں اس کے کام آیا اور میری وجہ سے اس کا عذاب ختم ہوا۔ حاتم نے یوسف سوداگر سے اجازت لی اور چل کھڑا ہوا۔

ذرا دُور چلنے کے بعد ایک جگہ ایک بُوڑھی عورت دکھائی دی۔ حاتم نے سمجھا کوئی مصیبت کی ماری غریب عورت ہے۔ اپنی قیمتی انگوٹھی اُتار کر اُسے دے دی۔ بُڑھیا دعائیں دینے لگی۔ حاتم آگے بڑھ گیا۔ ذرا دُور گیا تھا کہ بُڑھیا نے چلّا کر کہا "اِکے دُکے پنچھی پردیسی کا راہ باٹ میں اللہ نگہبان" اس آواز کے سُنتے ہی سات ہٹے کٹے مُسلح آدمی جنگل سے نکلے اور حاتم کے پیچھے لگ لیے۔ بات یہ تھی کہ یہ ساتوں آدمی اس مکار بُڑھیا کے بیٹے تھے' وہ ان کا

کام تھا جنگل میں اکیلے دُکیلے مسافروں کو لُوٹ لینا۔ بُڑھیا کا کام اُنھیں چوکنّا کرنا تھا کہ لو ایک پنچھی آتا ہے۔ پر تینچ کر لو۔

تھوڑی دُور چل کر اُنھوں نے حاتم پر حملہ کیا اور اُس کے سارے ہیرے جواہر چھین لیے۔ اسے مار کُوٹ کے ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا۔ بیچارہ تین دن اس کنویں میں پڑا تڑپتا رہا۔ تیسرے دن مُہرہ گِھس کر زخموں پر لگایا تو چین پڑا۔ آنکھ جھپک گئی۔ خواب میں ایک بُزرگ آئے اور کہنے لگے "حاتم! اس جگہ ایک بڑا خزانہ دفن ہے۔ کل صبح دو آدمی یہاں آئیں گے اور اس جگہ سے تجھے نکالیں گے۔" یہ سُن کر حاتم کو اطمینان ہوا اور وہ دن نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ دن نکلنے پر دو آدمی کنویں کے قریب آئے اور اُنھوں نے کنویں میں رسّی پھینک کر حاتم کو آواز دی۔ حاتم رسّی کے سہارے کنویں سے باہر آیا اور خُدا کا شُکر ادا کیا۔ سوچنے لگا "اگر اس وقت وہ سات چور یہاں ہوتے تو یہ ساری دولت اُنھیں دے دیتا اور کہتا کہ آئندہ کے لیے چوری سے توبہ کر لو۔"

حاتم پھر اُسی راستے پر پہنچا جہاں بُڑھیا ملی تھی۔ اُسے دیکھ کر بُڑھیا نے پھر وہی آواز لگائی "اِکّے دُکّے پنچھی پردیسی کا راہ باٹ میں اللہ نگہبان۔" اس آواز کو سُن کر وہ ساتوں مسٹنڈے پھر نکل آئے۔ حاتم نے اُن سے کہا "دوستو! آج تمھیں ایک نصیحت کرتا ہوں۔ اس لُوٹ مار سے باز آجاؤ۔ میرے پاس کافی دَھن دولت ہے۔ اسے لو اور اس دھندے سے ہاتھ اُٹھاؤ۔" اُنھوں نے وہ مال لے کر وعدہ کیا کہ آئندہ یہ کام نہ کریں گے۔

ان سے رخصت ہو کر حاتم آگے بڑھا۔ تھوڑی دُور چلا تھا کہ ایک کُتّا ہانپتا ہوا آیا اور پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ بیچارے کا پیاس سے بُرا حال تھا۔ زبان

لٹک پڑی تھی۔ حاتم نے اُسے گود میں اُٹھا لیا۔ پاس کے ایک گاؤں میں لے جا کر اُسے پیٹ بھر کے پانی پلایا۔ پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا تو دیکھا کہ سر میں ایک کیل ٹھکی ہوئی ہے۔ حاتم نے وہ کیل کھینچ کر نکالی۔ فوراً ہی وہ کُتا ایک خوبصورت نوجوان کے رُوپ میں آ گیا۔

حاتم کُتّے کو آدمی بنتے دیکھ کر حیران رہ گیا اور کہا "اے خوبصورت جوان! اپنا حال سُنا۔" وہ بولا "اے مہربان! میں سورت شہر کا رہنے والا ہوں۔ تجارت کرتا تھا۔ میری بیوی جادُوگرنی تھی۔ اُس نے سر میں کیل ٹھوک کر مجھے کُتّا بنا دیا۔ کُتّے کے رُوپ میں تین دن تک بھُوکا پیاسا پھرتا رہا۔ آخر اللہ نے تجھے مجھ پر مہربان کر دیا۔ تیرے کیل نکالنے سے میں پھر آدمی کی شکل میں آ گیا۔ جی چاہتا ہے کہ چند دن تُو میرا مہمان رہتا اور میں تیری خدمت کرتا۔" حاتم نے اس کی دعوت قبول کر لی۔ کئی دن اس کا مہمان رہنے کے بعد رخصت ہوا اور حارس سوداگر کی بیٹی کے پاس پہنچا۔ اسے اپنی کامیابی کی خبر دی اور سفر کی ساری تفصیل سُنائی۔ سوداگر کی بیٹی نے کہا "ہاں تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ بہت دنوں سے وہ آواز آنی بند ہو گئی۔ میرا ایک سوال اور رہ گیا ہے۔ اگر تُو نے اُس کا جواب بھی لا دیا تو میں تیری کنیز ہوں۔"

حارس کی بیٹی سے یہ بات چیت کرنے کے بعد حاتم سرائے میں آیا اور وہاں سوداگر بچے سے ملاقات کی۔ وہ بڑی بے چینی سے حاتم کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ حاتم کو دیکھ کر اس کے گلے لگ گیا۔ حاتم نے سفر کا سارا قصّہ اور اپنی کامیابی کا حال سُنایا اور کہا "تُو اطمینان سے یہاں آرام کر اللہ نے چاہا تو تیسرے سوال کا جواب بھی جلد لاؤں گا۔ اس کے بعد سوداگر کی بیٹی سے تیری شادی کرا دوں گا۔" وہ بیچارہ پہلے ہی حاتم کا بے دام غلام تھا۔ اب اس نے ڈھارس بندھائی تو

احسان کے بوجھ سے اور بھی گردن جھک گئی۔ بار بار حاتم کا شکریہ ادا کیا۔

ایک دن حاتم نے آرام کیا۔ دوسرے دن پھر سفر کے لیے کمر کس لی۔ اِس بار اُسے پری شاہ کے مُہرے کی تلاش تھی۔ سمجھ رہا تھا کہ دیووں کا بادشاہ اس کا صحیح پتہ بتا سکے گا اس لیے اُسی غار کے دہانے پر پہنچا جس میں پہلے داخل ہوکر دیووں کے بادشاہ تک پہنچا تھا۔ اِس بار آسانی سے وہاں جا پہنچا۔ بادشاہ پہچان گیا اور اس نے بڑی عزت سے حاتم کو بٹھایا۔ آنے کا سبب پوچھا۔ حاتم نے کہا "مجھے پری شاہ کے مُہرے کی تلاش ہے۔ آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ کسی طرح مجھے پری شاہ کے مُلک تک پہنچایئے" بادشاہ نے کہا "اے حاتم! تو کیسی نادانوں کی سی باتیں کرتا ہے۔ کسی دیو یا کسی انسان کی مجال نہیں کہ پری شاہ کے مُلک تک پہنچ سکے۔ اس بیکار خیال کو دل سے نکال دے ورنہ مفت میں اپنی جان گنوائے گا" حاتم نے کہا "میں اس خیال سے باز آنے والا نہیں۔ میرا نام حاتم ہے۔ میں کسی کی مدد کرنے کے لیے اللہ کا نام لے کر گھر سے نکلا ہوں۔ اب یہ ممکن نہیں کہ تکلیفوں سے ڈر کے گھر لوٹ جاؤں"

دیووں کے بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ حاتم دُھن کا پکّا ہے۔ کسی طرح نہ مانے گا۔ اس نے چند دیو حاتم کے ساتھ کر دیے اور اُن سے کہہ دیا کہ "حاتم کو پری شاہ کی سرحد تک پہنچا دینا۔ خود اندر نہ جانا بلکہ وہیں رُک کر حاتم کی واپسی کا انتظار کرنا"

حاتم دیووں کے ساتھ روانہ ہوا اور کچھ ہی دن میں پری شاہ کی سرحد کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں دیووں سے رخصت ہوکر سرحد کے اندر داخل ہوا۔ اندر پہنچتے ہی پری زادوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور گردن میں طوق

ڈال کر گرفتار کر لیا۔ پوچھا "تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟" حاتم گونگا بن گیا۔ کوئی جواب نہ دیا۔ انھوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا۔ پھر لکڑیاں جمع کرکے آگ جلائی۔ آگ بھڑک اُٹھی تو حاتم کو اس میں جھونک دیا۔

حاتم تین دن تک اُس بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑا رہا۔ لیکن مُہرے کی وجہ سے اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ آگ ٹھنڈی پڑگئی تو حاتم اُٹھ کھڑا ہوا اور آگے چلا۔ تھوڑی دیر میں پھر پری زادوں نے آگھیرا۔ اِس بار انھوں نے اِسے اتنی زور سے اُٹھا کر پھینکا کہ یہ کوسوں دُور دریائے شور میں جا گرا۔ وہاں ایک گھڑیال نے اسے نگل لیا۔ یہاں بھی مُہرے نے اس کی مدد کی۔ آخر تنگ آکر گھڑیال نے اسے اُگل دیا۔ حاتم نے کپڑے سُکھائے اور آگے بڑھ گیا۔ آگے جاکر پھر پری زاد مل گئے۔ حاتم کے بہت کہنے سُننے پر انھوں نے اسے کوئی سزا نہ دی مگر بادشاہ کو لکھ کر بھیج دیا۔ حاتم نے یہ بھی لکھوا دیا کہ یہ آدم زاد آپ سے ملنے کی خواہش رکھتا ہے۔

بادشاہ نے لکھا "اس آدم زاد کو فوراً ہماری خدمت میں حاضر کرو۔" جواب ملتے ہی پری زادوں کا غول حاتم کو لے کر بادشاہ کے محل کی طرف چلا۔ آدم زاد کے آنے کی خبر چاروں طرف پھیل گئی۔ مینا کی بیٹی حُسنا پری تک بھی خبر پہنچی کہ ایک آدم زاد یہاں آیا ہے جو حُسن اور بہادری میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اُسے حاتم کے دیکھنے کا بہت اشتیاق ہوا۔ حاتم کو لیے پری زادوں کا لشکر جس راستے سے گزرنے والا تھا، اُس کے پاس ہی حُسنا پری کا ایک باغ تھا۔ دل میں سوچا وہاں جا رہو اور کسی ترکیب سے حاتم کو وہاں پکڑوا کر بُلوا لو۔

یہ سوچ کر ماں کے پاس گئی اور اس سے اجازت مانگی۔ پھر اپنی ہمجولیوں کو لے کر باغ میں جا پہنچی۔ وہاں پہنچ کر اپنی ہمجولیوں سے کہا کہ "اُڑتی ہوئی جاؤ اور اُس آدم زاد کا پتہ لگاؤ۔" وہ فوراً اُڑ گئیں۔ لوٹ کر بتایا کہ "دریائے قلزم کے چوکیدار اُسے بادشاہ کے پاس لیے جلتے ہیں اور وہ آدم زاد واقعی ایسا خوبصورت ہے کہ چاند سُورج بھی اُسے دیکھ کر شرماتے ہیں" یہ سُن کر حُسنا کا اشتیاق اور بڑھا۔ فوراً حکم دیا "جس طرح بنے اُسے پکڑ کر یہاں لے آؤ۔"

پریاں فوراً وہاں جا پہنچیں اور موقع کی تلاش میں رہیں۔ آدھی رات ہوئی تو چوکیدار اُونگھ گئے۔ پریوں نے حاتم کو بیہوش کیا اور باغ میں لے آئیں۔ حُسنا پری نے اُسے دیکھا تو دنگ رہ گئی۔ جیسا سُنا تھا اُس سے بھی زیادہ پایا۔ دل میں طے کر لیا اب اسے یہاں سے نہ جانے دوں گی۔ ذرا دیر میں حاتم ہوش میں آ گیا۔ آنکھ کھُلی تو پری نظر پڑی۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ماجرا ہے۔ پُوچھا "تم کون ہو اور میں یہاں کس طرح آیا؟" حُسنا پری نے جواب دیا "اے آدم زاد! یہ باغ مینا پری زاد کا ہے۔ میں اُس کی بیٹی ہوں۔ حُسنا پری میرا نام ہے۔ تیرے حُسن اور تیری بہادری کے قصّے سُنے تو تیرے دیکھنے کو جی چاہا۔ اس لیے یہاں بُلوا لیا۔"

یہ جواب سُن کر حاتم مُسکرا دیا اور بولا "اے حسین پری! تُو نے میرا راستہ کھوٹا کیا۔ میں تو جلد سے جلد ماہ رو پری شاہ کے دربار میں پہنچنا چاہتا تھا۔" حُسنا پری نے پُوچھا "آخر کیوں، وہاں تیرا کیا کام تھا؟" حاتم نے اپنے جانے کا مقصد بتایا تو وہ بولی "اے آدم زاد! یہ کام آسان نہیں۔ وہاں تو فرشتوں کے پر جلتے ہیں۔ بھلا تیری کیا مجال کہ وہاں پہنچ سکے۔

خیر مجھ سے تیرے لیے جو کچھ بن پڑے گا ضرور کروں گی۔"

اُدھر یہ ہوا کہ جب دریائے قلزم کے چوکیدار جاگے اور حاتم کو غائب پایا تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ چاروں طرف ڈھونڈا مگر وہ وہاں ہوتا تو ملتا۔ ماہ رو پری شاہ دیر سے حاتم کا منتظر تھا۔ وہ نہ پہنچا تو پتہ چلانے کو پری زاد بھیجے۔ انھوں نے واپس آکر حاتم کے غائب ہونے کی اطلاع دی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ چاروں طرف پیادے دوڑا دیے کہ کسی طرح پتہ لگائیں۔ انھوں نے تھوڑے دنوں بعد آکر اطلاع دی کہ حاتم کو حُسنا پری نے اپنے باغ میں مہمان بنا رکھا ہے۔ یہ سُن کر وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ فوراً حکم دیا کہ مینا پری زاد، حُسنا پری اور آدم زاد کو پکڑ لاؤ۔ مینا نے سپاہیوں کو دیکھا تو بہت گھبرائی اور فوراً چلنے کو تیار ہو گئی۔ اس کے بعد سپاہی باغ میں پہنچے۔ وہاں سے حُسنا پری اور حاتم کو لیا اور سب کو ماہ رو پری شاہ کے سامنے پیش کر دیا۔

حُسنا پری کو دیکھ کر بادشاہ کی تیوری پر بَل پڑ گئے۔ بہت بگڑا۔ پھر حاتم کی طرف مخاطب ہو کر بولا "اے آدم زاد! تیری کیسے ہمت ہوئی کہ تُو نے ہمارے مُلک میں قدم رکھا؟" حاتم نے کہا "میں نے تیری بڑی تعریف سُنی تھی۔ تجھے دیکھنے کا شوق مجھے یہاں کھینچ لایا۔" اس بات سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ بولا "اگر تُو ہمارا ایک کام کرے تو مُنہ مانگی مُراد پائے۔ میرے ایک بیٹا ہے۔ مُدّت سے اُس کی آنکھیں دُکھتی ہیں۔ یہاں تک کہ بینائی بھی جاتی رہی۔ ہو سکے تو اُس کا علاج کر۔" حاتم نے اُسے بُلوایا۔ وہ بیچارہ درد سے بے چین تھا۔ حاتم نے گِھس کر مُہرہ لگایا۔ درد فوراً جاتا رہا۔ حاتم نے بادشاہ سے کہا "پردۂ ظلمات میں ایک پَودا ہے۔ تور ریز اُس کا نام ہے۔ اُس کے رس کے

چند قطرے منگا دے تو اس کی آنکھوں کی روشنی ابھی لوٹ آئے۔" بادشاہ نے درباریوں کی طرف دیکھ کر پوچھا" تم میں سے کوئی یہ کام کر سکتا ہے؟" مگر سب چپ رہے۔ آخر حسنا پری بولی" یہ کام میں کروں گی۔" بادشاہ کی اجازت پاکر وہ فوراً چلی گئی اور آٹھویں دن اس کا رس لے آئی۔ حاتم نے اسے لڑکے کی آنکھوں میں ٹپکایا تو آنکھیں تاروں کی طرح روشن ہوگئیں۔ بادشاہ خوشی میں آپے سے باہر ہوگیا۔ بولا" اے آدم زاد! بول کیا انعام چاہیے؟"

حاتم نے فوراً کہا" مجھے تیرا مُہرہ چاہیے۔" بادشاہ نے یہ سُنا تو دھک سے رہ گیا۔ کہنے لگا" اے آدم زاد! میں تجھے قول دے چکا ہوں۔ اس لیے مُہرہ دینے سے انکار تو نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ بتا تو اس مُہرے کا کرے گا کیا؟" حاتم نے اُسے ساری بات بتا دی۔ بادشاہ نے کہا" خیر اس وقت تم مُہرہ لے جاؤ مگر میں یہ مُہرہ سوداگر کی بیٹی کے پاس چھوڑوں گا نہیں۔" حاتم نے کہا" یہ تو جان۔ میں تو صرف اپنا وعدہ پُورا کرنا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ سوداگر کی بیٹی کی شادی میرے دوست سے ہو جائے۔"

بادشاہ نے مُہرہ حاتم کے حوالے کر دیا۔ اس نے وہ مُہرہ احتیاط سے بازو پر باندھ لیا۔ وہاں سے رخصت ہو کر تھوڑے ہی دنوں میں اپنی منزل پر پہنچ گیا اور وہ مُہرہ حارث سوداگر کی بیٹی کے حوالے کر دیا۔ مُہرہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی۔ کہنے لگی" اب میں تیری لونڈی ہوں۔ تُو جو حکم دے وہ بجا لاؤں۔"

حاتم نے جواب دیا" میری خواہش یہ ہے کہ تُو سوداگر بچے سے شادی کرلے۔" اس نے کہا" جو تیری مرضی۔" چند دنوں میں دونوں کی شادی ہوگئی۔ وہاں سے فارغ ہو کر حاتم حُسن بانو کے سوال کا جواب لانے کے لیے روانہ ہوگیا۔

سفر کی مصیبتیں برداشت کرتا ہوا ایک دریا کے کنارے جا پہنچا۔ وہاں ایک شاندار محل بنا ہوا تھا۔ اس کے دروازے پر موٹے حرفوں میں لکھا تھا "نیکی کر اور دریا میں ڈال" حاتم یہ عبارت پڑھ کر بہت خوش ہوا اور عمارت کے پھاٹک کی طرف چلا۔

حاتم ابھی پھاٹک کے پاس پہنچ بھی نہ پایا تھا کہ دروازہ کھلا۔ چند خواص اندر سے نکل کر حاتم کے پاس آئے اور بڑی عزت کے ساتھ اسے اندر لے گئے۔ وہاں جاکر حاتم نے دیکھا کہ ایک بزرگ تخت پر بیٹھے ہیں۔ بڑی نورانی صورت ہے۔ حاتم کو دیکھ کر تخت سے اُٹھے اور اُسے گلے لگالیا اور اپنے پاس تخت پر جگہ دی۔ طرح طرح کے لذیذ کھانے منگواکر حاتم کو کھلائے۔ کھانے سے فارغ ہوکر حاتم نے بزرگ سے پوچھا "آپ کے محل کے دروازے پر جو عبارت لکھی ہے اس کا کیا مطلب ہے؟"

بزرگ نے جواب دیا "اے عزیز! میں کسی زمانے میں رہزن تھا۔ راستہ چلتوں کو لوٹنا میرا کام تھا۔ لیکن میرا ایک قاعدہ تھا کہ دو گھی چپڑی روٹیاں دریا میں ڈال دیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کام اللہ کے لیے کرتا ہوں۔ مدتوں یہی ہوتا رہا۔ ایک بار سخت بیمار پڑا۔ شدھ بدھ کی خبر نہ رہی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ فرشتے مجھے کھینچے ہوئے دوزخ میں لیے جارہے ہیں۔ آخر دو فرشتوں نے آکر کہا "اسے جنت میں لے جاؤ" جب مجھے جنت کے دروازے پر لے جایا گیا، وہاں کے داروغہ نے کہا "اسے تم ابھی سے کیسے لے آئے۔ اس کی تو بہت عمر باقی ہے۔ اس نام کا دوسرا شخص ہے۔ اُسے لاؤ اور اسے واپس چھوڑ آؤ۔" انھوں نے ایسا ہی کیا۔ راستے میں وہ دونوں فرشتے پھر ملے۔ انھوں نے کہا "ہم وہ دو روٹیاں ہیں جو تو اللہ کے نام پر دریا میں ڈالا کرتا تھا۔" پھر میں جاگ گیا اور

اُسی دن سے رہزنی سے توبہ کرلی۔ جو کچھ میرے پاس تھا اس میں سے تھوڑا سا روک کر باقی سب اللہ کے نام پر لُٹا دیا۔ دریا میں روٹیاں ڈالنا میں کبھی نہ بھُولا۔ اب یہ ہوتا ہے کہ جب میں روٹیاں دریا میں ڈالتا ہوں تو دریا سے ایک ہاتھ نکلتا ہے اور وہ سَو دینار میرے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ میں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرتا ہوں، باقی اللہ کے نام پر خیرات کر دیتا ہوں۔ اب میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے اور یہ سب اُسی نیکی کی بدولت ہے جو میں کرکے دریا میں ڈال دیا کرتا تھا۔ اس لیے یہ عبارت لکھ کر میں نے اپنے دروازے پر لگا رکھی ہے۔"

حاتم نے بُزرگ کا شُکریہ ادا کیا اور اس سے اجازت لے کر شاہ آباد کا رُخ کیا۔ چند ہی دن میں شاہ آباد پہنچ گیا۔ پہلے سرائے میں پہنچ کر اپنے دوست کو دلاسا دیا پھر حُسن بانو کے محل میں جاکر اسے سفر کا حال سُنایا اور اُس سے تیسرا سوال دریافت کیا۔ حُسن بانو نے پہلے تو حاتم کی ہمّت کی داد دی پھر کہا "اے جواں مرد مصیبت کے ماروں کے ہمدرد! میرا تیسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص جنگل میں کھڑا کہتا ہے ــــــ کِسی سے بَدی نہ کر۔ اگر کرے گا وہی پائے گا، یہ پتہ لگا کہ وہ ایسا کیوں کہتا ہے۔" حاتم نے کہا "اچھا، میں دو چار دن میں اس سوال کا جواب لانے کے لیے روانہ ہوتا ہوں۔"

حاتم کا جانا اور تیسرے سوال کا جواب لانا

اب حاتم تیسرے سوال کا جواب لانے کے لیے روانہ ہوا۔ کوئی مہینہ بھر چلا ہوگا کہ ایک پہاڑ دکھائی دیا جو آسمان سے باتیں کرتا تھا۔ اُس کی چوٹی پر ایک حسین جوان کھڑا تھا اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: "شتاب آ کہ نہیں تاب اب جُدائی کی۔" حاتم نے قریب جا کر رنج و غم کا سبب پُوچھا۔ اُس جوان نے جھنجلا کر کہا "جا اپنا راستہ لے۔ جانے کتنے آئے اور سبب پُوچھ پُوچھ کر چلے گئے۔" حاتم نے کہا "اے عزیز! جب تُو نے بہتوں کو اپنا دُکھ درد بتایا ہے تو مجھے بھی بتا دے۔ شاید میں اللہ کی مدد سے تیری مشکل آسان کر سکوں۔"

جوان نے کہا "اے مسافر! اگر تُو جاننا ہی چاہتا ہے تو سُن۔ میں ایک سوداگر ہوں۔ ایک دن اسی راستے سے گزر رہا تھا کہ الگن پری سے میری ملاقات ہوگئی۔ اُسے دیکھ کر میرا بُرا حال ہوگیا۔ ہوش و حواس جاتے رہے۔ وہ کسی طرح ہوش میں لائی اور بولی "اے جوان! تُو مجھے بہت اچھا لگا۔ جی چاہتا ہے کہ تُو کچھ دن میرا مہمان رہے۔ مگر ایک شرط ہے۔ تجھے ایک ہفتے یہاں رہ کر میرا انتظار کرنا ہوگا۔" اُس سے جُدا ہونے کو جی تو نہ چاہتا تھا۔ مگر

پھر ملاقات ہونے کی اُمید پر میں نے یہ شرط منظور کرلی۔
اِس بات کو سات برس ہونے کو آئے۔ جب سے میں یہاں کھڑا اُس کا انتظار کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر پھر چیخ ماری اور وہی مصرعہ پڑھا:

شتاب آ کہ نہیں تاب اب جُدائی کی

حاتم کو اُس پر بڑا ترس آیا۔ بولا "اے دوست! میری زندگی کا مقصد یہی ہے کہ دوسروں کے کام آؤں۔ تُو میرا انتظار کر میں الگن پری کی تلاش میں روانہ ہوتا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو تیری مُراد جلد پُوری ہوگی۔"

اُسے دلاسا دے کر حاتم پریوں کے دیس کو روانہ ہوا۔ کئی دن چلنے کے بعد ایک باغ میں جا پہنچا۔ تھکا ہارا تو تھا ہی تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر بعد اُٹھا تو دیکھا کہ چار پریاں سامنے بیٹھی ہیں۔ انھوں نے پُوچھا "تو کون ہے اور یہاں کیسے آیا ہے؟" حاتم نے آنے کا سبب بیان کیا۔ پریاں ہنسنے لگیں۔ بولیں "دیوانہ ہوا ہے۔ وہاں پہنچنا کوئی آسان کام ہے؟" حاتم نے کہا "آسان ہو یا مُشکل مگر مجھے ضرور وہاں پہنچنا ہے۔ ایک اللہ کا بندہ مُشکل میں پھنسا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اُس کی مدد نہ کروں۔"

پریوں نے کہا "اگر جان جوکھوں میں ڈالنا چاہتے ہو تو ضرور جاؤ۔ الگن پری کوہِ القاپر رہتی ہے۔ یہاں سے آٹھ دن چلو تو اُس کی سرحد پر جا پہنچو گے۔" یہ سُنتے ہی حاتم فوراً چل پڑا اور آٹھویں دن الگن پری کی سرحد میں جا پہنچا۔ سامنے ایک دوراہا تھا۔ عقل نے کام نہ کیا کہ کدھر جائے۔ اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ کہیں دُور سے رونے پیٹنے کی آواز سُنائی دی۔ حاتم آواز کی طرف چل پڑا لیکن رات کا وقت تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کس کی

آواز ہے۔ناچار صبح کا انتظار کرنے لگا۔صبح کو پھر آواز کے سہارے چل نکلا۔تھوڑی دُور گیا ہوگا کہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک خوبصورت نوجوان ننگے سر ننگے پیر جنگل میں اِدھر اُدھر دوڑتا پھرتا ہے۔ ذرا ذرا دیر بعد رُک جاتا ہے اور بچّوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگتا ہے۔

حاتم نے اس نوجوان کے پاس جاکر رونے کا سبب پُوچھا۔اُس نے کہا "میں ایک پردیسی ہوں۔ روزی کی تلاش میں گھر سے نکل کر یہاں آپہنچا۔یہاں ایک حسین عورت سے ملاقات ہوگئی۔ اُس نے بھی مجھے پسند کیا اور اپنے محل میں لے جاکر مہمان رکھا۔اُس کا باپ ایک بڑا جادُوگر تھا۔اُس نے جادُو کے زور سے پتہ لگا لیا کہ میں یہاں چھپا ہوا ہوں۔ایک دن آکر اپنی بیٹی پر بہت خفا ہوا۔پھر مجھے بُلاکر کہا کہ اگر میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو میری تین شرطیں پُوری کر۔پہلی یہ کہ پری رو جانور کا ایک جوڑا لاکر دے، دوسری یہ کہ سُرخ سانپ کا مُہرہ لے کر آ۔تیسری شرط یہ ہے کہ کھولتے تیل میں غوطہ لگاکر صحیح سلامت نکل آ۔ تُو ہی بتا یہ شرطیں میں کیسے پُوری کرسکتا ہوں۔ اس لیے اُسے یاد کرتا ہوں اور روتا ہوں"

حاتم نے اُس کی ہمّت بندھائی اور کہا کہ "میں تیرے کام کی تدبیر کرتا ہوں" حاتم جانتا تھا کہ پری رو جانور کا جوڑا دشتِ مازندران میں ملے گا۔ پہلے وہ اسی کے لیے روانہ ہوا۔تھوڑی دُور چلنے کے بعد ایک قلعہ دکھائی دیا۔ قریب پہنچ کر دیکھا کہ لوگ اُس کی خندق میں آگ جلا رہے ہیں۔ پُوچھنے پر معلوم ہوا کہ ہر رات کو یہاں ایک بلا آتی ہے اور تین چار آدمیوں کو کھا جاتی ہے۔ حاتم نے کہا "آج رات اُسے آنے دو۔میں اُس کا کچھ علاج کروں گا"

رات ہونے سے پہلے حاتم خندق کے پاس چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب آدھی رات گزر گئی تو ایک جانور آتا دکھائی دیا، جس کے آٹھ پاؤں اور سات سر تھے۔ ایک سر ہاتھی کا اور چھ شیر کے۔ جو سر ہاتھی کا تھا اُس میں نو آنکھیں تھیں۔ ذرا سی دیر میں بلا بالکل قریب آ گئی۔ لوگوں نے لکڑیوں میں آگ لگا دی تو وہ بوکھلا کر اِدھر اُدھر دوڑنے لگی۔ اتنے میں وہ حاتم کے بالکل سامنے آ گئی۔ حاتم نے تاک کر آنکھ میں تیر مارا تو وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگی اور تھوڑی دیر میں وہ لوٹ لوٹ کر مر گئی۔

شہر کے لوگ بہت خوش ہوئے کہ حاتم کی بدولت بلا سے چھٹکارا ملا۔ سب نے چاہا کہ حاتم کو دھن دولت سے مالا مال کر دیں مگر حاتم نے کچھ قبول نہ کیا۔ سب محتاجوں میں بٹوا دیا اور سب سے درخواست کی کہ اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے دین دُنیا میں سرخرو کرے۔

حاتم ذرا آگے بڑھا تو ایک سانپ اور ایک نیولے کو آپس میں لڑتے ہوئے پایا۔ پوچھا "تم میں ایسی کیا دشمنی ہے۔ کیوں لڑتے ہو؟" سانپ نے کہا "اِس نے میرے باپ کو مارا ہے۔ میں اِسے ماروں گا۔" نیولا بولا "یہ میری خوراک ہے۔ اِسے میں کھاؤں گا۔" حاتم نے کہا "تجھے اپنا پیٹ ہی تو بھرنا ہے۔ میرے گوشت سے بھر لے۔" پھر سانپ سے بولا "تجھے اپنے باپ کا بدلہ لینا ہے تو مجھ سے لے لے۔" دونوں نے یہ سُن کر لڑنا بند کر دیا۔ نیولے نے کہا "تُو مجھے اپنے گالوں کا گوشت کھانے کو دے۔" حاتم نے فوراً تلوار نکال لی۔ قریب تھا کہ گوشت کاٹ ڈالے۔ اتنے میں نیولا چلایا "ٹھہر ٹھہر میں تو تیرا امتحان لیتا تھا۔ شاباش تیری ہمت کا کیا کہنا۔"

ذرا سی دیر میں سانپ اور نیولا لوٹ پوٹ کر آدمی کی شکل میں آ گئے

ور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حاتم بڑا حیران ہوا۔ پوچھا " یہ کیا ماجرا ہے؟" سانپ بولا " اصل میں ہم دونوں جن ہیں۔ میں نے اس کے باپ کو مار ڈالا کیونکہ وہ اپنی بیٹی سے میری شادی نہ کرتا تھا۔ یہ اُس کا بھائی ہے۔ یہ بھی شادی کے لیے رضامند نہیں ہوتا۔ میں اِسے بھی مار ڈالوں گا۔" دوسرا بولا " یہ اپنی بہن کی شادی مجھ سے کر دے تو میں اپنی بہن کی شادی اِس سے کر دوں۔" وہ جن جو پہلے نیولے کے رُوپ میں تھا، کہنے لگا " کیا کروں میرے باپ کو یہ شادی منظور نہیں۔" آخر حاتم نے جاکر اُسے راضی کیا اور ایک ہی دن میں دونوں کی شادی ہوگئی۔

شادی سے دونوں جن اتنے خوش ہوئے کہ دونوں نے حاتم کو ایک ایک تحفہ دیا۔ ایک نے عصا دیا۔ اس میں یہ کرامت تھی کہ سانپ بچھو کاٹے تو اثر نہ کرے، کسی دشمن کا جادُو کارگر نہ ہو، اس کے سایے میں لیٹ جاؤ تو آگ سے نہ جلو، راستے میں دریا آجائے تو اسے ڈال دو۔ ڈالتے ہی یہ کشتی بن جائے۔ دوسرے نے ایک مُہرہ دیا جسے مُنہ میں رکھ لو تو سانپ کے کاٹے کا اثر نہ ہو۔ حاتم دونوں چیزیں لے کر رخصت ہوا۔

حاتم ابھی زیادہ دُور نہ جانے پایا تھا کہ ایک دریا ملا۔ حاتم نے پانی میں وہ عصا ڈال دیا تو وہ فوراً کشتی بن گیا۔ اس طرح حاتم نے دریا پار کیا اور دشتِ ماژندراں کی طرف چل دیا۔ دو دن لگاتار چلنے کے بعد وہ منزل پر پہنچ گیا اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سوچنے لگا کہ دشتِ ماژندراں میں پہنچ تو گیا مگر اب کیا کروں اور وہ جانور کا جوڑا کہاں ڈھونڈوں۔ اسی سوچ بچار میں نیند آگئی اور پری رو جانور کا ایک جوڑا اُسی درخت پر بیٹھا۔ نر مادہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے۔ نر بولا " آج رات اِس

درخت کے نیچے حاتم طائی ہمارا مہمان ہے۔ اس نے دوسروں کے لیے اپنا آرام چین سب کچھ تج دیا ہے۔ ہر وقت یہی دھیان ہے کہ کس طرح کسی کے کام آؤں۔ اب اسے ہمارے جوڑے کی ضرورت پیش آئی ہے۔" حاتم بھی نیچے لیٹا یہ ساری باتیں سُنتا تھا۔

صبح ہوتے ہوتے بہت سے جانور وہاں جمع ہو گئے۔ سب نے کہا "اے حاتم! یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج تُو ہمارا مہمان ہے۔ ہمیں تیرے یہاں آنے کا سبب بھی معلوم ہے۔ ہم اپنے بچوں کا ایک جوڑا تیری خدمت میں پیش کرتے ہیں۔" حاتم نے اُن سب کا شکریہ ادا کیا اور کہا "تمھاری اِس عنایت سے ایک نامُراد اپنی مُراد کو پہنچے گا۔" غرض حاتم بچوں کا ایک جوڑا لے کر وہاں سے چل پڑا۔ یہ بھی سُن لو کہ وہ جانور تھا عجیب۔ سر اور چہرہ آدمی کا سا اور گردن کے نیچے کا سارا دھڑ بالکل مور جیسا۔

کافی لمبا سفر طے کرکے حاتم جادُوگر کے شہر میں پہنچا اور سپاہی زادے کو وہ جوڑا دیا۔ جوان بہت خوش ہوا اور اسے لے کر فوراً جادُوگر کے پاس پہنچا۔ اس نے کہا "اب میرا دوسرا سوال پُورا کر اور سُرخ سانپ کا مُہرہ لاکر دے۔" سپاہی زادے نے یہ بات حاتم کے پاس جاکر دُہرائی۔ اس نے کہا "تُو فکر نہ کر۔ اب میں اس کی کھوج میں نکلتا ہوں اور کوہِ قاف جاکر دشتِ سُرخ سے وہ مُہرہ لے کر آتا ہوں۔"

دو ایک دن آرام کرنے کے بعد حاتم مُہرے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ منزلیں طے کرتا ہوا ایک جنگل میں جا پہنچا۔ وہاں ایک بچھو دیکھا جس کا قد مُرغ کے برابر تھا اور جسم سات رنگ کا تھا۔ اتنے میں رات ہو گئی۔ حاتم ایک درخت کے نیچے لیٹ رہا۔ اس کے پاس گائیں اور گھوڑے وغیرہ

گھاس چر رہے تھے۔ وہی بچھو نکلا اور اُس نے ڈنک مار مار کر سب کو مار دیا اور خود ایک پتھر کے نیچے چھپ رہا۔ صبح کو لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ بچھو پھر نکلا اور اُس نے ایک آدمی کے ڈنک مارا۔ وہ بیچارہ گر کر تڑپنے لگا۔ اب بچھو نے جنگل کی راہ لی۔

حاتم بھی بچھو کے پیچھے پیچھے چلا۔ ذرا آگے چل کر بچھو لوٹ پوٹ کر سانپ بن گیا اور بل میں جا گھسا۔ رات ہوئی تو پھر نکلا اور شہر کی طرف چل دیا۔ آخر موری کے راستے سے شاہی محل میں داخل ہو گیا اور اُس نے وہاں بادشاہ کو ڈس لیا۔ وہاں سے نکل کر وزیر کی حویلی میں گھس گیا اور اُس کی بیٹی کو ختم کر دیا۔ پھر سیدھا جنگل کا راستہ لیا۔ جنگل میں پہنچ کر اُس نے شیر کا روپ اختیار کر لیا۔ دریا کے کنارے کچھ لوگ پانی پیتے تھا اُن پر جھپٹا اور ایک کو پھاڑ ڈالا۔ وہاں سے آگے بڑھا تو ایک خوبصورت عورت بن کر سڑک کے کنارے بیٹھ رہا۔ ادھر سے دو نوجوان روزگار کی تلاش میں گزرے۔ اس نے ان دونوں سے بڑی محبت کی باتیں کیں۔ پھر جانے کیا لگائی بجھائی کی کہ دونوں لڑ پڑے اور لڑتے لڑتے مارے گئے۔ اب وہ عورت بھیس بدل کر بھینس بن گئی اور ایک گاؤں میں داخل ہو کر کئی آدمیوں اور بچوں کو روند ڈالا۔ وہاں سے دوڑتی ہوئی جنگل میں پہنچی اور آخر ایک بوڑھے آدمی کی شکل اختیار کر لی۔

اب حاتم سے نہ رہا گیا۔ اس نے سوچا کہ اس کا حال جاننا چاہیے۔ یہ سوچ کر آگے بڑھا اور جھک کر سلام کیا۔ اس بزرگ نے کہا "کہو حاتم! خیر تو ہے۔ اچھے ہو؟" حاتم بڑا حیران ہوا اور پوچھا "اے بزرگ! تمھیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟" اس نے جواب دیا "تیرا کیا، مجھے تیری سات پشتوں کے نام

معلوم ہیں۔ میں سبھی کو جانتا ہوں۔ شاید تجھے معلوم نہیں۔ میں موت کا فرشتہ ہوں۔ جس شکل میں جس کی جان لینے کا حکم ہوتا ہے وہی شکل بنا کر اس کی جان لے لیتا ہوں۔" حاتم نے کہا " یہ بتائیے میری موت کب آئے گی؟" اس نے جواب دیا " اے نیک دل انسان! ابھی تیری زندگی کے بہت دن باقی ہیں۔ ابھی تو تیرے ہاتھوں سے ہزاروں کے بگڑے کام بنیں گے۔"

یہ سن کر حاتم نے خدا کا شکر ادا کیا اور دشتِ سرخ کی راہ لی۔ آخر چلتے چلتے ایسی جگہ جا پہنچا جہاں کی زمین گہرے کالے رنگ کی تھی۔ اصل میں یہ کالے ناگوں کا ملک تھا۔ آدمی کی بو پاکر سانپ نکل آئے اور چاروں طرف سے حاتم کو گھیر لیا۔ حاتم نے وہ عصا زمین میں گاڑ دیا۔ سانپ جہاں تھے وہیں رک گئے اور آخر اپنے بلوں میں جا گھسے۔ حاتم آگے بڑھ گیا اور دشتِ سفید میں جا پہنچا۔ یہاں کے سفید سانپ بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

حاتم آگے بڑھا تو دشتِ سرخ سامنے تھا۔ یہاں کی زمین خون کی طرح لال تھی۔ گرمی ایسی تھی کہ پیاس کے مارے حاتم کی زبان نکل پڑی۔ سمجھا بس اب موت سر پر منڈلا رہی ہے۔ آخر بے دم ہو کر گر پڑا۔ ہوش و حواس جاتے رہے۔ اتنے میں ایک بزرگ سامنے آئے اور کہا " اے حاتم! ہمت نہ ہار۔ وہ مہرہ منہ میں ڈال لے۔" حاتم نے ایسا ہی کیا۔ پیاس کی شدت کم ہو گئی۔ حاتم نے بزرگ سے پوچھا " یہ گرمی کس چیز کی ہے؟" اس نے کہا " یہ گرمی سرخ سانپ کے زہر کی ہے۔ پہلے یہ زمین سبز تھی مگر اب گرمی سے لال ہو گئی ہے۔"

مہرے نے اپنا کرشمہ دکھایا اور حاتم چلنے کے قابل ہو گیا۔ آگے چلا تو سرخ سانپ بو پاکر نکل آیا اور پھنکارنے لگا۔ اس کے منہ سے شعلے نکل کر

آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ آس پاس کی ہر چیز شعلوں کی لپیٹ میں آگئی۔ حاتم کے مُنہ میں مُہرہ نہ ہوتا تو جل کر راکھ ہو جاتا۔

حاتم نے عصا زمین میں گاڑ دیا اور رات اسی طرح گزار دی۔ صبح ہوتے ہوتے عصا کی برکت سے سانپ کی حالت غیر ہوگئی اور وہ مُہرہ اُگل کر بھاگ گیا۔ حاتم نے اُسے پگڑی میں رکھا اور لاکر نوجوان کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ اُس کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آگئے۔ حاتم کے قدموں پر گر پڑا۔ حاتم نے اُسے اُٹھاکر گلے سے لگا لیا اور کہا کہ "اب جادُوگر کے پاس جا اور کہہ کہ اب تیسرے سوال کا جواب بھی حاضر ہے۔ کڑھاؤ میں تیل گرم کرائے۔"

کڑھاؤ میں تیل گرم ہوگیا تو حاتم نے مہرہ اُس نوجوان کے مُنہ میں ڈال دیا اور اُسے کھولتے تیل میں گرا دیا۔ اللہ کی مہربانی اور مُہرے کی برکت سے وہ صحیح سالم باہر نکل آیا۔ جس نے یہ کرشمہ دیکھا حیران رہ گیا۔ چند دن میں نوجوان کی شادی جادُوگر کی بیٹی سے ہوگئی۔

ان سے رخصت ہوکر حاتم الگن پری کی تلاش میں کوہِ القا کی طرف چلا۔ پہاڑ پر پہنچ کر ایک غار دکھائی دیا۔ حاتم ایک چکنی ڈھلان کے سہارے پھسلتا پھسلتا تہ تک پہنچ گیا۔ سامنے ایک خوبصورت باغ تھا۔ پرندے چہچہا رہے تھے۔ اتنے میں کچھ پری زاد اس کے پاس آئے اور کہنے لگے "اے آدم زاد! یہ باغ الگن پری کا ہے، تو اِس میں کہاں آ نکلا۔ اُسے خبر ہوگئی تو جیتا نہ چھوڑے گی۔ ہمیں سزا الگ ملے گی۔"

حاتم نے جواب دیا "دوستو! میں موت سے ڈرنے والا نہیں۔ میں تو خود اُس سے ملنے آیا ہوں۔" پری زادوں نے سبب پُوچھا تو حاتم نے

سارا قصّہ سُنایا اور کہا" میں اسے وعدہ یاد دلانے آیا ہوں" پری زادوں کو ہمدردی پیدا ہوئی۔ الگن پری دو دن بعد وہاں آنے والی تھی۔ اِس لیے انھوں نے حاتم کو باغ میں ہی چُھپا دیا۔

دو دن بعد الگن پری پریوں کے جُھرمٹ میں وہاں آئی۔ دربانوں نے عرض کیا" اے شہزادی! ایک آدم زاد کسی طرح اِس باغ میں داخل ہوگیا ہے۔ ہزار سمجھایا مگر وہ یہاں سے جانے کے لیے راضی نہیں ہوتا اور کہتا ہے شہزادی سے ملے بغیر ہرگز نہ جاؤں گا۔" شہزادی نے آدم زاد کو پیش کرنے کا حُکم دیا اور اس سے آنے کا سبب پُوچھا۔ حاتم نے شہزادی کو اُس کا وعدہ یاد دلایا اور کہا" تیری جُدائی میں کسی غریب کی جان جاتی ہے اور تجھے ترس نہیں آتا۔" شہزادی نے کہا" میں بھلا کسی سے جھُوٹا وعدہ کیوں کرتی ؟"

حاتم نے کہا" شہزادی! خفا ہونے کی بات نہیں۔ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ سچ ہے۔ میرا نام حاتم ہے۔ جھُوٹ بولنا میرا کام نہیں۔" حاتم کے یاد دلانے پر پری کو واقعہ تو سارا یاد آگیا مگر بگڑ کر کہنے لگی" آخر تُو کیوں دُنیا کا دُکھ درد بٹاتا پھرتا ہے۔ جا اپنا کام کر۔" مگر حاتم نہ مانا اور اُس نے پری کو اس طرح قایل کیا کہ وہ اُس نوجوان کو بُلانے اور شادی کرنے پر مجبور ہوگئی۔

اب حاتم وہاں سے رخصت ہوا اور کوہِ احمر پر پہنچ گیا۔ جس آواز کی کھوج میں یہاں آیا تھا اب وہ سُنائی دے رہی تھی۔ کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: "کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔" حاتم آواز کے سہارے چلتا رہا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ درخت میں ایک لوہے کا پنجرا ٹنگا ہوا ہے اور

اُس میں ایک بُوڑھا آدمی بند ہے۔

حاتم حیران ہوکر اُسے دیکھتا رہا۔ پھر قریب جاکر پُوچھا "اے بُزرگ! تُو کون ہے؟ کس نے تجھ پر یہ ظلم کیا ہے؟ اور اس آواز کا کیا مطلب ہے؟" بُوڑھے نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی اور بولا "اے مسافر! میری کہانی بڑی دُکھ بھری ہے۔ تُو سُن کر کیا کرے گا لیکن پُوچھتا ہی ہے تو سُن اور سبق لے۔ میں ایک سوداگر ہوں۔ احمر میرا نام ہے۔ میرا باپ بڑا دھن دولت چھوڑ کر مرا۔ کچھ ہی دن میں میں نے سب اُڑا دیا اور آخر کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گیا۔

اسی حالت میں میری ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی۔ وہ گڑے خزانے کا پتہ بتا سکتا تھا۔ مگر شرط یہ تھی کہ چوتھائی اُس کا ہوگا۔ میں نے سوچا شاید میرے باپ نے کچھ زمین میں دفن کیا ہو۔ یہ سوچ کر میں اُسے اپنے گھر لے گیا۔ اُس کے بتانے پر واقعی بے شمار دولت نکلی مگر میری نیت خراب ہو گئی۔ اُسے تھوڑا سا دیا اور گھر سے نکال دیا۔

"ایک دن وہ نوجوان بھیس بدل کر پھر آیا اور بولا" مجھے ایسا علم آتا ہے جس سے زمین میں گڑے خزانے نظر آجاتے ہیں۔" میں نے کہا "مجھے وہ علم سکھا دو۔ مُنہ مانگا انعام دوں گا۔" اُس نے کہا "جنگل میں چلو۔ وہاں تمھاری آنکھوں میں ایک سُرمہ لگا دوں گا۔ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔" میں خوشی خوشی اُس کے ساتھ یہاں آگیا۔ اُس نے سُرمہ لگایا تو میری دونوں آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ اس کے بعد اُس نے پنجرے میں بند کر کے مجھے یہاں ٹانگ دیا اور بولا "جھُوٹوں کی سزا یہی ہے۔ اب تُو اپنی آنکھوں کی روشنی چاہتا ہے تو ہر وقت چلا چلا کر یہ کہا کر کہ کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔"

"چلتے وقت اُس نوجوان نے کہا "مُدت کے بعد حاتم نام کا ایک جوان

یہاں آئے گا وہ نوریز گھاس کا عرق لاکر ٹپکائے گا تب تیری آنکھیں روشن ہوں گی۔ اے عزیز! تیس سال بیت گئے کہ میں حاتم کا انتظار کر رہا ہوں۔ نہ جانے وہ کب آئے گا اور میری مشکل کب آسان ہوگی۔" حاتم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بولا "اطمینان رکھو۔ میں ہی حاتم ہوں۔ میں ابھی نوریز گھاس کی تلاش میں روانہ ہوتا ہوں۔"

یہ کہہ کر حاتم اُس گھاس کی تلاش میں روانہ ہوا۔ سات دن کے بعد حاتم کو ایک خوشبودار گھاس نظر آئی۔ سمجھ گیا کہ یہی وہ گھاس ہے جس کی تلاش تھی۔ وہ لے کر لَوٹا اور اُس کا رس بُوڑھے قیدی کی آنکھوں میں ٹپکایا۔ فوراً کھوئی ہوئی روشنی لَوٹ آئی۔ بُوڑھا حاتم کے قدموں پر گر پڑا۔ بہت بہت شکریہ ادا کیا اور حاتم کو انعام دینا چاہا مگر اس کو کس چیز کی ضرورت تھی۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔

حاتم نے بُزرگ کو خدا حافظ کہا اور شاہ آباد کی طرف چلا۔ وہاں پہنچ کر پہلے سرائے میں گیا اور منیر شامی کو لے کر حُسن بانو کے پاس پہنچا اور اُس کے سوال کا جواب پیش کر دیا۔ پھر پُوچھا "اب بتاؤ تمھارا چوتھا سوال کیا ہے؟"

چوتھا سوال

سچے کو ہمیشہ راحت ہے

محسن بانو نے کہا "اے حاتم! شہر خوارزم میں کوئی شخص لگاتار یہ کہتا رہتا ہے کہ "سچے کو ہمیشہ راحت ہے" میرا سوال یہ ہے کہ اس نے کیا سچ بولا اور اس کے بدلے کیا راحت پائی؟" حاتم نے کہا "اللہ مددگار ہے۔ اس کے کرم سے تین سوالوں کے جواب ملے۔ اسی کی مدد سے چوتھے سوال کا جواب بھی ملے گا۔ میں فوراً اس کام کے لیے روانہ ہوتا ہوں۔"

حاتم شاہ آباد سے نکلا اور چلتے چلتے ایک پہاڑ کے نیچے پہنچا۔ دیکھا کہ ایک دریا زور شور کے ساتھ بہہ رہا ہے۔ پانی کا رنگ خون کی طرح سُرخ تھا۔ حاتم اس کا راز جاننے کے لیے کنارے کنارے چلا۔ آگے جا کر دیکھا کہ دریا کے کنارے ایک درخت ہے جس میں کٹے ہوئے بہت سے سر لٹکے ہیں۔ اُن سے خون ٹپکتا ہے اور پانی میں مل جاتا ہے۔ سارے سر پریوں کے تھے۔ سب سے اُونچی شاخ پر جو سر تھا وہ سب سے خوبصورت تھا۔

حاتم ان سروں کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ حاتم سمجھ گیا کہ یہ سب جادو کے کھیل ہیں۔ اُس نے طے کر لیا کہ جب تک یہ بھید نہ کھلے گا وہ آگے نہ بڑھے گا۔ اس میں شام ہو گئی۔ سارے سر ایک ایک

کرکے دریا میں گر پڑے اور اپنے اپنے دھڑ سے جُڑ کر زندہ ہو گئے۔ ذرا دیر میں دریا کی سطح پر ایک محفل جم گئی۔ ناچ رنگ شروع ہو گیا۔ اس کے بعد دستر خوان بچھا اور طرح طرح کے کھانے چُنے گئے۔ ایک خوان حاتم کے سامنے بھی آیا مگر اس نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا "پہلے مجھے بتاؤ یہ راز کیا ہے۔ تب لقمہ توڑوں گا۔" جو پری خوان لے کر آئی تھی وہ گئی اور پھر آکر بولی "اس وقت تم کھانا کھالو۔ صبح کو ہماری ملکہ تمھیں سب کچھ بتا دیں گی۔" دستر خوان اُٹھ گیا تو پھر ناچ رنگ شروع ہو گیا۔ دن نکلنے تک یہی سلسلہ چلتا رہا۔ صبح کو سارے سر جسموں سے الگ ہو کر پھر اُسی درخت کی شاخوں میں جا لٹکے۔

دوسری شام ہوئی تو کھانے کے بعد ایک پری حاتم کو ملکہ کے پاس لے گئی۔ حاتم نے دریا کی سطح پر پیر رکھا تو وہ دھنستا چلا گیا یہاں تک کہ زمین سے جا ٹکا۔ اب نہ وہ دریا تھا، نہ وہ محفل، نہ وہ درخت۔ ایک لق و دق میدان تھا جس کا اور چھور دکھائی نہ دیتا تھا۔ حاتم گھبرا کر اِدھر اُدھر دوڑنے لگا اور سمجھا کہ موت یہاں لے آئی ہے۔ اتنے میں خواجہ خضرؑ نظر آئے۔ حاتم سے بولے "تُو نے یہ کیا حال بنایا ہے؟ اللہ نے مجھے تیری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ بول کیا چاہتا ہے؟"

حاتم نے کہا "بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھانے والے بُزرگ! پہلے یہ بتایئے کہ یہ کیا جگہ ہے۔ میں یہاں کیسے پہنچا اور وہ سر کیسے تھے؟" حضرت خضرؑ نے فرمایا "اس صحرا کا نام خبر برس ہے۔ جس دریا کی سطح پر تُو نے قدم رکھا تھا وہ سب جادُو کا کھیل ہے۔ احمر جادُوگر نے اپنی بیٹی کو قید کرنے کے لیے یہ طلسم بنایا ہے۔ وہ لڑکی باپ کی مرضی کے خلاف شادی کرنا چاہتی تھی

اِس لیے باپ نے اُسے یہ شہزادی ہے۔" حاتم نے کہا "اے حضرت! مجھے وہ پری بہت پسند آئی۔ مجھے کسی طرح اُس کے پاس پہنچا دیجیے۔"

حضرتِ خضر نے کہا "اے جوان! میرا عصا پکڑ کر آنکھیں بند کر لے۔" حاتم نے ایسا ہی کیا اور پلک جھپکتے اُسی درخت کے پاس جا پہنچا۔ اِس بار حاتم نے سوچا اس درخت پر چڑھنا چاہیے۔ یہ سوچ کر حاتم اس کے نیچے آیا۔ ایک دم ایسا لگا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ ایک تڑاقے کی آواز کے ساتھ درخت پھٹ گیا اور حاتم اس میں سما گیا۔ اتنے میں خواجہ خضر پھر تشریف لائے۔ انھوں نے درخت میں عصا مارا تو وہ موم کی طرح نرم ہو گیا اور حاتم باہر نکل آیا۔ حضرت نے کہا "حاتم! تو خواہ مخواہ کیوں موت کو دعوت دے رہا ہے۔"

حاتم نے کہا "میں احمر جادوگر کی بیٹی شہزادی زریں پوش سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" حضرتِ خضر نے فرمایا "نادان! اِس خیال سے باز آ۔ جب تک احمر جادوگر زندہ ہے وہ اس کی شادی نہ ہونے دے گا۔ تو بیکار اپنی جان گنوا بیٹھے گا۔" حاتم نے کہا "میں اس سے شادی ضرور کروں گا۔ اگر اِسی طرح موت آنی ہے تو یوں ہی سہی۔ میں بزدل نہیں کہ موت سے ڈر جاؤں۔" حضرتِ خضر نے دیکھا کہ حاتم دُھن کا پکّا ہے کسی طرح باز نہیں آتا تو اسے اسمِ اعظم سِکھا دیا تاکہ کوئی جادو اثر نہ کر سکے۔ اور پھر اسے احمر جادوگر کے مُلک میں پہنچا دیا۔

احمر کا مُلک کوہِ احمر کہلاتا تھا اور وہاں سوائے ایک اُونچے پہاڑ کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ حاتم پہاڑ پر چڑھنے لگا مگر ایک ایک پیر من من بھر کا ہو گیا۔ چلنا دُشوار تھا۔ لیکن اسمِ اعظم پڑھنے سے منزل آسان ہو گئی اور حاتم چوٹی پر

پہنچ گیا۔ وہاں ایک صاف ستھرا میدان ملا جس میں ایک چشمہ بہہ رہا تھا، چاروں طرف میووں سے لدے ہرے بھرے درخت تھے۔ حاتم نے نہا دھو کر اسمِ اعظم پڑھنا شروع کر دیا۔

اُدھر احمر جادوگر کو اپنی جادو کی کتاب سے حاتم کے آنے کا حال معلوم ہوا۔ اس نے سوچا کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیے جس سے حاتم اسمِ اعظم بھول جائے۔ یہ سوچ کر اُس نے جادو کے زور سے جھوٹ مُوٹ کی پریاں بنائیں۔ ان میں ایک پری زرّیں پوش کی شکل کی تھی۔ پریوں کے اِس غول نے حاتم کو گھیر لیا۔ وہ پری حاتم کے پاس جا بیٹھی جو زرّیں پوش کی صورت کی تھی۔ خوشی سے حاتم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اُس نے اسمِ اعظم پڑھنا بند کر دیا۔ جادوگر کی ترکیب کارگر ہو گئی اور اُس نے حاتم کو پکڑوا کے آگ کے کنویں میں ڈلوا دیا۔ لیکن مُہرے کی وجہ سے حاتم محفوظ رہا۔ یہ بات جادوگر کو بھی معلوم ہو گئی۔ اب اُس نے دوسری ترکیب کی۔ اُس نے حاتم کو آزاد کر دیا اور جادو کی پری سے کہا کہ کسی طرح وہ مُہرہ چھین لے۔

نقلی زرّیں پوش حاتم کے پاس آ بیٹھی اور پیار محبت کی باتیں کر کے مُہرہ اُس سے مانگا۔ حاتم مُہرہ دینے والا ہی تھا کہ کسی نے للکار کر کہا "ارے نادان! یہ کیا کرتا ہے۔ اگر تو نے مُہرہ دے دیا تو تیری جان کی خیر نہیں۔ یہ زرّیں پوش نقلی ہے اور احمر نے جادو کے زور سے بنائی ہے۔ یقین نہ ہو تو آزما لے۔ اسمِ اعظم پڑھ۔ اگر یہ اصلی ہے تو بیٹھی رہے گی۔ نقلی ہے تو ختم ہو جائے گی۔ حاتم نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ اسمِ اعظم پڑھنے لگا تو پری کانپنے لگی اور دیکھتے دیکھتے جل کر راکھ ہو گئی۔

جادوگر سے اور کچھ نہ بن پڑا تو شیطان سے مدد مانگی۔ پہلے تو اُس نے

انکار کیا اور کہا کہ "اسم اعظم کے آگے میرا زور نہیں چل سکتا۔" لیکن آخر کار مدد کرنے کو راضی ہو گیا اور سوتے میں حاتم کو ایسے سہانے خواب دکھائے کہ وہ میٹھی نیند سوتا رہا۔ یہاں تک کہ جادوگر کے چوکیداروں نے اُسے قید کر دیا۔ حاتم کو ہوش آیا تو اُس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر ایک چوکیدار کو اشارے سے پاس بُلایا اور کہا " اگر تو مجھے اِس قید سے آزاد کر دے تو بڑا انعام دوں۔" اس نے کہا " اگر مُہرہ دے دو تو آزاد کرتا ہوں۔" حاتم راضی ہو گیا اور چوکیدار نے اُسے آزاد کر دیا۔ حاتم پھر غسل کر کے اسم اعظم پڑھنے لگا۔

احمر کو پتہ چلا تو اُس نے جادو سے اُس چوکیدار کو بھسم کرنا چاہا مگر حاتم اسم اعظم پڑھ پڑھ کر اُس کا بچاؤ کرتا رہا۔ اب حاتم نے سوچا اِس طرح کام نہ چلے گا۔ خود احمر کی طرف چلو۔ یہ سوچ کر وہ اسم اعظم پڑھتا ہوا احمر کی طرف چلا۔ وہ چوکیدار بھی جس کا نام سرنک تھا اُس کے ساتھ ہو لیا۔ احمر کو پتہ چلا کہ حاتم بڑھا چلا آتا ہے تو وہ بھی اپنے لاؤ لشکر کو لے کر شہر سے باہر نکلا اور جادو کے منتر پڑھنے لگا۔

جادو کے زور سے گھنگھور گھٹا اُٹھی، بجلی چمکی اور بادل گرجنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر سرنک خوف سے تھر تھر کانپنے لگا اور حاتم سے بولا " ہوشیار ہو جا۔ یہ سب احمر کے جادو کا کرشمہ ہے۔" حاتم نے اسم اعظم پڑھ کر پھونکا۔ احمر کا جادو اُلٹا اُسی کے سر جا پڑا۔ اب تو احمر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ سمجھ گیا کہ حاتم سے جیتنا مشکل ہے۔ اب اُس نے دوسرا وار کیا۔ جادو کے زور سے اُس نے ایک پہاڑ بنایا۔ یہ پہاڑ حاتم کی طرف بڑھنے لگا۔ سرنک نے اُسے پھر خبردار کیا۔ حاتم نے پھر اسم اعظم پڑھا اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر احمر کے لشکر پر جا پڑا۔ چار ہزار جادوگر ہلاک ہو گئے۔

یہ دیکھ کر احمر گھبرایا اور بھاگ نکلا۔ حاتم نے پیچھا کیا تو احمر نے پھر جادُو کا وار کیا۔ اِس بار چار اژدہے پیدا ہو کر حاتم کی طرف لپکے مگر اسم اعظم کی تاثیر سے انھوں نے لَوٹ کر احمر کے ساتھیوں کو ہی ہڑپ کر لیا۔ جو بچے وہ احمر کو اکیلا چھوڑ بھاگے۔ جب وہ بھاگنے لگے تو احمر غُصّے سے بپھر گیا۔ اُس نے جادُو سے ان سب کو درخت بنا دیا۔ اب جادُوگر بُری طرح بوکھلا چُکا تھا۔ وہ ایک طرف کو اُڑا چلا گیا۔ سرنک نے حاتم کو بتایا کہ" اب وہ اپنے اُستاد کملاق جادُوگر کے پاس گیا ہے۔ وہ اِتنا بڑا جادُوگر ہے کہ اُس نے جادُو سے ایک آسمان اور اُس کے چاند ستارے بنائے ہیں۔ اُس نے یہاں سے تین سَو کوس پر ایک پُوری بستی بسائی ہے جس میں چالیس ہزار جادُوگر رہتے ہیں اور کملاق کو اپنا خدا سمجھتے ہیں"

حاتم نے کہا" وہ جھُوٹا ہے۔ اللّٰہ تو بس ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ اُسی کے کرم سے مجھ پر کسی جادُو کا اثر نہ ہوا" سرنک بولا" آج سے میں بھی اللّٰہ پر ایمان لاتا ہوں اور اب تمھارا غلام ہوں۔ تم جو حُکم دو گے بجا لاؤں گا۔ لیکن چلنے سے پہلے ایک کام کرو۔ یہ جو سامنے ہزاروں درخت نظر آتے ہیں یہ سب جادُوگر ہیں۔ یہ احمر کے ساتھی تھے اور اُسے چھوڑے جاتے تھے۔ احمر نے جل کر انھیں درخت بنا دیا۔ تجھ سے بن پڑے تو انھیں قید سے نجات دلا دے۔ یہ سب تیرے جان و مال کو دعا دیں گے"

حاتم نے اسم اعظم پڑھ کر پھُونکا تو وہ سب اپنی اصلی شکل میں آ گئے۔ سب نے حاتم کا شکریہ ادا کیا اور حاتم کے منع کرنے کے باوجود اُس کے ساتھ ہو لیے۔ راستے میں ایک تالاب نظر پڑا۔ سب پیاسے تھے۔ سب نے ڈگڈگا کر پانی پیا۔ احمر بھاگتے بھاگتے اس پر جادُو کر گیا تھا۔ جادُو کا اثر یہ ہوا کہ سب کے

ناخنوں سے خون بہنے لگا اور سب کے جسم پھول گئے۔ حاتم بہت پریشان ہوا۔ آخر اُس نے اسمِ اعظم پڑھ کر پھونکا تو ناخنوں سے خون بہنا بند ہو گیا۔ دوبارہ پڑھ کر پھونکا تو سُوجن دُور ہو گئی۔ پھر اس نے اسمِ اعظم پڑھ کر تالاب پر پھونکا۔ جادُو کا اثر جاتا رہا۔ حاتم نے اپنا سفر پھر شروع کر دیا۔

اُدھر احمر کے ساتھ یہ بیتی کہ جب کچھ نہ بن پڑا تو بھاگا بھاگا اپنے اُستاد کے پاس پہنچا۔ اُسے ساری داستان سُنائی۔ کملاق کو اپنے شاگرد کی بے عزتی کا حال معلوم ہوا تو طیش میں آگیا۔ اُسے دلاسہ دینے لگا۔ بولا " گھبرا مت۔ میں حاتم کو باندھ کر ابھی تیرے حوالے کیے دیتا ہوں۔" اُس نے اپنے پہاڑ کے چاروں طرف جادُو کی آگ بھڑکا دی۔ حاتم وہاں پہنچا تو آگ کی اونچی دیوار دکھائی دی۔ حاتم نے اسمِ اعظم پڑھ کر پھونکا تو آگ بُجھ گئی۔ یہ دیکھ کر کملاق نے پھر جادُو کیا۔ اِس بار پہاڑ کے چاروں طرف ایک دریا اُبل پڑا اور حاتم کی طرف بڑھنے لگا۔ یہ دیکھ کر اُس کے ساتھی بہت گھبرائے۔ بولے "یہ جادُو کا دریا ہے۔ یہ ضرور ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔" حاتم نے پھر اسمِ اعظم پڑھا اور دریا غائب ہو گیا۔

کملاق نے تیسری مرتبہ منتر پڑھا تو دس دس من اور پانچ پانچ من کے پتھر برسنے لگے۔ حاتم کے آگے ایک پہاڑ سا بن گیا۔ حاتم نے پھر اسمِ اعظم پڑھا تو زور کی ہَوا چلنے لگی۔ سارے پتھر اُس ہَوا میں اُڑ گئے۔ اب کوہ کملاق صاف دکھائی دینے لگا۔ حاتم اُس کی طرف بڑھنے لگا تو اُس نے پھر منتر پڑھا اور کوہِ کملاق نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ لیکن اسمِ اعظم کی برکت سے وہ پھر نظر آنے لگا۔ حاتم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس پر چڑھ گیا۔ کملاق نے کھیل بگڑتے دیکھا تو اپنے بنائے ہوئے آسمان پر چڑھ گیا۔ حاتم شہر میں داخل ہو گیا۔ بڑا خوبصورت شہر تھا۔ دُکانیں سجی ہوئی تھیں مگر آدمی کا نام و نشان نہ تھا۔ معلوم ہوا کملاق سب کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ حاتم کے

ساتھی بھوکے تھے۔ دُکانوں میں کھانے کا سامان دیکھا تو ٹوٹ پڑے۔ کھاتے ہی سب کی ناکوں سے خون جاری ہوگیا۔ حاتم سمجھ گیا کہ یہ جادُو کا اثر ہے۔ اسمِ اعظم پڑھ کر پھونکا تب اس کا اثر ختم ہوا۔

اب حاتم کو آسمان کی خبر لینی تھی۔ اُس نے اسمِ اعظم پڑھ پڑھ کر جادُو کے آسمان کی طرف پھونکنا شروع کیا۔ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوکر پہاڑ پر گرنے لگا۔ ہزاروں جادُوگر موت کی گود میں جا سوئے۔ احمر اور کملاق بھی نیچے آپڑے اور اُٹھ کر ایک طرف کو بھاگ کھڑے ہوئے۔ حاتم نے ان کا پیچھا کیا۔ وہ دونوں گھبرا کر پہاڑ سے نیچے گر پڑے۔ ہڈیاں پسلیاں چکنا چُور ہوگئیں۔ حاتم نے خدا کا شُکر ادا کیا اور وہ سارا مُلک سرنک کے حوالے کردیا۔ اُس سے اور اُس کے ساتھیوں سے وعدہ لیا کہ صرف خدا کے آگے سر جُھکائیں گے اور خدا کے کسی بندے کو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچائیں گے۔

اِس کام سے فارغ ہوکر حاتم اُس دریا کی طرف چلا جس کے کنارے پریوں کے سر لٹکتے دیکھے تھے۔ وہاں پہنچا تو دیکھا نہ وہ درخت ہے، نہ دریا، نہ کٹے ہوئے سر۔ اس کی جگہ ایک خوبصورت محل ہے۔ چاروں طرف پریوں کا پہرہ ہے۔ یہ دروازے پر پہنچا۔ کنیزوں نے زرّیں پوش کو اطلاع کی تو اُس نے اندر بُلا کر عزّت سے اپنے پاس بٹھایا۔ حاتم سے سارا قصّہ سُنا۔ باپ کے مرنے کا پتہ چلا تو رو پڑی۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ اب قید سے تو نجات ملی۔ شادی کرنے کا اختیار ملا۔ آخر اپنی ہمجولیوں کے مشورے سے حاتم سے شادی کرلی۔ حاتم نے شادی کے بعد زرّیں پوش کو اپنے گھر بھجوا دیا اور خود حُسن بانو کے چوتھے سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے شہر خوارزم کی طرف روانہ ہوگیا۔

حاتم اپنے کام کی دُھن میں چلا جاتا تھا کہ ایک شہر میں جا نکلا۔ لوگوں سے پُوچھا "بھائیو! یہاں کوئی ایسا آدمی ہے جو کہتا ہو سچے کو ہمیشہ راحت ہے"۔ لوگوں نے بتایا کہ ایک شخص نے یہ عبارت لکھ کر اپنے دروازے پر لگا رکھی ہے۔ حاتم پتہ پُوچھتا پُوچھتا اُس کے دروازے پر جا پہنچا۔ سامنے وہ عبارت لکھی ہوئی تھی جس کی حاتم کو تلاش تھی۔ منزل پر پہنچ کر وہ بہت خوش ہوا۔ دروازے پر دستک دی۔ دربان باہر نکلے تو حاتم نے کہا "مجھے تمھارے آقا سے ملنا ہے"۔ وہ اندر چلے گئے۔ پھر باہر آئے اور حاتم کو بڑی عزت کے ساتھ اندر لے گئے۔

اندر جا کر حاتم نے دیکھا کہ ایک خوبصورت جوان تکیہ لگائے قالین پر بیٹھا ہے۔ حاتم نے جُھک کر آداب کیا۔ جوان نے اُٹھ کر حاتم کو گلے لگایا اور بڑی محبت سے برابر بٹھا لیا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھا۔ طرح طرح کے لذیذ کھانے چُنے گئے۔ کھانا کھانے کے بعد جوان نے محبت سے پُوچھا "اے عزیز! تم کون ہو اور ادھر کیسے آنا ہوا؟" حاتم نے آنے کا مقصد بیان کیا تو وہ بولا "اے نوجوان! تیری ہمت کو شاباش کہ دوسروں کے لیے دُکھ جھیلتا پھرتا ہے۔ اب آرام کر۔ سفر کی تھکن دُور ہو جائے تو میں تجھے اپنی داستان سُناؤں گا۔"

اگلی صبح ناشتے کے بعد اُس جوان نے اپنا حال حاتم کو سُنایا۔ بولا "برسوں پہلے کی بات ہے، میں نے اپنی ساری دولت جوئے میں اُڑا دی۔ نوبت فاقوں تک پہنچی تو سوچا کہ چوری کروں۔ پھر سوچا کہ چوری ہی کرنی ہے تو بادشاہ کے گھر کیوں نہ کی جائے۔ یہ سوچ کر شاہی محل پر کمند ڈالی۔ دربان بے خبر سوتے تھے۔ بادشاہ بھی گہری نیند کے مزے لیتا تھا۔ ایک قیمتی موتی جسے گوہرِ شب چراغ کہتے ہیں اُس کے گلے میں پڑا تھا۔ میں نے وہ اُتارا اور کمند کے ذریعے نیچے آ گیا۔ وہاں سے جنگل کی طرف چل دیا۔ ایک درخت کے نیچے کچھ چور بیٹھے چوری کا مال تقسیم کر رہے تھے۔ مجھ سے پُوچھا "تم کون ہو؟"

میں نے گوہرِ شب چراغ دکھا کر ساری کتھا سُنا دی۔

یہ باتیں ہوتی تھیں کہ کسی نے دُور سے للکارا۔ سب چور بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں وہیں کھڑا رہا۔ اتنے میں ایک بُزرگ قریب آئے اور مجھ سے پُوچھا" تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" میں نے سب کچھ سچ سچ کہہ دیا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے: اللہ نے تجھے نو سَو برس کی عُمر دی ہے۔ لے یہ دولت تیری ہے مگر آج سے جوئے اور چوری سے توبہ کر۔" میں نے توبہ کر لی اور جنگل میں ایک شاندار محل بنوا کر رہنے لگا۔ لوگوں نے میرے ٹھاٹھ دیکھے تو کوتوال سے جا کر کہا کہ پتہ نہیں کہاں سے دولت لُوٹ لایا ہے کہ عیش کرتا ہے۔ اس نے مجھ سے پُوچھا تو میں نے سارا قصّہ سچ سچ بتا دیا۔ وہ مجھے بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ بھی میری سچائی سے بہت خوش ہوا اور انعام دے کر مجھے رخصت کیا۔ اس دن سے میں سچائی کی قدر کرنے لگا اور یہ عبارت لکھوا کر دروازے پر لگا دی۔"

حاتم نے جواں مرد کا شکریہ ادا کیا اور اس سے اجازت لے کر رخصت ہوا شاہ آباد پہنچ کر حُسن بانو کی حویلی میں پہنچا اور سفر کا سارا حال سُنایا۔ حُسن بانو نے سُن کر کہا "اے حاتم! تُو نے جو کچھ کہا سب سچ ہے۔" اب حاتم سرائے میں آیا اور منیر شامی سے گلے ملا۔ دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اگلے دن حاتم پھر حُسن بانو کے پاس گیا اور اس سے پانچواں سوال پُوچھا۔

پانچواں سوال
کوہِ نِدا کی خبر لانا

حُسن بانو نے حاتم سے کہا "ایک پہاڑ ہے جس کا نام کوہِ ندا ہے۔ اُس سے ایک آواز آتی ہے۔ میرا پانچواں سوال یہ ہے کہ وہ پہاڑ کہاں ہے اور اُس سے آنے والی آواز کا بھید کیا ہے؟" حاتم نے کہا "اللہ نے چاہا تو میں اِس سوال کا جواب بھی جلد لے کر آؤں گا۔"

اب حاتم پانچویں سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ جس بستی سے گزرتا کوہِ ندا کا پتہ پُوچھتا۔ ہر ایک حیرت سے حاتم کا مُنہ تکتا کیونکہ کسی نے بھی اُس کا نام نہ سُنا تھا۔ مگر حاتم نے اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا سیکھا ہی نہ تھا۔ اس نے اپنا سفر جاری رکھا۔ چلتے چلتے ایک شہر کے قریب پہنچا۔ میدان میں لوگ جمع تھے۔ حاتم کو دیکھ کر اُس کی طرف دوڑے۔ بولے "اے مسافر! خوش آمدید۔ ہم ایک ہفتے سے تیرا انتظار کر رہے تھے۔

حاتم مجمعے کے قریب پہنچا تو دیکھا دسترخوان بچھا ہے طرح طرح کے کھانے چُنے ہیں۔ پاس ہی ایک جنازہ رکھا ہوا ہے۔ حاتم بڑا حیران ہوا۔ لوگوں سے پُوچھا "یہ میّت کس کی ہے۔ اِسے دفناتے کیوں نہیں؟" اُنھوں نے کہا ہمارے شہر کا دستور ہے کہ کوئی مر جاتا ہے تو اُس کا جنازہ جنگل میں لاکر

رکھ دیتے ہیں اور عمدہ کھانے پکاکر کسی مسافر کا انتظار کرتے ہیں۔ جب تک کوئی مسافر نہ آئے مُردے کو دفن نہیں کرتے۔ اِسے مرے سات دن ہو گئے۔ ہم اسی طرح کھانے پکاکر روز کسی مسافر کا راستہ دیکھتے تھے۔ اللہ کا شکر کہ آج اُس نے تجھے یہاں بھیج دیا۔"

حاتم یہ بات سُن کر بڑا حیران ہوا۔ آخر لوگوں نے مُردے کو قبر میں اُتارا اور دسترخوان کے چاروں طرف آ بیٹھے۔ پہلے حاتم کو کھلایا پھر اوروں نے کھایا۔ اس کے بعد سب نہائے دھوئے اور اُجلے اُجلے کپڑے پہن کر اپنے اپنے گھروں کو سِدھارے۔ کچھ لوگ حاتم کو اپنے ساتھ شہر لے گئے۔ کئی دن تک مہمان رکھا۔ جب حاتم نے کُوچ کا ارادہ کیا تو لوگوں نے سفر کا مقصد پُوچھا۔ حاتم نے سارا قصہ سُنا کر کہا کہ "مجھے کوہِ ندا کی تلاش ہے۔"

یہ سُن کر ایک شخص بولا "میں نے بزرگوں سے سُنا ہے کہ دکن کی طرف ایک طِلسمات ہے۔ اُس کے بائیں طرف ایک عالی شان شہر بستا ہے۔ وہاں نہ کبھی نے مُردہ دیکھا اور نہ قبر۔" حاتم نے کہا "مجھے اُسی سمت جانا چاہیے۔" یہ کہہ کر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور دکن کی طرف چل دیا۔ چلتے چلتے ایک شہر کے قریب پہنچا۔ دیکھا اُس کے آس پاس کسی قبر کا نشان نہیں۔ سمجھا یہی وہ شہر ہے جس کا پتہ اُس بزرگ نے دیا تھا۔

حاتم شہر کے اندر داخل ہوا۔ لوگ بڑی خاطر تواضع سے پیش آئے۔ ایک شخص نے حاتم کو اپنا مہمان کیا اور اپنے گھر لے گیا۔ دسترخوان بچھایا اور روٹی سالن رکھ کر بولا "اے مسافر! آج تیرے لیے وہ نعمت لایا ہوں کہ کبھی چکھی نہ ہوگی۔" حاتم نے کہا "اے معزز میزبان! میری ساری عُمر سیر و سفر میں کٹی ہے۔ کوئی جانور اور کوئی پرندہ ایسا نہیں جس کا گوشت میں نے

نہ کھایا ہو۔ تُو انوکھی چیز کہاں سے لایا ہے؟" وہ بولا "تُو ٹھیک کہتا ہے مگر یہ گوشت آدمی کا ہے۔" یہ سنتے ہی حاتم نے ہاتھ کھینچ لیا اور بولا "تم لوگوں نے یقیناً کسی مسافر کی جان لی ہے اور اُس کا گوشت مجھے کھلاتے ہو۔"

یہ سُن کر وہ شخص بولا "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم کسی مہمان کی جان لے لیں۔" حاتم نے کہا "پھر یہ کیا بھید ہے؟" وہ بولا "ہماری بستی کا دستور ہے کہ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو مرنے سے پہلے اُسے ذبح کر دیتے ہیں اور اُس کا گوشت بانٹ کھاتے ہیں۔ اسی لیے نہ ہمارے شہر میں کوئی مرتا ہے نہ کوئی قبر بنتی ہے۔" یہ سُن کر حاتم کا غصّہ قابو سے باہر ہو گیا اور بولا "لعنت ہے تم پر اور تمھارے رواج پر۔ اچھوں کو بیمار اور بیماروں کو اچھا کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔ تم خدا کی خدائی میں دخل دیتے ہو اور بے گُناہوں کا خون اپنے سر لیتے ہو۔"

یہ کہہ کر حاتم اُس شہر سے باہر نکل گیا۔ بھوکا تھا۔ دن نکلنا مشکل ہو گیا۔ صبح کو شکار کر کے پیٹ بھرا اور اللہ کا شُکر ادا کر کے آگے بڑھ گیا۔ راستے میں دیکھا کہ شہر کے باہر ایک میدان میں لوگ جمع ہیں اور آگ جلائے اُس کے گرد کھڑے ہیں۔ حاتم نے پُوچھا "کیا ماجرا ہے؟" لوگوں نے کہا "تجھے اس سے کیا لینا۔ تُو مسافر ہے اپنا راستہ پکڑ۔" حاتم نے کہا "دوستو! خفا کیوں ہوتے ہو۔ میں نے تو یوں ہی ہمدردی سے ایک بات پُوچھ لی۔ تم نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔" یہ سُن کر وہ لوگ شرمندہ ہو گئے۔ کہنے لگے "ہمارے شہر کا ایک آدمی مر گیا ہے۔ اُسے اور اُس کی بیوی کو جلانے کے لیے یہ آگ دہکائی ہے۔"

حاتم ہکا بکا رہ گیا۔ بولا "دوستو! یہ عجب دستور ہے کہ مردوں کے ساتھ

جیتوں کو بھی جلاتے ہو۔" انھوں نے کہا" اے مسافر! تُو اجنبی ہے۔ شاید پہلی بار ہمارے دیس میں آیا ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے۔ ہمارا یہ دستور آج کا نہیں مُدتوں کا ہے کہ شوہر کے مرنے پر بیوی اپنی خوشی سے اُس کے ساتھ جل جاتی ہے۔ تمھیں یقین نہ ہو تو آج خود دیکھ لینا۔"

حاتم وہیں ٹھہر گیا۔ ذرا دیر میں لوگ مُردے کو لائے۔ آگے آگے ایک جوان عورت چل رہی تھی۔ دُلھنوں کی طرح سُرخ لباس پہنے، سارا زیور سجائے، سولھا سنگار کیے اور ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ لیے خوشی خوشی آگ کی طرف چلی جا رہی تھی۔ حاتم آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔ لوگوں نے لاش کو آگ میں رکھ دیا اور عورت مُسکراتی ہوئی آگ میں کُود پڑی۔ دونوں ذرا سی دیر میں جل کر راکھ ہو گئے۔ اس کے بعد لوگ شہر کو لوٹ گئے۔ حاتم کے ہوش و حواس دُرست ہوئے تو وہ بھی اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

آگے جا کر ایک اور منظر دیکھا۔ لوگ زبردستی ایک زندہ آدمی کو قبر میں دبائے دیتے ہیں اور وہ چیخ پکار مچا رہا ہے۔ حاتم نے وہاں جا کر انھیں روکا اور پوچھا" یہ کیا قصہ ہے؟" لوگوں نے کہا" ہمارے سردار کی بیٹی مر گئی ہے۔ یہ اُس کا شوہر ہے۔ ہمارا دستور ہے کہ بیوی کے ساتھ شوہر کو زندہ دفن کر دیتے ہیں مگر یہ آدمی راضی نہیں ہوتا۔" حاتم نے کہا" مُردوں کے ساتھ زندوں کو گاڑ دینا کہاں کا انصاف ہے؟" مگر وہ نہ مانے۔ آخر طے پایا کہ حاتم ان کے سردار سے بات کرے۔

حاتم نے سردار کو سمجھانا چاہا مگر اُس نے کہا" میرا داماد ایک مسافر تھا۔ اس نے میری بیٹی سے شادی کرنی چاہی تو میں نے اپنے شہر کا دستور اسے سمجھا دیا۔ اُس وقت تو وہ راضی ہو گیا۔ اب آزمائش کا وقت آیا تو اپنی بات

سے پھرتا ہے۔" حاتم نے اُس شخص سے کہا "آخر تُو نے جھوٹا وعدہ کیا ہی کیوں تھا؟" وہ بولا "میں نے تو بغیر سوچے سمجھے یوں ہی ہاں کر دی تھی۔" حاتم نے کہا "اب اگر تُو خوشی سے دفن نہیں ہوتا تو یہ لوگ زبردستی تجھے گاڑ دیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ تُو خوشی سے دفن ہو جا۔ میں رات کو تجھے نکال لوں گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رات کو حاتم نے قبر کھول کر اُسے نکال لیا اور مٹی برابر کر دی۔

اگلے دن حاتم کوہِ ندا کی تلاش میں روانہ ہونے لگا تو سردار نے کہا "کوہِ ندا یہاں سے دُور نہیں۔ اس کے دو راستے ہیں۔ بائیں طرف کا راستہ خطرناک ہے۔ اس سے ہرگز نہ جانا۔ داہنی طرف کا راستہ ٹھیک رہے گا۔" حاتم سردار کا شکریہ ادا کر کے چل نکلا۔ دس دن تک سیدھا چلا گیا۔ گیارھویں دن وہ دوراہا ملا جس کا سردار نے ذکر کیا تھا۔ لیکن سردار کی نصیحت بھول کر یہ بائیں طرف چل دیا۔

دو دن اسی راستے پر چلتا رہا۔ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ جنگل کے سارے جانور کیا شیر اور کیا ہاتھی سب بھاگے چلے آتے ہیں۔ حاتم نے سوچا یقیناً کوئی خوفناک جانور ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ حاتم پیڑ پر چڑھ گیا اور وہاں سے تماشا دیکھنے لگا۔ ذرا دیر میں ایک چھوٹا سا جانور بڑی بھیانک شکل کا دکھائی دیا جس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ حاتم بھی اُسے دیکھ کر ڈر گیا اور کمر سے خنجر نکال لیا۔

اتفاق سے وہ جانور اسی درخت کے نیچے آکر رُکا اور آدمی کی بُو پا کر اُچھلنے لگا۔ حاتم نے ایسا تُلا ہوا ہاتھ مارا کہ سامنے کے دونوں پیر کٹ کر گر پڑے۔ وہ دوبارہ حاتم پر جھپٹا مگر حاتم کے دوسرے وار نے اُس کی آنتیں باہر نکال دیں۔ خون کی چھینٹیں اِدھر اُدھر اُڑنے لگیں۔ خون کی بُوند

جہاں گرتی وہاں آگ لگ جاتی۔ حاتم دیر تک پیڑ پر بیٹھا رہا۔ جب آگ بُجھ گئی تو نیچے اُترا۔ جانور اب دَم توڑ چُکا تھا۔ حاتم نے اُس کے دانت، دُم اور کان کاٹ کر تھیلے میں رکھ لیے اور آگے چلا۔

تھوڑی دُور چلنے کے بعد اُسے ایک قلعہ نظر آیا۔ حاتم اندر داخل ہو گیا۔ مکان عالی شان، دُکانیں سامان سے بھری ہوئی، مگر آدمی کا نام و نشان نہ تھا۔ بڑا چکرایا۔ سمجھا اِس شہر کے رہنے والے کسی دیو بھوت سے ڈر کر بھاگ گئے ہیں۔ چلتے چلتے حاتم شاہی محل میں داخل ہو گیا۔ وہاں بادشاہ، اُس کے رشتہ دار اور کچھ نوکر چاکر موجود تھے۔ پہلے نوکروں نے حاتم کو دیکھا اور حیران ہوئے کہ آج مسافر کیسے اِدھر آنکلا۔ اتنے میں بادشاہ نے اوپر کھڑکی سے سر نکال کر جھانکا اور حاتم سے پُوچھا "اے مسافر! تُو کون ہے، کہاں سے آتا ہے اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

حاتم نے عرض کیا "میں شاہ آباد سے آیا ہوں اور کوہِ ندا جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" بادشاہ نے کہا "اے عزیز! تُو راستہ بھُول گیا ہے اور شاید تیری موت تجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔" حاتم نے کہا "ٹھیک ہے۔ اگر میری موت ہی مجھے یہاں کھینچ لائی ہے تو اُس سے کون بچا سکتا ہے مگر تُو بتا کہ کیوں محل میں بند ہو کر بیٹھا ہے اور تیرے شہر میں کیوں خاک اُڑ رہی ہے؟"

بادشاہ نے کہا "میرے شہر میں ایک بَلا آتی ہے جس نے ہزاروں کو ہلاک کر دیا۔ اُسی کے ڈر سے میری ساری رعایا شہر چھوڑ کر بھاگ گئی۔" حاتم سمجھ گیا کہ یہ اُسی بَلا کا ذکر ہے جس کا وہ کام تمام کر چُکا ہے۔ اُس نے کہا "اے بادشاہ! مُبارک ہو۔ اللہ نے تجھے اور تیری رعایا کو اِس خوفناک بَلا سے چھٹکارا دِلایا۔" حاتم نے بَلا کے مارے جانے کا سارا قصّہ سُنایا اور

تھیلے سے اُس کے کان، دانت اور دُم نکال کر دکھائے۔ بادشاہ فوراً نیچے اُتر آیا اور حاتم کو گلے سے لگا لیا۔ اُس کی بڑی شاندار دعوت کی۔ پھر چاروں طرف ہرکارے دوڑا کر سب کو خبر کرا دی کہ بلا سے نجات مل گئی۔ حاتم کے سامنے ہی شہر دوبارہ پھر سے آباد ہونے لگا۔

حاتم وہاں سے رخصت ہو کر پھر کوہِ ندا کی طرف چلا۔ چلتے چلتے ایک شہر میں جا نکلا۔ لوگوں نے بڑی خاطر تواضع کی اور اُسے شہر کے رئیس کے پاس لے گئے۔ اُس نے کہا "اے مسافر! خوش آمدید۔ اِس شہر میں یا تو سکندر بادشاہ آیا تھا یا آج تُو آیا ہے۔ لیکن یہ بتا تیرا اِدھر کیسے گزر ہوا؟"

حاتم نے ساری داستان سُنائی اور کہا "مجھے کوہِ ندا کا کچھ حال معلوم ہو تو بتا۔" رئیس نے کہا "وہ ایسی چیز نہیں جس کا حال کوئی کسی کو بتا سکے۔ تُو کوئی دن یہاں رہ۔ خود ہی کچھ نہ کچھ معلوم ہو ہی جائے گا۔" اُس نے حاتم کے لیے ایک مکان کا بندوبست بھی کر دیا۔ حاتم آرام سے وہاں رہنے لگا۔

ایک دن عجیب واقعہ پیش آیا۔ حاتم بیٹھا لوگوں سے باتیں کر رہا تھا کہ شہر کے قریب والے پہاڑ سے آواز آئی "یا اخی، یا اخی۔" یہ آواز سُنتے ہی ایک نوجوان اُٹھا اور بے تحاشا پہاڑ کی طرف دوڑنے لگا۔ حاتم اُس کے پیچھے دوڑا۔ بار بار اُس سے پُوچھتا تھا "اے عزیز! تجھے کس نے بُلایا ہے اور کہاں جاتا ہے؟" مگر اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پہاڑ پر نظریں جمائے اُسی طرف بھاگتا رہا۔

ذرا دیر میں وہ نوجوان اور پہاڑ دونوں حاتم کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ حاتم افسوس کرتا ہوا لوٹ آیا اور اُمید کے خلاف سب کو خوش پایا۔ حاتم نے اُس نوجوان کو یاد کیا تو لوگ بولے "یہاں کوئی کسی کے لیے نہیں روتا۔

ہمارے دیس کی یہی ریت ہے۔ اگر چاہتا ہے کوئی دن ہمارا مہمان رہے تو وہی کر جو یہاں کا دستور ہے۔" حاتم بیچارہ چپ ہو رہا۔ لیکن سوچتا تھا حُسن بانو کو کوہِ ندا کا حال کیسے بتاؤں گا۔ حاتم چھ مہینے اس شہر میں رہا اور پندرہ آدمی اس پہاڑ کی آواز کا لقمہ بنے۔ جو گیا پھر لوٹ کر نہ آیا۔

حاتم کی دوستی ایک نوجوان سے ہوگئی۔ اُس کا نام بھی حاتم تھا۔ دونوں میں بہت دوستی ہوگئی۔ دونوں ایک ہی گھر میں رہتے تھے اس لیے ہر وقت ساتھ ہی رہتے۔ ایک دن دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ پہاڑ کی طرف سے وہی آواز آئی اور حاتم کا دوست اُس کی طرف دوڑنے لگا۔ حاتم کو اس سے بہت محبت تھی۔ اس نے ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا اور ساتھ ہولیا۔

راستے میں حاتم نے اس سے بار بار پوچھا " دوست کہاں جاتے ہو؟ رُک جاؤ" مگر وہ کچھ نہ بولا۔ برابر دوڑتا رہا۔ ایک بار حاتم نے اپنے دوست کا ہاتھ پکڑ لیا مگر وہ ہاتھ چھڑا کر پھر بھاگنے لگا۔ اب دونوں پہاڑ کے نیچے پہنچ چکے تھے۔ دوسرا حاتم تیزی سے پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ حاتم نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیے۔ اِسی طرح دونوں پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے۔ وہاں ایک قلعہ نظر آیا۔ دونوں اُسی طرح ایک دوسرے سے گتھے ہوئے اُس قلعے کی کھڑکی میں جا کودے۔

اب جو حاتم اُٹھ کر دیکھتا ہے تو نہ قلعہ ہے، نہ پہاڑ۔ بس ایک لمبا چوڑا میدان ہے۔ چاروں طرف سبزہ ہے مگر تھوڑی سی جگہ سبزے سے خالی ہے۔ وہ نوجوان اُس خالی جگہ میں پہنچا اور چت گر پڑا۔ گرتے ہی آنکھیں پتھرا گئیں۔ اتنے میں زمین پھٹی اور وہ اُس میں سما گیا۔ اس کے بعد زمین برابر ہوگئی اور جتنی جگہ میں نوجوان سمایا تھا اُس پر سبزہ نکل آیا۔

اِس واقعے سے حاتم کو صدمہ بھی ہوا اور حیرانی بھی۔ سمجھ میں نہ آیا کیا کرے مگر اللہ کا نام لے کر ایک طرف کو چل دیا۔ آگے چل کر ایک وسیع دریا نظر پڑا جو بڑے زور شور سے بَہ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیسے دریا کو پار کرے اِس لیے کنارے کنارے چلتا رہا۔ اتنے میں ایک کشتی بہتی ہوئی آئی اور حاتم کے پاس آکر رُک گئی۔

کشتی کو کھینے والا کوئی نہ تھا پھر بھی حاتم اللہ کا نام لے کر اُس میں جا بیٹھا۔ کشتی خود بخود چلنے لگی۔ حاتم نے دیکھا کہ ایک کونے میں کچھ لپٹا رکھا ہے۔ کھول کر دیکھا۔ گرما گرم نان اور مچھلی کے کباب تھے۔ پیٹ بھر کر کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اتنے میں زور کی آندھی آئی جو تین دن تک اسی طرح چلتی رہی۔ آندھی رُکی تو حاتم نے دیکھا ناؤ کنارے آ لگی ہے۔ خدا کا شکر ادا کیا جو ہر جگہ اور ہر حال میں آدمی کی خبرگیری کرتا ہے۔ پھر حاتم کشتی سے اُتر آیا۔

حاتم کشتی سے اُتر تو آیا مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جائے تو کدھر جائے۔ نہ آدم تھا نہ آدم زاد۔ کوئی راستہ بتانے والا نہ تھا۔ سات دن اِسی طرح بھوکا پیاسا راستہ ڈھونڈتا پھرا۔ آخر ایک پہاڑ دکھائی دیا۔ اُس کی طرف چلا اور تین دن میں وہاں پہنچا۔ پھر سوچا اب اوپر چڑھنا چاہیے۔ بارہ دن میں اُوپر پہنچا تو ایک میدان نظر پڑا جس کی زمین بالکل سُرخ تھی۔ جتنے جانور اس میدان میں دکھائی دیے اُن سب کا رنگ بھی سُرخ تھا۔ حاتم برابر چلتا رہا۔ کوئی پانچ چھ کوس چلنے کے بعد ایک دریا ملا جس کا پانی خون کی طرح لال تھا اس دریا کے جانور بھی اسی رنگ کے تھے۔ حاتم کنارے کنارے چلتا رہا۔ بھوک لگتی تو شکار کرکے پیٹ بھرتا۔ مُہرہ مُنہ میں رکھ کر پیاس بجھاتا۔

اِسی طرح چلتے چلتے کئی ہفتے گزر گئے۔ حاتم زندگی سے مایوس ہوگیا۔ ایک دن کیا دیکھتا ہے کہ دریا کی تہ سے کوئی چیز اُبھر کر اُوپر آرہی ہے۔ رُک کر دیکھنے لگا۔ وہ اُوپر آگئی تو دیکھا کہ ایک کشتی ہے جو اُس کی طرف بڑھی چلی آتی ہے۔ جب وہ قریب آگئی تو حاتم سوار ہوگیا۔ دسترخوان میں روٹیاں اور کباب لپٹے رکھے تھے۔ انھیں کھاکر خدا کا شکر ادا کیا۔

کشتی چلتے چلتے بیچ منجدھار میں جا پہنچی۔ دریا کی لہریں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ حاتم نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کرلیں۔ سات دن یہی حال رہا۔ کہیں آٹھویں دن جاکر کشتی کنارے لگی۔ حاتم اُتر کر سجدے میں گر پڑا اور پھر چلنا شروع کر دیا۔ سات دن چلنے کے بعد ایک دریا کے کنارے پہنچا۔ اس کا پانی ایسا تھا جیسے پگھلی ہوئی چاندی۔ حاتم پیاسا تھا۔ پانی لینے کے لیے دریا میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ بھی چاندی کا ہوگیا۔ یہ دیکھ کر حاتم بڑا پریشان ہوا کہ کیا کرے۔

اِتنے میں پھر ایک کشتی آتی دکھائی دی۔ حاتم ٹھہر گیا۔ کشتی قریب آئی تو یہ اندر جا بیٹھا۔ کشتی فوراً چل پڑی۔ حاتم کو ایک طباق میں گرم گرم حلوہ رکھا ملا۔ جی بھر کے کھایا۔ کئی دن بعد کشتی کنارے لگی۔ بالکل سامنے ایک پہاڑ تھا۔ حاتم اس کی طرف چل پڑا۔ مہینہ بھر میں اُس کے پاس پہنچا۔ دیکھا ہر طرف قیمتی ہیرے جواہر بکھرے پڑے ہیں۔ حاتم نے کچھ قیمتی پتھر اُٹھائے اور جیب میں رکھ لیے۔ آگے چل کر اُن سے بڑے پتھر ملے۔ حاتم نے پچھلے پتھر نکال پھینکے اور نئے جیبوں میں بھر لیے۔

اِتنے میں صاف شفاف پانی کا ایک چشمہ دکھائی دیا۔ حاتم نے وہاں بیٹھ کر ہاتھ مُنہ دھویا۔ اُس کے پانی سے ہاتھ تو ٹھیک ہوگیا لیکن

ناخن چاندی کے رہ گئے۔ حاتم وہیں پڑ کر سو رہا۔ صبح کو دریا سے دو جاندار نکلے جن کا سر آدمی کا سا تھا، ناخن شیر کے سے تھے اور پاؤں ہاتھی کے سے تھے۔ حاتم دیکھ کر ڈرا تو انھوں نے کہا "اپنے دل میں کسی طرح کا خوف نہ لا۔ ہم بھی تیری طرح اللہ کی مخلوق ہیں اور تیری بھلائی کے لیے تیرے پاس آئے ہیں" یہ کہہ کر وہ حاتم کے پاس بیٹھ گئے اور بولے "تجھ جیسے نیک آدمی کے دل میں یہ لالچ بری آئی کہ تو نے قیمتی پتھر اٹھا کر جیب میں رکھ لیے" حاتم نے کہا "اللہ نے ہر چیز اپنی مخلوق کے لیے پیدا کی ہے۔ اگر میں نے کوئی چیز اٹھائی تو کیا برا کیا" انھوں نے کہا "یہ تو ٹھیک ہے مگر وہ پتھر اللہ نے پریوں کے لیے بنائے ہیں تو ان کا حق مت چھین۔ اگر تجھے اس سفر کی نشانی کے لیے یہ ہیرے جواہرات چاہیئں تو ہم اس سے بڑے اور قیمتی دیتے ہیں۔ وہ پتھر تو جیب سے نکال پھینک" حاتم نے اپنی جیبیں خالی کر دیں اور ان کے دیے ہوئے قیمتی پتھر جیبوں میں رکھ لیے۔

حاتم اپنے ملک پہنچنے کے لیے بے قرار تھا۔ اس نے ان دونوں سے پتہ پوچھا۔ وہ بولے "اللہ کی مدد تیرے ساتھ ہے۔ فکر نہ کر سیدھا چلے جا۔ مگر راستے میں لالچ نہ کرنا کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھوئے گا" حاتم نے اُن دونوں کا شکریہ ادا کیا اور آگے چل پڑا۔ پیچھے چاندی کا جیسا دریا ملا تھا۔ آگے اُسی طرح کا سونے کا دریا ملا۔ حاتم اُس سے پار اُتر کر اور آگے چلا۔

چلتے چلتے ایک اور دریا ملا۔ اُس کے کنارے اتنے بڑے بڑے موتی پڑے تھے جیسے مرغی کا انڈا۔ حاتم بڑا حیران ہوا۔ جی چاہا دو چار موتی اٹھا لے۔ مگر ان اللہ کے بندوں کی نصیحت یاد آئی اِس لیے حاتم نے موتیوں کو ہاتھ

بھی نہ لگایا۔ دریا کا پانی پیا تو ایسا تھا جیسے کسی نے دودھ میں شہد گھول دیا ہو۔

حاتم وہاں سے آگے چلا تو دُور سے تیز روشنی دکھائی دی۔ پاس جاکر دیکھا تو سونے کا پہاڑ جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔ حاتم اُس پر چڑھنے لگا۔ تین دن کے بعد چوٹی پر پہنچا تو ایک وسیع میدان نظر آیا جس کی زمین سُنہری تھی۔ بیچوں بیچ ایک خوبصورت محل تھا جس کے در و دیوار سونے کے تھے۔ حاتم اندر داخل ہوا تو وہاں سونے کے بہت سے درخت دکھائی دیے۔

حاتم اِس سوچ میں کھڑا تھا کہ یہ کیا کرشمہ ہے۔ اِتنے میں سامنے سے پریاں آتی دکھائی دیں جو سر سے پاؤں تک زیوروں میں لدی ہوئی تھیں۔ پریاں حاتم کو دیکھ کر حیران تو ہوئیں لیکن قریب آتی گئیں۔ حاتم نے اُن سے پُوچھا "یہ محل کس کا ہے؟" اُنھوں نے کہا "یہ محل پری نوش لب کا ہے۔" اِتنے میں پری نوش لب خود بھی آپہنچی۔ حاتم اُس کا حُسن دیکھ کر بے ہوش ہوگیا۔ ہوش آیا تو پری نوش نے پُوچھا "تُو کون ہے اور یہاں کیسے پہنچا؟" حاتم نے حُسن بانو اور منیر شامی کا قصہ سُنایا۔ پری بہت خوش ہوئی اور حاتم کو چار دن تک مہمان رکھا۔

پانچویں دن حاتم وہاں سے رُخصت ہوا۔ کوئی بیس دن چلنے کے بعد ایک سونے کا دریا ملا۔ ایک کشتی حاتم کا انتظار کر رہی تھی۔ جیسے ہی حاتم سوار ہوا وہ چل پڑی۔ ایک طباق گرم گرم حلوے سے بھرا رکھا تھا۔ حاتم نے وہ حلوہ کھایا اور دریا سے پانی لے کر پیا تو کٹورا اور آگے کے دو دانت سونے کے ہوگئے۔ چالیس دن تک یہ کشتی چلتی رہی۔ اُس کے بعد جب

کنارے پر جا کر رُکی تو حاتم نے اُتر کر خُدا کا شُکر ادا کیا۔

حاتم آگے بڑھا تو ایک ایسے میدان میں پہنچا جس کی زمین آگ کی طرح تپ رہی تھی۔ اس میں چلنا دُوبھر ہو گیا۔ حاتم نے مہرہ مُنہ میں رکھ لیا تو بھی تسلّی نہ ہوئی۔ حاتم زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ موت سر پر منڈلاتی دکھائی دینے لگی۔ حاتم اللہ کو یاد کر کے گناہوں سے توبہ کرنے لگا۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہو گیا۔ اِتنے میں وہ دونوں پھر آئے جن کے جسم کا کچھ حصّہ آدمی کا تھا اور کچھ جانور کا۔ اُنھوں نے حاتم کو پانی پلایا تو وہ ہوش میں آیا۔

حاتم نے اُن سے پُوچھا "یہ کون سی جگہ ہے اور یہاں اتنی گرمی کیوں ہے؟"

وہ بولے "یہاں سے آگ کا دریا قریب ہے۔ تُو یہ مُہرہ لے اور مُنہ میں ڈال لے۔ اِس کی مدد سے تُو اس دریا کو پار کر لے گا۔" یہ کہہ کر وہ دونوں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ حاتم نے مُہرہ مُنہ میں رکھ لیا اور آگے چل پڑا۔

تھوڑی دُور چلا تھا کہ آگ کی لپٹیں دکھائی دینے لگیں۔ حاتم سمجھ گیا کہ اب آگ کا دریا قریب ہے۔ پاس پہنچا تو دیکھا کہ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ شعلوں کے بیچ ایک کشتی دکھائی دی۔ ہمّت تو نہ ہوتی تھی مگر جی کڑا کیا اور آنکھوں پر پٹّی باندھ کے کشتی میں سوار ہو گیا۔

تین دن بعد کشتی کنارے سے لگی۔ اب جو آنکھ کھولی تو نہ کشتی تھی، نہ آگ کا دریا۔ بلکہ ایک ہرا بھرا جنگل تھا۔ زمین کے ذرّے ذرّے سے وطن کی سُہانی خوشبو آ رہی تھی۔ حاتم خوش ہو کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ ایک آدمی گزرا۔ حاتم نے پُوچھا "یہ کون سا دیس ہے؟" اُس نے کہا "یمن" یہ حاتم کا دل خوشی سے اُچھلنے لگا۔ گھر یاد آیا، ماں باپ یاد آئے اور زرّیں پوش یاد آئی۔ جی چاہا پہلے گھر چلو۔ لیکن پھر فرض یاد آیا کہ منیر شامی کا کام ختم نہیں ہوا تو

اُس نے شاہ آباد کا رُخ کیا۔

شاہ آباد پہنچ کر حاتم سیدھا حُسن بانو کی حویلی میں گیا اور کوہِ ندا کا سارا حال سُنایا۔ اپنے چاندی کے ناخن، سونے کے دانت اور وہ قیمتی ہیرے جواہر دکھائے جو ساتھ لایا تھا۔ حُسن بانو نے حاتم کی بہادری کی بہت تعریف کی۔ وہاں سے حاتم منیر شامی کے پاس سرائے میں آیا۔ وہ یہ سُن کر کہ حاتم پھر کامیاب لَوٹا ہے بہت خوش ہوا اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ تین دن دونوں ہنسی خوشی ایک ساتھ رہے۔ چوتھے دن حاتم پھر حُسن بانو کے پاس پہنچا اور اُس سے چھٹا سوال معلوم کیا۔

چھٹا سوال
مُرغابی کے انڈے کے برابر موتی لانا

حُسن بانو نے حاتم سے کہا "اب میں اپنا چھٹا سوال بتاتی ہوں۔ میرے پاس ایک موتی ہے جو مُرغابی کے انڈے کی برابر ہے۔ مجھے اس کے ساتھ کا دوسرا موتی چاہیے۔ کہیں سے ایسا موتی لا کر دے کہ میرے پاس ایک سے موتیوں کا جوڑا ہو جائے۔" حاتم نے کہا "اللہ مدد کرے تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اُس نے چاہا تو یہ کام بھی ہو جائے گا۔" یہ کہا اور حُسن بانو سے اجازت لے کر سرائے میں آیا۔ پھر منیر شامی سے رخصت ہو کر موتی کی کھوج میں چل پڑا۔

شاہ آباد سے پانچ کوس گیا ہوگا کہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ یا اللہ بغیر اتے پتے کے کیسے موتی کو ڈھونڈوں۔ گھنٹوں بیٹھا یہی سوچتا رہا۔ پھر شام ہو گئی۔ اس وقت سات رنگ کی چڑیا کا ایک جوڑا درخت پر آ بیٹھا۔ دونوں باتیں کرنے لگے۔ حاتم جانوروں کی باتیں سمجھتا تھا۔ اور ان کی باتوں سے اس کے کتنے کام بنے تھے۔ کان لگا کے اُن کی باتیں سُننے لگا۔

مادہ، نر سے بولی "اِس جنگل میں رہتے برس بیت گئے، مگر یہاں کی

آب و ہوا ہمیں راس نہ آئی۔ کیوں نہ کہیں اور چلے چلیں۔" نر نے کہا" ہاں ٹھیک ہے۔ دن نکلے یہاں سے کہیں اور اُڑ چلیں گے۔" اس کے بعد دونوں ذرا دیر چُپکے بیٹھے رہے۔ مادہ نے پھر بات شروع کی۔ بولی" اِس درخت کے نیچے کوئی مسافر بیٹھا ہے۔ جانے بیچارہ کس سوچ میں ہے اور کیوں اِتنا پریشان ہے؟"

نر بولا" یہ یمن کا رہنے والا ہے۔ حاتم اس کا نام ہے۔ ہر وقت دوسروں کی بھلائی میں لگا رہتا ہے۔ منیر شامی ایک نوجوان ہے۔ اِس وقت یہ اُس کے کام سے نِکلا ہے۔ اِسے ایسا موتی چاہیے جو مُرغابی کے انڈے کی برابر ہو۔ اِس وقت سوچ رہا ہے کہ اُس کی تلاش میں کِدھر جاؤں۔" وہ بولی "کیا ایسا کوئی نہیں جو اُس موتی کا پتہ بتا سکے؟" نر بولا" میں جانتا ہوں کہ ایسا موتی کہاں ہے اور کس طرح مِل سکتا ہے۔ کہو تو ابھی اسے بتا دوں۔" مادہ نے کہا" اگر ہم اس کی کوئی مدد کر سکیں تو اچھی بات ہی ہے۔"

نر بولا" میں بتاتا ہوں کہ اس موتی کا قصّہ کیا ہے۔ قہرمان نام کا ایک دریا ہے۔ پُرانے زمانے کی بات ہے کہ اس کے کنارے ایک پرندہ رہتا تھا۔ وہ تیس برس کے بعد ایک انڈا دیتا تھا۔ یہ انڈا اصل میں موتی ہوتا تھا۔ ایک بار اُس نے دو انڈے دیے۔ اُن میں سے ایک انڈا پریوں کے بادشاہ شمس شاہ کے ہاتھ لگا۔ دوسرا انڈا برزخ کے جزیرے میں ماہ یار سُلیمانی کے پاس رہا۔

"حُسن بانو کے پاس جو موتی ہے وہ شمس شاہ والا ہے۔ یہ بہت گھومتا پھرتا اس کے پاس پہنچا۔ دوسرا ابھی تک ماہ یار سلیمانی کے پاس ہے۔ اگر حاتم اُس تک پہنچ جائے تو وہ موتی مِل سکتا ہے۔ اُس نے موتی کے لیے

ایک شرط مقرّر کی ہے۔ وہ یہ پُوچھتا ہے کہ یہ موتی آیا کہاں سے۔ جو یہ بتا دے موتی اُسی کا ہے۔" مادہ بولی "اگر یہ جوان ہماری زبان سمجھتا ہے تو کام بالکل آسان ہے۔ جائے اور تمھارا سُنایا ہوا قصّہ دُہرا دے۔" نر بولا" یہ کام اِتنا آسان نہیں۔ برزخ کے جزیرے تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ راستے میں بہت سے خطرے ہیں۔ وہ مُلک دیوؤں کا ہے۔ وہ آدم زاد کو پائیں تو جیتا نہ چھوڑیں گے۔"

نر کا جواب سُن کر مادہ پریشان ہو گئی۔ بولی "آخر وہاں پہنچنے کا کوئی طریقہ بھی ہے؟" نر بولا" ہاں۔ اِسے چاہیے کہ ہمارے تھوڑے پر اپنے پاس رکھ لے تو بہت کام آئیں گے۔ اُس مُلک میں خوفناک جانوروں کا بہت ڈر ہے۔ اگر ہمارے پروں کو جلا کر جسم پر مَل لیا جائے تو جانور دُور بھاگ جائیں گے۔ اس کے مَلنے سے صورت بھی دیوؤں کی سی ہو جائے گی اور دیو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔" مادہ بولی" پھر وہ دیو سے آدمی کیسے بنے گا؟" نر نے جواب دیا" وہ ہمارے سفید پر احتیاط سے رکھ لے۔ جب انھیں جلا کر راکھ جسم پر مَلے گا تو اپنی اصلی شکل میں آ جائے گا۔"

"جب یہ اصلی شکل میں آ جائے گا تو دیو اسے پکڑ کر ماہ یار سلیمانی کے پاس لے جائیں گے۔ وہ اس سے پُوچھے گا کہ 'تُو کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور کیوں آیا ہے؟' اُس وقت یہ اپنے جانے کا سبب بتائے گا اور ماہ یار اس سے موتی کی پیدائش کا حال پُوچھے گا۔ اِسے چاہیے کہ مجھ سے سُنا ہوا قصّہ یہ اُسے سُنا دے۔" اِس بات چیت کے بعد چڑیاں پھڑ پھڑا کر اُڑ گئیں۔ بہت سے پر جھڑ کر زمین پر آ گرے۔ حاتم نے انھیں جمع کر کے رکھ لیا اور چین کی نیند سو گیا۔ صبح کو اُٹھا اور برزخ کے جزیرے کی طرف چل کھڑا ہوا۔

حاتم اپنی منزل کی طرف چلا جاتا تھا۔ ایک دن ذرا سستانے کے لیے ایک پیڑ کے نیچے لیٹ گیا۔ ذرا دیر میں کسی کے رونے کی آواز کان میں پڑی۔ حاتم بے قرار ہو گیا اور اُٹھ کر آواز کی طرف چلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک لومڑی زمین پر پڑی تڑپ رہی ہے۔ حاتم نے وجہ پُوچھی۔ اُس نے کہا "اے مسافر! اللہ تیرا بھلا کرے جو دوسروں کے درد سے تیرا دل دُکھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ پاس کے گاؤں میں ایک بہیلیا رہتا ہے۔ وہ میرے نر اور بچّوں کو پکڑ لے گیا۔ یہ صدمہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔"

حاتم نے لومڑی سے کہا "تو میرے ساتھ چل اور دُور سے بہیلیے کا گھر بتا دے پھر انھیں چھڑا کر لانا میرا ذمّہ ہے۔" لومڑی نے یہ ہمدردی دیکھی تو اُٹھ کر حاتم کے قدموں سے سر ملنے لگی۔ پھر اُسے راستہ دکھانے کو ساتھ چلی۔ گاؤں میں پہنچ کر لومڑی نے دُور سے بہیلیے کا گھر دکھایا اور خود ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ گئی۔

حاتم بہیلیے کے گھر پہنچا۔ دروازے پر دستک دی۔ بہیلیا باہر آیا تو حاتم نے کہا "بھائی! میں بڑی بُری بیماری میں مبتلا ہوں۔ میری بیماری لومڑی کے خون سے جا سکتی ہے۔ اگر تمھارے پاس لومڑی یا اُس کے بچّے ہوں تو مجھے دے دو۔" اُس نے لومڑ اور بچّے حاتم کے حوالے کر دیے۔ حاتم نے اُسے مُنہ مانگی قیمت دی اور لومڑ اور بچّے لومڑی کے حوالے کر دیے۔ سب حاتم کو دعا دیتے ہوئے جنگل کی طرف چل دیے۔

اب حاتم پھر برزخ کے جزیرے کی طرف چل دیا۔ ایک دن دیکھا کہ دُور پانی کا چشمہ چمک رہا ہے۔ حاتم پیاسا تھا۔ اُس طرف بڑھا۔ پاس جا کر دیکھا تو چشمہ نہ تھا بلکہ چاندی کی طرح چمکتا ہوا سفید سانپ تھا جو

کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ حاتم اُسے دیکھ کر واپس ہولیا۔ اِتنے میں کسی نے آواز دی "اے جوان! تو لوٹ کیوں گیا؟" حاتم نے مڑ کر دیکھا تو سانپ پھن اُٹھائے اُس سے مخاطب تھا۔

حاتم نے کہا "اے خوبصورت سانپ! میں نے تجھے پانی کا چشمہ جانا۔ پیاسا تھا دوڑا چلا آیا۔ اب پھر پانی کی تلاش میں جاتا ہوں" سانپ نے کہا "فکر نہ کر یہاں تجھے سب کچھ مل جائے گا" یہ کہہ کر سانپ رینگنے لگا۔ حاتم پیچھے پیچھے چلا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں ایک باغ میں جا پہنچے۔ یہ باغ بڑا ہرا بھرا تھا۔ خوبصورت پودے پھلوں سے لدے کھڑے تھے۔ بیچ میں صاف شفاف پانی کا ایک حوض تھا۔ اُسے دیکھ کر حاتم کا دل باغ باغ ہوگیا۔

حاتم تو باغ کی سیر میں کھو گیا اور سانپ حوض میں کود پڑا۔ ذرا دیر میں پری زاد حوض سے نکلے۔ اُن کے سروں پر قیمتی ہیرے جواہر کے خوان تھے۔ وہ لاکر اُنھوں نے حاتم کے آگے رکھ دیے اور کہا "ہمارے آقا نے یہ آپ کے لیے بھیجے ہیں" ذرا دیر بعد اُن کا آقا بھی آگیا۔ خوبصورت جوان تھا۔ بہت سے خادم اُس کے ساتھ تھے۔ آکر حاتم کے گلے ملا۔ حاتم نے کہا "اے مہربان! تو نے مجھ پر بڑی عنایت کی مگر یہ تو بتا کہ تو ہے کون؟"

نوجوان نے جواب دیا "تو سفر کا تھکا ہارا ہے۔ ہاتھ مُنہ دھو کر کھانا کھالے۔ پھر باتیں ہوں گی" وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ دستر خوان بچھ گیا اور اُس پر طرح طرح کے کھانے چُن دیے گئے۔ دونوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ حاتم کو نوجوان کی داستان سُننے کی بڑی بے چینی تھی۔ اُس نے پھر تقاضا کیا۔

نوجوان نے کہا "اے معزز مہمان! میں وہی سانپ ہوں جو تجھے یہاں لایا تھا۔ اصل میں مَیں پری زاد ہوں۔ شمس شاہ میرا نام ہے۔ میرے دل میں یہ

خواہش پیدا ہوئی کہ آدمیوں کے مُلک پر حملہ کروں اور اُنھیں ہرا کر اُن کے مُلک کو اپنی حکومت میں شامل کر لوں۔ یہ سوچ کر میں نے ایک بھاری لشکر جمع کیا اور طے کر لیا کہ اگلی صبح کو حملہ کر دیں گے۔ صبح کو سو کر اُٹھے تو میں اور میرا لشکر سب سانپ بن چکے تھے۔

"اب میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوا اور اللہ سے توبہ کرنے لگا۔ آخر اُسے رحم آیا اور میرے لشکر کے سب سپاہی اپنی اصلی حالت پر آ گئے مگر میں سانپ کا سانپ ہی رہا۔ میں نے پھر گڑگڑا کر توبہ کی۔ حکم ہوا' جا ہم نے تیری خطا معاف کی۔ لیکن تُو تیس سال تک اسی شکل میں رہے گا۔ اس کے بعد یمن کا ایک جوان حاتم نام کا یہاں آئے گا تو اُسے دیکھ کر اپنی اصلی حالت میں آجائے گا۔ پھر اُس نے تیرے لیے دعا کر دی تو ٹھیک ہے ورنہ تُو پھر سانپ بن جائے گا' حاتم! آج اِس بات کو پُورے تیس سال ہو رہے ہیں۔ اب تو میرے لیے دعا کر دے تو میں اس عذاب سے چھوٹ جاؤں۔"

حاتم تو ہر ایک کا ہمدرد تھا۔ اُس نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے۔ فوراً آواز آئی "حاتم! تیری دعا قبول کی جاتی ہے۔" اِس طرح شمس شاہ کو چھٹکارا مِلا۔ اُس نے حاتم کا شکریہ ادا کیا اور اِدھر آنے کی وجہ پُوچھی۔ حاتم نے کہا "میں شاہ آباد سے آرہا ہوں۔ اِس وقت برزخ کے جزیرے جا رہا ہوں تاکہ مُرغابی کے انڈے کی برابر موتی لاؤں۔" شمس شاہ نے کہا "بھائی! یہ کام بہت دُشوار ہے۔ اِس سے ہاتھ اُٹھا۔ اُس جزیرے کا راستہ خطروں سے بھرا ہوا ہے۔"

حاتم نے کہا "میں خطروں سے گھبرانے والا نہیں۔ جس کام کا بیڑا اُٹھاؤں کر کے رہتا ہوں۔ میں برزخ کے جزیرے ضرور جاؤں گا چاہے کچھ بھی ہو۔" شمس شاہ نے کہا "اگر تم نے ارادہ کر ہی لیا ہے تو بسم اللہ۔ خدا تمھاری

مدد کرے۔ میں کچھ پری زاد تمھارے ساتھ کیے دیتا ہوں۔ وہ ہر حال میں تمھاری مدد کریں گے۔" چنانچہ شمس شاہ نے چھ پری زاد حاتم کے ساتھ کر دیے۔ انھوں نے حاتم کو اُڑن کھٹولے پر بٹھایا اور برزخ کے جزیرے کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ سفر تین دن تک جاری رہا۔ چوتھے دن یہ کھٹولا ایک درخت کے نیچے اُترا۔ ایک پری زاد تو کھٹولے کے پاس رہا۔ باقی کھانے پینے کی تلاش میں ادھر اُدھر چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں بہت سے دیو وہاں شکار کھیلتے آ نکلے۔ انھوں نے اُڑن کھٹولے کو گھیر لیا۔ پری زاد اور دیو آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ پری زاد نے کئی کو تو مار گرایا۔ آخر پکڑا گیا۔ دیو حاتم اور پری زاد کو اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ اُس نے دونوں کو ایک کنویں میں قید کر دیا۔ اُدھر یہ ہوا کہ پری زاد لوٹ کر آئے۔ دیکھا کہ نہ حاتم ہے نہ پری زاد۔ بس تین چار دیو مرے پڑے ہیں۔ سمجھ گئے کہ دیووں سے لڑائی ہوئی ہوگی وہ دونوں کو پکڑ کر لے گئے ہوں گے۔

پری زاد اسی سوچ میں تھے کہ ایک دیو نے کروٹ بدلی۔ پری زادوں نے پوچھا "تو کون ہے اور کس کا نوکر ہے؟" وہ بولا "میں مقرنس دیو کا نوکر ہوں۔ ہم شکار کھیلتے اِدھر آ نکلے۔ یہاں ایک پری زاد سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اُس سے لڑائی میں کئی دیو مارے گئے۔" یہ سُن کر پری زاد شمس شاہ کے پاس پہنچے اور یہ قصّہ سُنایا۔ اُسے بڑا غصّہ آیا۔ شمس شاہ نے تیس ہزار پری زادوں کا لشکر لے کر مقرنس پر حملہ کر دیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ آخر مقرنس قید ہوا اور شمس شاہ کے سامنے لایا گیا۔ آتے ہی وہ شمس شاہ کے پیروں پر گر پڑا۔ آخر حاتم اور اُس پری زاد کو بھی قید سے نجات ملی۔

شمس شاہ نے ایک بار پھر حاتم کو سمجھایا کہ اِس مشکل سفر کا ارادہ چھوڑ دے مگر حاتم نے جواب دیا کہ "مرد کبھی اپنا ارادہ نہیں بدلتے۔ جس طرح بھی ہو مجھے وہ

موتی چاہیے۔" یہ سُن کر شمس شاہ نے کہا "اچھا میں تمھارے ساتھ کچھ پری زاد کیے دیتا ہوں۔" اِس بار اُس نے کچھ بُوڑھے تجربہ کار پری زاد حاتم کے ساتھ کر دیے۔ یہ قافلہ پندرہ دن تک سفر کرتا رہا۔ بھوک پیاس لگتی تو اُتر کر کھا پی لیتے۔ پھر اُڑنے لگتے۔ سولھویں دن ایک پہاڑ پر اُترے۔ وہاں حاتم کو کسی کے رونے اور کراہنے کی آواز سُنائی دی۔ پری زادوں سے پُوچھا "کون روتا ہے؟"

اُنھوں نے بتایا کہ پری زادوں کا ایک شہزادہ مہر آور بہت دنوں سے یہاں رہتا ہے۔ وہ برزخ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر برزخ کی کوئی شرط ہے جسے وہ پُورا نہیں کر سکتا۔" یہ سُن کر حاتم کو اُس سے ہمدردی ہوئی۔ کہا "چلو۔ ذرا اُس سے ملیں۔ ممکن ہے کوئی ایسا کام ہو جسے ہم پُورا کر سکیں۔" یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور پری زادوں کو ساتھ لے کر آواز کی طرف چلا۔

دیکھا کہ ایک خوبصورت جوان پتھّر پر بیٹھا رو رہا ہے۔ حاتم قریب گیا۔ پُوچھا "دوست! تجھے کیا تکلیف ہے جو اِس طرح بلک بلک کر رو رہا ہے؟" اُس نے کہا "اے اجنبی! تجھے اِس سے کیا مطلب کہ میں کیوں روتا ہوں۔ تو جا اور اپنا کام کر۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ۔" حاتم نے کہا "خفا کیوں ہوتے ہو۔ تمھارا درد نہ دیکھا گیا اس لیے پُوچھ بیٹھے۔" اب نوجوان نے معافی مانگی اور کہا "میں غم کی وجہ سے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہوں۔ اِسی لیے تجھے ایسا رُوکھا جواب دے دیا۔ اب تُو اطمینان سے بیٹھ۔ میں تجھے اپنی داستان سُناتا ہوں۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنی درد بھری کہانی سُنائی۔

شہزادے کی داستان سُن کر حاتم نے اُسے دلاسا دیا۔ کہا "میں برزخ سے وہ موتی حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں جو مُرغابی کے انڈے کی برابر ہے۔ مجھے اُس کی پیدائش کا پُورا حال معلوم ہے۔ وہ حال سُن کر موتی دینے پر مجبور ہے۔ میں

اُس سے ملوں گا تو تیری شادی کی بات بھی کروں گا ممکن ہے وہ راضی ہو جائے۔"
شہزادے نے حاتم کی بات پر یقین نہ کیا اور ہنسنے لگا۔

حاتم کے ساتھ جو پری زاد تھے وہ بولے" شہزادے! ہنسنے کی بات نہیں۔
ہم شمس شاہ کے ملازم ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ حاتم کو موتی کا سارا حال معلوم ہے۔"
شہزادے نے یہ سُنا تو اُٹھ کر حاتم کو گلے لگا لیا اور بولا" میں بھی تیرے ساتھ
چلوں گا۔" اب دونوں اُڑن کھٹولے پر بیٹھ گئے اور برزخ کے جزیرے کی طرف
روانہ ہو گئے۔

پری زادوں کو نیچے ایک باغ نظر آیا۔ یہ سیر کرنے کے خیال سے وہاں
اُتر گئے۔ یہ باغ مہاکال دیو کا تھا۔ اُس نے آدم زاد اور پری زاد کو ساتھ ٹہلتے
دیکھا تو حیران ہوا۔ فوراً دیووں کو حکم دیا کہ دونوں کو پکڑ لائیں۔ دونوں کو مہاکال
دیو کے سامنے لایا گیا۔ وہ شہزادہ مہرآور سے بولا" تو پری زاد ہے۔ اس لیے
تجھے تو چھوڑے دیتا ہوں لیکن اِس آدم زاد کو ہرگز نہ چھوڑوں گا۔" شہزادے نے
بہت خوشامد کی مگر وہ حاتم کو چھوڑنے کے لیے کسی طرح راضی نہ ہوا۔

مہاکال نے حاتم کو ایک مکان میں قید کرا دیا۔ مہرآور اور پری زاد آزاد
کر دیے گئے۔ یہ ایک جگہ بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ بہت دیر
سوچنے کے بعد طے کیا کہ جب پہرے دار سو جائیں تو حاتم کو آزاد کرے جانا چاہیے۔
یہ طے کر کے وہ اُس مکان کے پاس جا چھپے جس میں حاتم قید تھا۔ رات کو پہرے دار
میٹھی نیند سو گئے تو پری زاد اُس مکان میں جا اُترے اور حاتم کو اُڑن کھٹولے پر
بٹھا کر لے اُڑے۔ اِس طرح راتوں رات وہ حاتم کو مہاکال کی سرحد سے باہر لے گئے۔

تین دن بعد پری زاد اُڑن کھٹولا لیے قہرمان کی سرحد پر پہنچ گئے اور
حاتم سے بولے" اب آگے جانا ہمارے قابو سے باہر ہے۔ یہاں سے ہم اپنے

مُلک کو لُوٹتے ہیں۔" حاتم نے انھیں رُخصت کر دیا لیکن مہرآور نے کہا" میں تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ ہر حال میں ساتھ رہوں گا۔" یہ وہی جگہ تھی جہاں حاتم کو چڑیا کے پروں کی راکھ جسم پر مَلنی تھی۔ اُس نے مہرآور سے کہا" میں تو اِن پروں کی راکھ جسم کو مَل کر دیو بن جاؤں گا۔ تُو میرے ساتھ کیسے چل سکے گا۔" اُس نے کہا "میں اُڑتا ہوا تیرے ساتھ چلوں گا۔"

حاتم نے لال پر جلا کر اُن کی راکھ جسم کو مل لی۔ راکھ مَلتے ہی اُس کی صورت دیو جیسی ہو گئی۔ اِس طرح دیو کا رُوپ اختیار کرکے حاتم دیووں کے مُلک میں داخل ہو گیا۔ دیو اُسے دیکھتے مگر دیو سمجھ کر کچھ نہ کہتے۔ مہرآور بھی اُس کے ساتھ ساتھ اُڑتا رہا۔ کئی دن دونوں اسی طرح چلتے رہے۔ دن بھر سفر کرتے۔ رات ہوتی تو دونوں ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے اور آرام کرتے۔ اسی طرح دریائے قہرمان کے کنارے پہنچ گئے۔

یہ دریا ایسا تھا کہ دیکھ کے ڈر لگتا تھا۔ پہاڑ سے اُونچی لہریں اُٹھتی تھیں اور آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ ہاتھی کے برابر کے جانور اس میں تیرتے پھرتے تھے۔ دریا کا پاٹ ایسا تھا کہ دوسرا کنارہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اسے دیکھ کر دونوں پریشان ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس کا تو پار کرنا مشکل ہے۔ آخر مہرآور کو یاد آیا کہ یہاں سے تھوڑی دُور اُس کے دوست شمشان پری زاد کا شہر ہے۔ اُس کے پاس ایسے گھوڑے ہیں جو اُڑ بھی سکتے ہیں اور تیر بھی سکتے ہیں۔

مہرآور اُڑتا ہوا اپنے دوست شمشان کے شہر میں پہنچا۔ اُس نے دو شاندار گھوڑے دے دیے۔ یہ گھوڑے تیرنے اور اُڑنے میں لاجواب تھے۔ مہرآور انھیں لے کر واپس آ گیا۔ پھر ایک گھوڑے پر وہ خود بیٹھا اور دوسرے پر حاتم کو بٹھایا۔

اُن کے بیٹھتے ہی گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے اور تیسرے دن دریا کے پار جا پہنچے۔ دریا کے پار پہنچ کر مہرآور نے حاتم سے کہا "میرا ملک یہاں سے بہت نزدیک ہے۔ تم اجازت دو تو میں جاکر ایک لشکر ساتھ لے آؤں۔" حاتم نے کہا "لشکر لاکر کیا کروگے؟ ہم جنگ کے ارادے سے تو جا نہیں رہے۔" مہرآور بولا "ہاں دوست! یہ تو ٹھیک ہے مگر ہم لاؤلشکر کے ساتھ داخل ہوں گے تو زیادہ عزت ہوگی۔" حاتم نے کہا "ٹھیک ہے۔ جاؤ۔ مگر یہ بتاؤ تمھاری واپسی کب تک ہوگی؟" مہرآور بولا "آج سے آٹھویں دن میں ضرور لوٹ آؤں گا۔"

اِس طرح حاتم سے اجازت لے کر شہزادہ مہرآور اپنے مُلک میں پہنچا۔ ماں باپ نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو دیکھا تو خوشی سے بے قابو ہوگئے۔ فوراً اُسے سینے سے لگالیا اور حال پُوچھا۔ مہرآور نے سارا قصّہ سُنا دیا اور بولا "اب میری درخواست یہ ہے کہ ایک لشکر میرے ساتھ کر دیجیے تاکہ برزخ جاکر شہزادی کو بیاہ لاؤں۔" باپ نے کہا "بیٹا! لشکر ساتھ کرنے کو تو میں تیار ہوں مگر یہ بتاؤ تم جب تک اُس کے سوال کا جواب نہ دوگے اُس کی بیٹی کو کس طرح بیاہ کر لاؤ گے؟"

اِس کے جواب میں شہزادے نے سارا قصّہ سُنایا مگر باپ کو یقین نہ آیا اور بولا "تم کیسی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔ جو کام پری زاد ہو کر تم نہ کرسکے، وہ کام کوئی آدم زاد کیسے کرسکتا ہے؟" شہزادے نے حاتم کے بہت سے کارنامے سنائے اور اُس کے بارے میں بہت کچھ بتایا پھر کہا کہ حاتم کوئی معمولی آدمی نہیں۔ وہ بہت سے پری زادوں پر بھاری ہے۔ آخر بیٹے نے کہہ سُن کر باپ کو مطمئن کر ہی دیا اور ایک بھاری لشکر لے کر آٹھویں دن حاتم سے جا مِلا۔

رات کو دُور تک چھاونی سی بس گئی۔ دونوں نے ساتھ بیٹھ کر مزیدار کھانے کھائے اور ہنسی خوشی رات گزاری۔ دن نکلا تو کُوچ کا نقارہ بجا۔ لشکر

چلنے کے لیے تیار ہوا۔ حاتم اور مہرآور گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ اس طرح یہ قافلہ برزخ کے بادشاہ ماہ یار سلیمانی کے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ ماہ یار سلیمانی کو پہرے داروں نے خبر کی کہ ایک بھاری لشکر شہر کی طرف بڑھا چلا آتا ہے۔ اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ آگے بڑھ کر اس لشکر کو روک دے۔

چنانچہ ماہ یار کی فوج شہر کے دروازے پر جمع ہو گئی۔ شہزادہ اور حاتم پہلے تو یہ سمجھے کہ یہ فوج استقبال کے لیے آئی ہے۔ پھر پتہ چلا کہ اس کے آنے کا مقصد ان کا راستہ روکنا ہے۔ شہزادے نے یہ دیکھ کر فوراً اطلاع کرائی کہ "ہم لڑنے کے خیال سے نہیں آئے۔ بادشاہ سے ملاقات کی آرزو رکھتے ہیں۔"

فوج کے سردار نے شہزادے کا یہ پیغام بادشاہ کو پہنچا دیا اور اطلاع دی کہ شہزادہ مہرآور ایک آدم زاد کو لے کر آیا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔" بادشاہ نے حکم دیا کہ دونوں کو عزت کے ساتھ شہر میں لایا جائے۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی اور انھیں ایک خوبصورت مکان میں ٹھہرایا گیا۔

اگلے دن بادشاہ نے دونوں کو دربار میں بلایا اور عزت سے اپنے پاس بٹھایا۔ دیر تک مہرآور سے باتیں کرتا رہا۔ پھر حاتم کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا "بھائی! تم کون ہو، کدھر سے آئے ہو، یہاں آنے کا کیا سبب ہے؟" حاتم نے جواب دیا "اے پرستان کے بادشاہ! میں یمن کا رہنے والا ہوں۔ یہاں آنے کے لیے میں نے ہزاروں کوس کا سفر کیا۔ راستے میں طرح طرح کے خطرے تھے۔ ان کا مقابلہ کرتا ہوا یہاں پہنچا۔ اب پتہ چلا کہ یہاں آنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ مگر اللہ جس کی مدد کرے اس کی سب مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔"

بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ بولا "اے دور دراز کے مسافر! سچ سچ تو بڑی ہمت والا ہے اور اللہ کی مدد ضرور تیرے ساتھ ہے ورنہ یہاں جیتا نہ پہنچتا۔

پھر بھی تُو نے بڑے دُکھ جھیلے ہوں گے۔ آخر یہ تو بتا تُو نے اتنی تکلیفیں کس لیے برداشت کیں؟" حاتم نے جیب سے فوراً وہ موتی نکالا جو حُسن بانو نے دیا تھا اور بولا "اس کے ساتھ کا دوسرا موتی آپ کے خزانے میں ہے۔ اگر وہ موتی مجھے مِل جائے تو میری محنت ٹھکانے لگ جائے۔"

بادشاہ نے کہا "مجھے تجھ سے ہمدردی ہے لیکن میں نے ایک شرط رکھی ہے۔ اگر کوئی اس موتی کی پیدائش کا حال بتا دے تو میں اس موتی کے ساتھ اپنی بیٹی بھی اُس کے حوالے کر دوں۔" یہ سُن کر حاتم نے موتی کی پیدائش کا حال سُنانا شروع کیا اور پرندے سے جو کچھ سُنا تھا سب بتا دیا۔ بادشاہ سر جھکائے سُنتا رہا۔ جب حاتم کہہ چکا تو اُٹھا اور حاتم کو گلے سے لگا لیا۔ پھر وہ موتی منگا کر حاتم کے آگے رکھ دیا اور درباریوں کو حکم دیا کہ شادی کی تیاری کرو۔ دو ایک دن میں تیاریاں مکمل ہو گئیں۔

شادی کے دن شہزادی خوبصورت پوشاک پہنے، سولہ سنگار کیے سجی بنی آئی۔ حاتم فوراً بولا "اے بادشاہ! یہ شہزادی آج سے میری بہن ہے۔ میں خوشی سے اس کا ہاتھ شہزادہ مہرآور کے ہاتھ میں دیتا ہوں۔" یہ سُن کر سب بہت خوش ہوئے۔ بادشاہ کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔ وہ یہ جان کر بہت خوش ہوا کہ اب اُس کی بیٹی کی شادی ایک پری زادے سے ہو گی۔ پری زادوں کی رسم کے مطابق شادی ہوئی۔ اس طرح حاتم کی مدد سے مہرآور کی مُراد بھی پُوری ہو گئی۔

شادی کے چوتھے دن حاتم اور مہرآور ماہ یار سے اجازت لے کر روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے دریائے قہرمان کے کنارے پہنچے۔ یہاں آکر حاتم نے اپنے دوست سے کہا "اب تم ہنسی خوشی اپنے گھر کو سدھارو۔ میں اپنی منزل کی

طرف روانہ ہوتا ہوں۔" اُس نے جواب دیا" یہ بات مروت کے خلاف ہے۔ تم نے میرے لیے اِتنا کام کیا اور میں تمھیں اکیلا چھوڑ دوں۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ میں تمھیں شمس شاہ کے پاس پہنچا کر لوٹوں گا۔" یہ کہا اور لشکر کو شہزادی سمیت اپنے گھر کی طرف بھیج دیا۔

اب دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کے شمس شاہ کے مُلک کی طرف چلے۔ پہلے قہرمان دریا پار کیا پھر پہلے کی طرح دیووں کی سرحد سے گزرے۔ آخر شمس شاہ کی سرحد میں جا پہنچے۔ اُس کے مخبروں نے خبر دی کہ حاتم اور اُس کا نیا ساتھی مہر آور سفر سے لَوٹ آئے ہیں اور اب اُس کی طرف آرہے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوا اور لشکر لے کر ان کے استقبال کو چلا۔ ابھی تھوڑی دُور ہی آیا تھا کہ حاتم نظر آیا۔ دوڑ کر گلے لگا لیا۔ پھر شہزادے کے بارے میں پُوچھا۔ حاتم نے دونوں کی ملاقات کرائی اور شہزادے کی مہربانیوں کا حال سُنایا۔

شمس شاہ نے شہزادے کا شُکریہ ادا کیا اور کہا" تم نے بڑی مہربانی کی کہ میرے دوست حاتم سے میری ملاقات کرائی۔ میں اُس کی طرف سے بہت پریشان تھا۔ تم نہ ہوتے تو انھیں سفر میں زیادہ دشواری ہوتی۔" غرض وہ دونوں کو ساتھ لایا۔ ایک خوبصورت باغ میں ان کے ٹھہرنے کا بندوبست کیا۔ چالیس دن تک شاندار مہمان داری کی۔ خوب خوب دعوتیں کیں۔ اکتالیسویں دن دونوں نے شمس شاہ سے اجازت چاہی۔

اُس نے کہا" جی تو نہیں چاہتا کہ تمھیں رخصت کردوں مگر تمھیں وطن سے نکلے بہت دن ہو گئے۔ اِس لیے تمھیں نہیں روکتا۔ جاؤ اللہ نگہبان ہے۔" یہ کہہ کر کچھ پری زاد ان کے ساتھ کر دیے۔ چار پری زاد مہر آور کو اُڑن کھٹولے پر بٹھا کر اس کے مُلک کی طرف لے چلے۔ چار پری زادوں نے حاتم کو دوسرے

اُڑن کھٹولے پر بٹھایا اور شاہ آباد کا رُخ کیا۔

شاہ آباد وہاں سے کافی دُور تھا۔ ایک مہینے کے لمبے سفر کے بعد حاتم کا اُڑن کھٹولا وہاں پہنچا۔ حاتم شہر کے باہر ہی اُتر گیا۔ شمس شاہ کے نام ایک شُکریے کا خط لکھ کر پری زادوں کو رخصت کیا اور خود شہر میں داخل ہوا۔ حُسن بانو کو حاتم کے آنے کی اطلاع ملی تو فوراً بُلایا اور پردے کے پیچھے بیٹھ کر حاتم سے سفر کا حال سُنا۔ حاتم نے دونوں موتی نکال کر اُس کے آگے رکھ دیے۔

حُسن بانو نے حاتم کی ہمّت اور بہادری کی بہت تعریف کی۔ وہاں سے رخصت ہو کر حاتم سرائے میں پہنچا اور منیر شامی سے ملاقات کی۔ اُسے اپنی کامیابی کا حال سُنایا اور کہا "اللہ کی مدد سے حُسن بانو کے چھ سوالوں کے جواب مِل گئے۔ اب صرف ایک سوال رہ گیا ہے۔ اُس کی عنایت سے اس کا جواب بھی مِل جائے گا۔" منیر شامی حاتم کے قدموں میں گر پڑا اور اس کا بہت بہت شُکریہ ادا کیا۔

ساتواں سوال
حمّام بادگرد کی خبر لانا

سات دن تک حاتم منیر شامی کے ساتھ سرائے میں رہا۔ آٹھویں دن حُسن بانو کی خدمت میں پہنچا اور پوچھا کہ ساتواں سوال کیا ہے۔ وہ بولی "میں نے سُنا ہے ایک حمّام ہے جو دن رات چکّی کی طرح گھومتا رہتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو لوگ اس میں نہاتے کیونکر ہیں؟ اِس بھید کا پتہ لگاؤ" حاتم نے کہا "اس حمام کا کچھ اتا پتا تو بتاؤ" حُسن بانو بولی "بس اتنا سُنا ہے کہ وہ دکن کی طرف ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں معلوم۔"

حاتم ساتواں سوال سُن کر شاہ آباد سے نکلا اور جنگل کی راہ لی۔ چلتے چلتے ایک شہر میں جا نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک کنوئیں کے چاروں طرف بھیڑ جمع ہے۔ حاتم نے پُوچھا "کیا ماجرا ہے؟" کسی نے کہا "یہاں کے حاکم کا بیٹا دیوانہ ہوکر کنوئیں پر بیٹھ رہا تھا۔ آج تیسرا دن ہے کہ وہ کنوئیں میں کُود پڑا۔ اُس کے ماں باپ کا روتے روتے بُرا حال ہے۔ ہزار کانٹے اور رسّیاں ڈالتے ہیں مگر اُس کی لاش بھی ہاتھ نہیں آتی۔ لاش مل جاتی تو شاید ماں باپ اُس کو دیکھ کر صبر کر لیتے۔"

اتنے میں اُس کے ماں باپ روتے پیٹتے وہاں آپہنچے۔ اُن کی حالت

دیکھی نہ جاتی تھی۔ کلیجہ مُنہ کو آتا تھا۔ حاتم کا دل بھی بھر آیا۔ بولا "اتنا نہ گھبراؤ۔ میں اللہ کی راہ میں اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتا ہوں۔ بس یہی آرزو ہے کہ میری جان کسی کے کام آئے۔ میں ابھی کنویں میں کُودتا ہوں۔ تم میرا انتظار کرنا۔" یہ کہہ کر حاتم کنویں میں کُود گیا۔ پاؤں تہ سے ٹکے تو حاتم نے آنکھیں کھول دیں۔ اب کنواں تھا نہ پانی بلکہ ایک کھلا میدان تھا۔

حاتم نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ دُور ایک موتیوں جڑا تخت نظر آیا۔ اُس پر ایک خوبصورت نوجوان بیٹھا تھا۔ اُس کے چاروں طرف پریاں جمع تھیں۔ حاتم چُپکے چُپکے قریب پہنچا اور گھنے درختوں میں چُھپ کر تماشا دیکھنے لگا۔ اِتنے میں پریوں کی نظر حاتم پر پڑ گئی اور وہ چیخ اُٹھیں۔

ان میں ایک پری جو سب سے خوبصورت تھی اور صورت سے اُن کی سردار معلوم ہوتی تھی وہ جوان کے پاس تخت پر بیٹھی تھی۔ اُس نے نوجوان سے کہا "تمھارا ایک بھائی بند اور یہاں آ پہنچا۔ اگر کہو تو اُسے بھی یہاں بُلا لیں" وہ بیچارہ شاید آدمی کو ترس گیا تھا۔ بولا "ہاں میرا بھی یہی جی چاہتا ہے۔" یہ جواب سُن کر وہ پریوں سے بولی "جاؤ اور اُس نوجوان کو ادب سے یہاں لے آؤ۔"

وہ آئیں اور حاتم کو تخت کے قریب لے آئیں۔ ان دونوں نے اُٹھ کر حاتم کا استقبال کیا، تخت پر جگہ دی اور مزاج پُوچھا۔

حاتم نے اپنے سفر کا حال بتایا اور کنویں پر جو کچھ دیکھا تھا وہ سب بھی سُنایا۔ پھر اس نوجوان سے کہا "اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کنویں میں کُودنے والا نوجوان تُو ہی ہے یا کوئی اور؟"

نوجوان نے کہا "ہاں میں ہی وہی شخص ہوں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میں

اُس کنوئیں پر آنکلا۔ اتفاق سے یہ حسینہ جو میرے برابر بیٹھی ہے مجھے نظر آ گئی۔ میں اِس کی محبت میں باولا بن گیا اور اُس کنوئیں میں چھلانگ لگا دی۔ آخر اِس باغ میں پہنچا اور اِسے پالیا۔ اب زندگی چین سے کٹ رہی ہے۔"

حاتم نے کہا "تو یہاں رنگ رلیاں منا رہا ہے اور وہاں تیرے ماں باپ کی حالت تباہ ہے۔" نوجوان نے کہا "اُن سے ملنے کی صورت صرف یہ ہے کہ یہ حسین پری اجازت دے تو جا سکتا ہوں۔" حاتم نے پری سے کہا "اللہ کے واسطے اِسے دو چار دن کے لیے اجازت دے دے۔" پری مُسکرا کر بولی "نہ اِسے کسی نے جانے سے منع کیا، نہ کوئی اِسے یہاں لایا۔ یہ خود ہی دیوانہ ہو کر چلا آیا۔"

حاتم نے نوجوان سے کہا "چل اُٹھ کھڑا ہو۔ تجھے اجازت مل گئی۔" یہ سُن کر وہ ظالم بولی "اِسے اجازت نہیں کہتے۔" حاتم نے یہ سُنا تو سر جُھکا لیا۔ پھر کہا "خدا کے واسطے تو اِس کے ماں باپ پر رحم کر۔" پری نے کہا "ہماری قوم کی یہ چال نہیں۔ یہ پھیکے چونچلے ہمیں نہیں بھاتے۔ آدم زاد بے وفا ہوتے ہیں۔ یہ جُھوٹا لیا گیا ہے۔ مجھے دل سے نہیں چاہتا۔"

جوان بولا "ٹھیک کہتی ہو۔ اپنی قسمت ہی خراب ہے۔ تمھارے لیے گھر بار چھوڑا۔ جان سے ہاتھ دھو کر کنوئیں میں گِرا۔ کیا کیا تکلیفیں اُٹھائیں۔ پھر بھی تم مجھے بے وفا کہتی ہو۔" اِس پر پری نے کہا "میں تو تیری چاہت کو اُس وقت سچ مانوں گی جب تو میرا کہنا بجا لائے۔" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ بولا "میں حاضر ہوں جو حکم ہو بجا لاؤں۔ بتاؤ۔ دیر نہ کرو۔"

پری نے اپنے خادموں کو حکم دیا "ایک کڑھاؤ میں گھی بھر کے چولھے پر چڑھاؤ۔ جب گھی کڑکڑائے تو مجھے خبر کرو۔" جب گھی کھولنے لگا تو اُس نے

نوجوان کا ہاتھ پکڑ کے کہا "کیوں جی! تم ہمیں چاہتے ہو تو اس میں کُود پڑو۔"

جوان خوشی خوشی کڑھاؤ کی طرف چلا۔ چاہتا تھا کہ آپ کو اس میں گرا دے۔ اتنے میں پری دیوانوں کی طرح دوڑ پڑی اور اُس کے گلے سے لپٹ گئی۔ بولی "آج سے میں تیری کنیز ہوں۔ اب جو تُو کہے سو کروں۔" اِس کے بعد پھر راگ رنگ کی محفلیں جمنے لگیں۔ اِسی میں ایک مہینہ اور بیت گیا۔

حاتم نے کہا "مجھے لمبے سفر پر جانا ہے۔ اب رخصت چاہتا ہوں مگر جی چاہتا ہے کہ جانے سے پہلے ایک بار تجھے تیرے ماں باپ سے مِلا دیتا۔" پری بول اُٹھی "بہت بہتر۔" پھر پریوں کو حُکم دیا "ان دونوں کو فوراً کنویں پر پہنچا آؤ۔" اُنھوں نے پلک جھپکتے دونوں کو لے جا کر کنویں پر بِٹھا دیا۔

کنویں پر لوگ جمع تھے اور ابھی تک حاتم کا انتظار کر رہے تھے۔ اِن دونوں کو دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ نوجوان کے ماں باپ دوڑ کر حاتم کے قدموں پر گر پڑے۔ دونوں خوشامد کر کے حاتم کو بھی اپنے گھر لے گئے۔ اُسے چودہ دن تک اپنے گھر مہمان رکھا۔ بڑی خاطر کی۔

پندرھویں دن حاتم ان سب سے رخصت ہو کر جنگل کی طرف چل دیا۔ ایک مُدّت کے بعد ایک بستی نظر آئی۔ شہر پناہ کے باہر ایک بُوڑھا آدمی کھڑا تھا۔ وہ حاتم کو اپنے گھر لے آیا۔ پُوچھا "اے جوان! تیرا کیا نام ہے۔ کہاں جائے گا؟" یہ بولا "حاتم نام ہے۔ حمام بادگرد کی خبر کو جاتا ہوں۔"

اُس نے سر نیچا کر لیا۔ گھڑی بھر کے بعد سر اُٹھا کے کہا "اے عزیز! پہلی بات تو یہ ہے اس کا پتہ معلوم نہیں۔ دوسرے جو وہاں جانے کا ارادہ کرے وہ پہلے اپنی جان سے ہاتھ دھو لے۔ راستے میں قطلان کے بادشاہ حارس نے چوکی بٹھائی ہے کہ جو کوئی اس حمام کو پُوچھتا ہوا آئے، پہلے اُسے

میرے پاس لاؤ۔ معلوم نہیں وہ کیوں بُلاتا ہے۔ نہ جانے جیتا چھوڑتا ہے یا مار ڈالتا ہے۔ اے جوان! اپنی جوانی پر ترس کھا۔ یہیں سے لَوٹ جا۔ وہاں کا جانا جہان سے جانا ہے۔"

حاتم نے کہا" اے نیک دل بُزرگ! تُو جو کچھ کہتا ہے، میری ہی بھلائی کے لیے کہتا ہے لیکن جو بات خدا کے واسطے ہو اُس سے پھرنا اچھا نہیں۔ تُو مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ ہاں اگر شہر قطان کا راستہ جانتا ہے تو مجھے بتا دے جو میں اپنی راہ لگوں۔"

بُزرگ نے دیکھا اس کا ارادہ اٹل ہے تو ساتھ ہو لیا اور شہر کے باہر جا کر کہا" اے مسافر! قطان کے دو راستے ہیں تُو بائیں طرف کے راستے سے سیدھا چلا جا۔ تُو کئی شہروں اور قصبوں سے گزُرے گا۔ اس کے بعد ایک پہاڑ نظر آئے گا۔ وہاں ہزاروں آفتیں اور لاکھوں بَلائیں ہیں۔ اگر تُو اُن سے بچ کر اُوپر پہنچ گیا تو ایک بہت بڑا میدان نظر آئے گا۔ اُس سے گزُرتا ہوا بائیں طرف کو چلا جائیو۔ شہر قطان میں جا پہنچے گا۔ داہنی طرف کا راستہ قریب کا ہے مگر اس میں اَن گنت آفتیں ہیں۔ اُدھر سے ہرگز نہ جائیو۔ اگر میرا کہا نہ مانے گا مصیبت میں پھنسے گا۔"

غرض حاتم اُس سے رخصت ہو کر روانہ ہوا۔ چند روز بعد ایک شہر نظر آیا۔ نقاروں کی آواز گُونج رہی تھی۔ ہر طرف ناچ رنگ تھا۔ حاتم نے لوگوں سے پُوچھا" کیا قصّہ ہے۔ کیا اِس شہر میں شادی ہے؟" کسی نے جواب دیا "اِس شہر میں یہ دستور ہے کہ سال کے آخری دن امیر غریب سب، بلکہ بادشاہ اور وزیر بھی اپنی اپنی جوان لڑکیوں کو بنا سجا کر ایک خیمے میں بٹھا دیتے ہیں۔ پھر ایک بڑا سا سانپ جنگل کی طرف سے آتا ہے اور ایک جوان کی شکل بنا کر

خیمے میں جاتا ہے۔ سب کو دیکھ کر کسی ایک کو پسند کرتا ہے اور اُسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ ہم نے ڈر کر شادی اور خوشی کا ڈھونگ رچایا ہے۔ ہر ایک کو یہی دھڑکا ہے کہ کس کی بیٹی کی موت آتی ہے۔ آج تو نقّارے بجتے دیکھتا ہے۔ کل چھاتی پیٹتے دیکھیو۔ ایک دن کی شادی اور ساری زندگی کا غم۔"

یہ کہتا سُنا کر وہ تو آہ بھر کے چُپ ہو رہا۔ حاتم نے جی میں کہا "یہ کام جن کا ہے۔ وہ سانپ نہیں۔" پھر ان سے کہا "اِس آفت کو میں اِسی رات تمھارے سر سے دفع کرتا ہوں۔" یہ سنتے ہی لوگ اُسے ہاتھوں ہاتھ بادشاہ کے پاس لے گئے اور اُس کی کہی ہوئی بات دُہرائی۔

بادشاہ نے کہا "اے جواں مرد! اگر تو کسی طرح اِس مصیبت سے نجات دلا دے تو میں اور میری ساری فوج اور رعایا تجھے اپنا بادشاہ مان لیں۔" حاتم نے کہا "تمھارا تاج اور تخت تمھیں مُبارک ہو۔ میں جو کام کرتا ہوں اللہ کے لیے کرتا ہوں۔ اگر یہ کام کروں گا تو کسی پر احسان نہ ہو گا۔"

بادشاہ نے کہا "بہت خوب۔"

پھر حاتم نے کہا "ایک کام کرنا ہو گا۔ جب وہ آئے اور کسی کی لڑکی پسند کر کے لے چلے تو لڑکی کا باپ اُس کے پاس جائے۔ کہے "صاحب! تمھیں اِس لڑکی کو لے جانے کا اختیار ہے مگر ایک بات سُن لو۔ ہمارا ایک سردار مُدت کے بعد آج آیا ہے۔ ہم اُس کی اجازت کے بغیر لڑکی کو تمھارے حوالے نہیں کر سکتے۔ اگر وہ بگڑ گیا تو ایک پَل میں جلا کے خاک کر دے گا۔" سب نے کہا "ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کریں گے۔"

بادشاہ نے تمام دن حاتم کو اپنے پاس بِٹھائے رکھا۔ شام ہوئی تو

غُل ہوا کہ سانپ آتا ہے، سانپ آتا ہے۔ حاتم بادشاہ کے خیمے سے باہر نکلا۔ دیکھا کہ ایک اژدہا آسمان سے سر لگائے چلا آتا ہے۔ ڈیل ایسا ہے کہ جو پتھر اُس کے نیچے آتا ہے پس کر سُرمہ ہو جاتا ہے۔ یکایک سانپ نزدیک آیا اور اپنی دُم سخت کر کے اِس طرح ہلائی کہ جتنے لوگ وہاں موجود تھے اَوندھے گر پڑے۔ پھر چاروں طرف دیکھا اور زمین پر لوٹ پوٹ کے ایک خوبصورت جوان بن گیا۔ بادشاہ اُسے لے کر اپنے خیمے میں آیا اور جڑاؤ تخت پر بٹھایا۔ وہ بیٹھتے ہی بولا " اپنی اپنی لڑکیاں مجھے دکھاؤ "

وہاں سے نکل کر وہ لڑکیوں کے خیمے میں گیا اور کسی کو پسند کیے بغیر باہر نکل آیا۔ بادشاہ کے خیمے میں آیا اور جہاں شہزادی بیٹھی تھی وہاں جاکر بولا " یہی مجھے پسند ہے۔ اِسے میرے حوالے کر دو "

بادشاہ نے کہا " ہمارے شہر کا ایک سردار جو ہمارے ایک بزرگ کا بیٹا ہے، وہ آج ہی واپس آیا ہے۔ اُسے بُلاتے ہیں۔ جیسا حکم وہ دے گا ویسا ہی کریں گے " اُس نے کہا " وہ آج تک کہاں تھا۔ آج کیسے آیا؟ خیر بُلاؤ "

فوراً حاتم کو بُلایا گیا۔ جوان نے اُس سے پُوچھا " تو کون ہے؟ یہاں کیوں آیا ہے؟ تو ہمارے فرماں برداروں کو بہکا کر کیوں اِس شہر کو برباد کرانا چاہتا ہے؟ "

حاتم نے کہا " جب تک میں اِس شہر میں نہ تھا، انھوں نے تیرا کہا کیا۔ اب میں اِس مُلک کا مالک ہوں۔ اب میری بات سُن۔ جو ہمارے باپ دادا کی رسمیں پُوری کرتا ہے، بیٹی اُس کو دیتے ہیں " جوان نے پُوچھا " وہ کیا ہے؟ " حاتم نے کہا " میرے پاس ایک مُہرہ ہے۔ پہلے تو وہ گھِس کر پلاتے ہیں " وہ بولا " یہ رسم ہے تو لے آ "

حاتم نے وہ مُہرہ پانی میں گھسا۔ جوان پانی لے کر پی گیا۔ اُس کا یہ اثر ہوا کہ جو جو علم اُسے یاد تھا سب بھول گیا مگر سمجھا کچھ نہیں۔ پھر ڈھٹائی سے بولا "اب کوئی رسم اور رہ گئی ہو تو اُسے پُورا کرنے کو بھی حاضر ہوں۔"

حاتم نے کہا "دوسری رسم یہ ہے کہ ایک مٹکے میں اُترو اور پھر نکل کر دکھاؤ۔" اُس نے کہا "مٹکا منگاؤ۔" حاتم نے مٹکا منگایا۔ وہ اُس میں اُتر گیا۔ حاتم نے مُنہ پر پتھر رکھ کے اسمِ اعظم پڑھنا شروع کر دیا۔ اُس کی برکت سے ڈھکنا پہاڑ سے سوا بھاری ہو گیا۔ بہت زور کیا مگر نکل نہ سکا۔ حاتم نے لوگوں سے کہا "اب اِس کو لکڑیوں میں دبا کر آگ لگا دو۔" انھوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ جن تو تھا ہی جل کر بھسم ہو گیا۔

بادشاہ اور رعایا سب نے حاتم کے گُن گائے۔ بہت بہت شُکریہ ادا کیا۔ تین دن تک مہمان رکھا۔ چوتھے دن حاتم وہاں سے رخصت ہو کر آگے بڑھا۔ چلتے چلتے ایک پہاڑ ملا۔ یہ اُس پر چڑھنے لگا۔ آخر ایک بڑا جنگل دکھائی دیا۔ حاتم برابر چلتا رہا۔ اُس سے نکلا تو ایک دوراہا نظر آیا۔ اِسے نصیحت یاد تھی۔ بائیں طرف کے راستے پر چلنے لگا۔ کچھ دُور جا کر سوچا اِس راہ سے جانا بیکار ہے۔ بہتر ہے کہ داہنی طرف چلوں۔ اللہ مدد کرے گا تو کوئی بلا میرے پاس نہ آسکے گی۔

یہ بات جی میں ٹھہرا کر اُلٹا پھرا۔ پھر داہنی طرف کے راستے پر چل دیا۔ ذرا دُور چلا تھا کہ کانٹوں بھرا جنگل ملا۔ سارے کپڑے تار تار ہو گئے۔ بدن لہولہان ہو گیا۔ بڑی مشکل سے اس جنگل سے نکلا۔ اب چھپکلیوں کا جنگل سامنے تھا۔ وہ سب اسے کھانے کو دوڑیں۔ اُن کا ڈیل ڈول ایسا تھا کہ دیکھ کے ڈر لگتا تھا۔ حاتم خوف سے کانپنے لگا۔ اتنے میں ایک بُوڑھا نُورانی

صورت کا وہاں آیا۔ کہنے لگا "اے جوان! تو نے بزرگوں کا کہنا نہ مانا۔ آخر زک اٹھائی۔" حاتم بولا "میں نے بُرا کیا۔ اپنی خطا پر نادم ہوں۔" بزرگ نے کہا "مُہرہ نکال کر زمین پر ڈال۔ یہ خود ہی غائب ہو جائیں گی۔"

حاتم نے مُہرہ جیب سے نکال کر زمین پر پھینک دیا۔ زمین پہلے زرد ہوئی، پھر سیاہ اور پھر سبز۔ آخر سُرخ ہو گئی۔ چھپکلیاں دیوانی ہو کر آپس میں لڑ مریں۔ ذرا دیر میں سب ختم ہو گئیں۔ آگے چلا تو بچھّو آدمی کی بُو پا کر دوڑ پڑے۔ کتنے تو ان میں بلّی کے برابر تھے اور کتنے لومڑی کے برابر۔ حاتم نے یہ دیکھا تو سہم کر کانپنے لگا۔ ایسا گھبرایا کہ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اِدھر اُدھر تکنے لگا۔ وہی بزرگ پھر آ پہنچا۔ ہاتھ پکڑ کے کہنے لگا "گھبرا مت۔ ہمّت سے کام لے۔ مُہرہ پھر زمین پر ڈال اور قدرت کا تماشا دیکھ۔"

حاتم نے مُہرہ زمین پر ڈالا تو وہ رنگ بدلنے لگی۔ جب لال ہوئی تو بچھّو آپس میں لڑنے لگے۔ ایک کے ڈنک سے دوسرے کا بدن پھٹ گیا۔ تین دن یہ لڑائی چلتی رہی۔ پھر جنگل صاف ہو گیا۔ چوتھے دن خدا کا شُکر ادا کیا اور مُہرہ اُٹھا کے آگے چلا۔

کئی دن کے بعد ایک بڑا سا شہر نظر آیا۔ حاتم اندر داخل ہوا۔ لوگ پُوچھنے لگے "اے جوان! تو کس راستے سے آیا۔ کیسے جیتا بچا۔ چھپکلیوں، بچھّوؤں اور ببول کے کانٹوں سے تُو کیسے بچ نکلا۔" حاتم نے جواب دیا "اِن آفتوں نے مجھے گھیرا ضرور تھا مگر اللہ کے کرم سے اب جنگل چھپکلیوں اور بچھّوؤں سے صاف ہو گیا۔ اب راستے میں کسی طرح کا ڈر نہیں۔" یہ سُن کر سوداگر بولے "اب ہم اس راستے سے آیا جایا کریں گے۔ باہر کے سوداگر بھی آیا کریں گے۔ شہر میں رونق رہا کرے گی۔"

حاتم کے کہنے سے بہت سے مسافر اسی راستے سے گئے۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو اُن کے پیچھے پیچھے ہرکارے دوڑائے کہ دیکھیں اور صحیح بات آکر بتائیں۔ اُدھر حاتم کو بُلا کے اپنے پاس رکھا اور کہا "اے مسافر! تو نے سفر کی بڑی تکلیفیں اُٹھائیں۔ کوئی دن دَم لے۔ پھر جہاں چاہے جائیو۔" لیکن مطلب یہ تھا کہ اگر تو سچا ہے تو ٹھیک ہے۔ نہیں تو سُولی چڑھا دوں گا۔ کئی نگہبان لگا دیے کہ یہ مسافر کہیں جانے نہ پائے۔

جب مسافر اور سوداگر جنگل سے صحیح سلامت نکل گئے تو ہرکارے لَوٹ آئے۔ بادشاہ سے عرض کی" جو کچھ اس مسافر نے کہا تھا سچ ہے۔ اب کوئی آفت راستے میں نہ رہی۔ بادشاہ نے چاروں طرف خبر بھجوا دی کہ اب راستے میں کوئی ڈر نہ رہا۔ جس کا جی چاہے بے کھٹکے آئے۔ اور حاتم سے معذرت کی اور کہا" اے جوان! مجھ سے خطا ہوئی۔ معاف کر۔"

حاتم نے کہا" سمجھ میں نہیں آتا آپ کس بات کی معافی مانگتے ہیں۔ میں تو جس دن سے آیا ہوں بڑے آرام سے رہ رہا ہوں۔" بادشاہ نے کہا" میں ظاہر میں سلوک کرتا تھا مگر اصل میں تو قیدی تھا۔ اگر تیری بات جھوٹ ہوتی تو شہر کے باہر سُولی دلواتا کہ پھر کوئی ایسی خبر نہ اُڑائے۔" حاتم نے کہا" یہ تو انصاف کی بات ہے کہ جھوٹے کی گردن ماردیں۔"

یہاں سے چل کر حاتم شہر قطان میں داخل ہوا اور ایک سرائے میں اُترا۔ پھر کچھ قیمتی موتی لے کر بادشاہ کے محل کو چلا۔ چوبداروں نے بادشاہ کو خبر کی کہ" ایک جوان شاہ آباد سے آیا ہے اور حاضر ہونا چاہتا ہے۔" بادشاہ نے کہا" لے آؤ۔"

چوبدار حاتم کو لے کر اندر گئے۔ حاتم جُھک کر آداب بجا لایا۔ اُس نے

قیمتی موتی بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے۔ بادشاہ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ حاتم کو کرسی پر جگہ دی۔ حال پوچھا۔ غرض بادشاہ اُس پر بہت ہی مہربان ہو گیا۔ چھ مہینے اِس طرح گزرے کہ ایک دن نہ دیکھتا تو چین نہ پڑتا۔

حاتم نے بادشاہ کو ایک دن اور خوش و خرم دیکھا تو کئی قیمتی پتھر پھر پیش کیے۔ بادشاہ نے کہا "تو بار بار کیوں نذر پیش کرتا ہے اور کیوں مجھے شرمندہ کرتا ہے۔ تجھے یہاں آئے اتنے دن ہو گئے، کبھی کسی چیز کی خواہش نہ کی۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اب تو کچھ مانگے اور میں تجھے وہ چیز بے عذر پیش کر دوں۔"

حاتم نے کہا "بادشاہ کی عمر بڑھے۔ میرے دل کی ساری آرزوئیں پوری ہو چکیں ایک باقی ہے سو مرتے دم تک نہ نکلے گی۔" بادشاہ نے کہا "ایسی کیا چیز ہے؟ اگر تو کہے تو اپنی بیٹی بھی تجھ سے بیاہ دوں۔" حاتم نے کہا "حضور کی بیٹی کو میں اپنی بہن سمجھتا ہوں۔ یہ بات نہیں لیکن ایک اور تمنا ہے۔ یہ سوچ کر عرض نہیں کرتا کہ شاید قبول نہ ہو گی۔" بادشاہ نے کہا "خدا کے واسطے جلدی کہہ ڈال۔" اُس نے کہا "آپ پورا کرنے کا وعدہ فرمائیں تو عرض کروں۔"

بادشاہ نے وعدہ کیا اور قسم کھائی تو حاتم نے عرض کیا "حمام بادگرد دیکھنے کی آرزو ہے۔ اجازت ہو تو اس کی سیر کر دوں۔" یہ سُن کر بادشاہ نے سر جھکا لیا۔ حاتم نے پوچھا "کیا بات ہے۔ آپ چپ کیوں ہو گئے؟"

بادشاہ نے سر اُٹھایا۔ بولا "اے عزیز! بھلا میں چپ کیسے نہ ہوں۔ پہلے تو میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی کو حمام بادگرد کی طرف نہ جانے دوں گا۔ تجھے وہاں جانے دوں تو میری قسم ٹوٹتی ہے۔ دوسرے یہ کہ تجھ سا جوان

جان سے جائے گا۔ تیسرے یہ کہ تجھ سے چھوٹنے کا مجھے دُکھ ہوگا لیکن یہ بھی ہے کہ تجھے اجازت نہ دوں تو اپنی بات سے پھرتا ہوں۔"

حاتم نے کہا "بس اب اجازت دیجیے۔ اللہ نے چاہا تو جلد خیریت سے لوٹوں گا۔ بات یہ ہے کہ منیر شامی برزخ سوداگر کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ سات سوالات پوچھتی تھی۔ چھ سوالوں کے جواب میں دے چکا ہوں۔ اب ایک رہ گیا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ میں حمام بادگرد کی خبر بھی لا سکوں اور حسن بانو کا بیاہ اُس شہزادے سے ہو جائے۔"

یہ بات سُن کر بادشاہ نے کہا "اے جوان! تیری ہمت پر شاباش کہ تُو نے غیروں کے لیے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا۔ خدا تیری مدد کرے۔ مگر یہ سُن لے کہ اُدھر گیا ہوا آج تک لوٹ کر نہیں آیا۔ اب یہ بھی بتا دے کہ تیرا نام کیا ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے؟"

اُس نے جواب دیا "میرا نام حاتم ہے۔ یمن کا رہنے والا ہوں۔" یہ سُنتے ہی بادشاہ اُٹھا اور حاتم کو گلے لگایا۔ پھر اُسے اپنے پاس بٹھا کر بولا "بادشاہت تیرے چہرے سے ٹپکتی ہے۔ دُنیا ہمیشہ یاد رکھے گی کہ تُو کس طرح دوسروں کے کام آتا تھا۔ آنے والے زمانے میں جب کوئی دوسروں کا دُکھ درد بٹایا کرے گا تو لوگ اُسے حاتم ثانی کہا کریں گے۔"

اِس کے بعد بادشاہ نے اپنے وزیر کو بُلا کر حکم دیا کہ "ابھی حمام بادگرد کے دربان کو ایک خط لکھو اور حاتم کے حوالے کر دو۔" اُس نے فوراً خط لکھ کر دے دیا۔ کئی آدمی حاتم کے ساتھ کیے۔ تھوڑی دُور خود بھی ساتھ آیا۔ پھر گلے مِل کر رخصت ہو گیا مگر آنکھ کے آنسو نہ تھمتے تھے۔

حاتم اُن لوگوں کے ساتھ حمام بادگرد کی طرف روانہ ہوا۔ پندرہ دن

چلنے کے بعد حمام نظر آنے لگا۔ حاتم نے پوچھا "یہ قلعہ ہے یا پہاڑ؟" انھوں نے عرض کیا "یہی حمام بادگرد کا دروازہ ہے۔"

یہ قافلہ چلتا رہا۔ ساتویں دن دروازے تک پہنچے۔ حاتم نے وہ خط دربان کو دے دیا۔ اُس نے پڑھا اور ادب سے کھڑا ہوگیا۔ بڑی عزت سے کرسی پر بٹھایا۔ تھوڑی دیر بعد حمام کے دروازے پر لے گیا۔

حاتم نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو دروازے پر لکھا تھا "یہ طِلسمات کیومرث بادشاہ کے وقت میں بنا ہے۔ اس کا نشان مُدتوں رہے گا۔ جو کوئی اِس طِلسمات میں جائے گا جیتا نہ بچے گا۔ اگر بچ گیا تو ایک باغ میں جا نکلے گا۔ وہاں طرح طرح کے پھل کھائے گا اور وہیں زندگی کے دن پورے کرے گا۔"

اِسے پڑھ کر حاتم نے سوچا کہ حمام کا سارا حال تو یہیں لکھا ہے۔ اب اندر جانا کیا ضرور ہے۔ پھر سوچا حُسن بانو نے اندر کا حال پوچھا تو کیا بتاؤں گا۔ آخر سب کو رخصت کیا اور آپ اندر داخل ہوگیا۔ مشکل سے دس قدم چلا ہوگا کہ نہ دروازہ تھا نہ دیوار۔ ایک لق و دق جنگل تھا۔ اِس کے علاوہ اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرا۔ کچھ دکھائی نہ دیا۔ چوتھے دن یہ طے کیا کہ بس ایک طرف کو چلے جاؤ۔ یہ چلتا رہا۔ ایک دن ایک آدمی کی شکل نظر آئی۔ جب نزدیک پہنچا تو اُس نے سلام کیا اور ایک آئینہ بغل سے نکال کر حاتم کے ہاتھ میں دیا۔ حاتم نے کہا "شاید تو یہاں کا حجام ہے۔ یہ بتا حمام بادگرد یہاں سے کدھر کو ہے؟"

وہ بولا "میں حمامی ہوں۔ جو یہاں آتا ہے اُسے لے جاکر حمام میں

نہلاتا ہوں۔ پھر انعام کا اُمیدوار ہوتا ہوں۔" حاتم نے کہا" بہت خوب! تو پھر چلو۔"

حاتم آگے آگے، نائی پیچھے پیچھے خوشی خوشی چلے جاتے تھے۔ جیسے ہی دونوں حمام کے اندر داخل ہوئے، دروازہ آپ سے آپ بند ہوگیا۔ آخر حجام اسے حوض پر لے گیا اور بولا" آپ اِس میں اُتریں تو میں پانی ڈالوں، مَیل چھڑاؤں۔"

حاتم حوض میں اُتر پڑا۔ حمامی نے گرم پانی کا برتن حاتم کے ہاتھ میں دیا کہ سر پر ڈال لو۔ اُس نے ڈال لیا۔ اُس نے پھر بھر کر دیا۔ حاتم نے پھر ڈال لیا۔ تیسری مرتبہ جو پانی سر پر ڈالا ایک زور کا تڑاقہ ہوا۔ حمام میں اندھیرا ہوگیا۔ ذرا دیر بعد اندھیرا دُور ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ نہ حوض ہے، نہ حجام اور نہ حمام۔ پانی سے بھرا ایک گنبد ہے جس میں یہ قید ہے۔

ایک پل نہ گزرا تھا کہ پانی پنڈلیوں تک آگیا۔ حاتم گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اِتنے میں پانی گھٹنوں سے اُوپر پہنچا۔ اُس نے گھبرا کر دیواروں سے سر ٹکرایا مگر راستہ نہ مِلا۔ اب پانی آدمی ڈُباؤ ہو رہا تھا۔ یہ تیراک تھا، تیرنے لگا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ شاید اِسی لیے اِس حمام سے لوگ نہ نکل سکے اور ڈُوب گئے۔

اِتنے میں پانی اور اُونچا ہوا۔ یہاں تک کہ گنبد سے جا لگا۔ وہیں ایک زنجیر لٹکی دِکھائی دی۔ حاتم نے دونوں ہاتھوں سے زنجیر پکڑ لی کہ ذرا تو دَم لوں۔ پھر ویسی ہی آواز آئی۔ اب جو دیکھا تو جنگل میں کھڑا ہے۔ خوش ہوا کہ طوفان سے بچا اور طلسمات سے رہائی ہوئی۔

آگے بڑھا تو ایک عالی شان عمارت جھل مِل جھل مِل کرتی نظر آئی۔

نزدیک پہنچا تو پائیں باغ دکھائی دیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ اندر چلا گیا۔ پھر کر دیکھا تو دروازہ غائب۔ بڑا گھبرایا۔ کیا کرتا ناچار آگے چلا گیا۔ ہزاروں درخت پھلوں سے لدے نظر آئے۔ یہ بھوکا تو تھا ہی توڑ توڑ کر کھانے لگا مگر جتنا کھاتا پیٹ نہ بھرتا۔

حاتم گھومتا پھرتا بارہ دری کے پاس جا پہنچا۔ وہاں عجب منظر دیکھا۔ بارہ دری کے قریب بہت سے پتھر کے آدمی ننگے کھڑے تھے۔ کہیں سے ایک طوطی نے آواز دی " اے جوان! اِدھر کیوں آیا ہے۔ شاید تیری موت تجھے کھینچ لائی ہے۔" حاتم نے سر اُٹھایا تو طوطی کا پنجرہ نظر آیا۔ اُس پر لکھا تھا :-

" اے اللہ کے بندے! اب تُو بچ کر یہاں سے نہ جا سکے گا۔ یہ طلسمات کیومرث بادشاہ کا ہے۔ ایک دن وہ شکار کھیلتا اِدھر آ نکلا تھا۔ یہاں ایک ہیرا پڑا دیکھا۔ اُٹھالیا۔ تول کر دیکھا تو تین سَو مثقال کا پایا۔ اُس نے سوچا اِسے ایسی جگہ رکھوں کہ کسی کے ہاتھ نہ لگ سکے۔ یہ بات جی میں ٹھہرا کر حمام بادگرد کا یہ طلسمات بنایا۔ اِس طوطی کو وہ ہیرا نگلا دیا اور پنجرے میں بند کر کے یہاں لٹکا دیا۔ سامنے جو ہیروں جڑی کرسی ہے اُس پر تیر کمان رکھ دیا کہ جو کوئی اِس طلسمات میں آپھنسے اور باہر نکلنے کا ارادہ کرے تو یہ تیر کمان اُٹھالے۔ اِس طوطی کے سر میں تیر مارے۔ اگر لگ گیا تو اُسی دَم اِس طلسمات سے نجات ملے اور ہیرا بھی ہاتھ آئے، نہیں تو پتھر کا ہو جائے گا۔"

یہ پڑھ کر حاتم نے بُتوں کی طرف دیکھا۔ جہاں کے تہاں کھڑے ہیں۔ ہل بھی نہیں سکتے۔ حاتم کے دل میں آیا کہیں یہی انجام نہ ہو۔ آخر کرسی کے پاس گیا۔ تیر کمان اُٹھایا اور بسم اللہ کہہ کر چھوڑ دیا۔ طوطی پھڑک کے رہ گئی۔ نشانہ چُوک گیا۔

حاتم گھٹنوں تک پتھر کا ہو گیا۔ طوطی بولی "اے جوان! جا یہ مکان تیرے قابل نہیں۔"

حاتم اُس جگہ سے اُچھل کر تیر کمان سمیت سَو قدم پیچھے جا پڑا۔ پاؤں ایسے بوجھل ہو گئے کہ اُٹھ نہ سکتے تھے۔ اپنی حالت پر آنسو آ گئے۔ سوچنے لگا کتنی تکلیفیں اُٹھا کر یہاں تک پہنچا۔ سب محنت بیکار گئی۔ اب ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مروں گا۔ اِس سے اچھا تو یہ ہے کہ ایک تیر اور چلاؤں یا تو اِس مصیبت سے چھوٹ جاؤں گا یا اَوروں کی طرح پُورا پتھر کا ہو جاؤں گا۔

یہ سوچ کر دوسرا تیر پھر مارا۔ وہ بھی نشانے پر نہ لگا۔ حاتم کمر تک پتھر کا ہو گیا۔ طوطی نے پھر وہی بات کہی "اے جوان! پرے سرک۔ یہ جگہ تیرے لائق نہیں۔"

حاتم آپ سے آپ اُچھلا اور دو سَو قدم پیچھے جا پڑا۔ اب وہ اور بُتوں کے پاس کھڑا تھا۔ زار زار رونے لگا اور کہنے لگا "مجھ سا بد نصیب بھی کوئی نہ ہو گا کہ ہر تیر اُلٹا کام کرتا ہے۔" پھر جی میں کہا "اے حاتم! اپنی موت اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ آنکھوں پر پٹّی باندھ لے۔ ایک تیر جو باقی رہ گیا ہے اُس کو بھی آزما لے۔"

اب کے حاتم نے آنکھوں پر پٹّی باندھ لی اور اللہ اکبر کہہ کے تیر چلا دیا۔ تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور طوطی کا کلیجہ چھِد گیا۔ وہ پھڑ پھڑا کے پنجرے سے باہر گر پڑی۔ اُس کے گرتے ہی زور کی آندھی آئی، گھٹا اُٹھی، بجلی کڑکنے لگی اور اندھیرا ہو گیا۔ پھر ایسے زور کا شور ہوا کہ حاتم بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

تھوڑی دیر بعد حاتم کو ہوش آیا۔ اب آندھی تھم چکی تھی، گھٹا اُتر گئی تھی اور شور بند ہو گیا تھا۔ چاروں طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ حاتم نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے چاروں طرف دیکھا۔ نہ حمام تھا، نہ باغ، نہ کرسی، نہ پنجرا اور نہ طوطی۔ ہاں ایک بڑا سا ہیرا زمین پر پڑا چمک رہا تھا اور پتھر کے بُت حاتم کے پاس کھڑے تھے۔

حاتم اُٹھا اور دَوڑ کے ہیرا اُٹھالیا۔ پھر بے اختیار سجدے میں گر پڑا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اللہ کے حکم سے وہ سب کے سب بُت آدمی ہو گئے۔ اور حیرت سے حاتم کو دیکھنے لگے۔ ایک نے آگے بڑھ کر کہا " اے جوان! تُو اِس جگہ کیونکر سلامت رہا۔ وہ باغ کدھر گیا اور حمّام کیا ہوا۔" حاتم نے سارا قصّہ سُنایا۔ وہ سب کے سب اُس کے پیروں پر گر پڑے۔ بولے " آج سے ہم سب تیرے غُلام ہیں۔" حاتم نے ان سب کو دلاسا دیا اور انھیں ساتھ لے کر شہرِ قطان کی طرف چلا۔

تھوڑی دُور چلا تھا کہ وہ دروازہ نظر آیا جس سے اندر داخل ہوا تھا۔ اُس سے باہر نکلا تو وہ لشکر بھی موجود تھا۔ دو چار دن وہاں ٹھہر کر آرام کیا۔ پھر سب کے ساتھ شہرِ قطان کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ دنوں کے سفر کے بعد شہر میں داخل ہوا۔ بادشاہ کو پتہ چلا کہ حاتم کامیاب واپس آرہا ہے تو اُس نے بڑھ کر استقبال کیا۔ بڑی محبت سے پیش آیا اور اُسے ساتھ لاکر اپنے برابر تخت پر بِٹھایا۔ حال پُوچھا۔

حاتم نے حمّام بادگرد کا حال تفصیل سے سُنایا اور وہ ہیرا نکال کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ بولا " یہ ہیرا سرکار کی نذر ہے لیکن چاہتا ہوں کہ یہ ایک بار حُسن بانو کو دکھا دوں تاکہ اُسے یقین آجائے۔ پھر یہ ہیرا آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔" بادشاہ نے کہا " ہاں یہ ہیرا تم ضرور اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

پھر حاتم نے عرض کی " یہ بیچارے جو میرے ساتھ آئے ہیں، سب پتھر کے ہو گئے تھے۔ میری درخواست ہے کہ انھیں ایک ایک گھوڑا اور سفر کا سامان عنایت ہو جو یہ لوگ آرام سے اپنے اپنے گھر پہنچ سکیں اور آپ کے

جان و مال کو دعا دیں۔"

بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ تیز چلنے والے گھوڑے اور سفر کا سامان حاضر کیا جائے۔ پھر سب کو انعام دے کر رخصت کیا۔

حاتم بھی بادشاہ سے رخصت ہو کر شاہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ کئی مہینے سفر کرنے کے بعد بڑے ٹھاٹ باٹ سے شہر میں داخل ہوا۔ ہرکاروں نے حُسن بانو کو حاتم کے آنے کی خبر دی۔ اُس نے بڑی عزّت کے ساتھ بُلوایا اور جڑاؤ کُرسی پر بٹھا کر سفر کا حال پُوچھا۔

حاتم نے بڑے جوش و خروش سے اپنے سفر کا حال سُنایا۔ وہ سُن کر ہی خوش ہو گئی۔ پھر حاتم نے ہیرا نکال کر دکھایا تب تو حُسن بانو نے سر نیچا کر لیا۔ مارے شرم کے پسینے پسینے ہو کر چُپ رہ گئی۔

حاتم نے کہا "میں اپنا وعدہ پُورا کر چُکا، اب تُو اپنا وعدہ پُورا کر۔" وہ آہستہ سے بولی "آج سے میں بھی تیری ہو چُکی۔ میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہے کر۔ اپنے پاس رکھ یا کسی اور کے سپرد کر، تجھے اختیار ہے۔" حاتم بولا "جو کچھ تُو نے کہا، میں نے کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ ساری تکلیف میں نے اپنے لیے نہیں اُٹھائی بلکہ منیر شامی شہزادے کے لیے برداشت کی ہے۔ وہ مُدّتوں سے تجھے پانے کے لیے بے قرار ہے۔ لازم ہے کہ اب تُو بھی اسے قبول کر۔"

حُسن بانو نے کہا "اب تم ہی میرے بڑے ہو۔ جو مناسب سمجھو کرو۔ اگر وہ میرا شوہر بننے کے لائق ہے تو مجھے کوئی عُذر نہیں۔" حاتم نے فوراً منیر شامی سے کہلا بھیجا کہ "پوشاک بدل کر، سج سجا کر فوراً چلے آؤ۔"

ذرا سی دیر میں وہ بن سنور کر آ پہنچا۔ ایک جڑاؤ کُرسی اُس کے لیے بھی بچھائی گئی۔ حُسن بانو نے پردے کی اوٹ سے منیر شامی کو دیکھا۔ وہ اُسے

جی سے پسند آیا۔ شرما کر اٹھی اور نیچی نظر کیے دوسرے مکان میں چلی گئی۔

دوسرے دن ایک عالی شان محل منیر شامی کو دیا گیا۔ شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سارا شہر سجایا گیا۔ ہر طرف راگ رنگ کی محفلیں جم گئیں۔ قاضی نے آکر نکاح پڑھایا۔ مُبارک سلامت ہوئی۔ حُسن بانو کی سہیلیاں آکر نوشاہ کو اندر لے گئیں، دُلہن کے پاس مسند پر بٹھایا۔ وہ بھی شادی کا جوڑا پہنے، قیمتی زیوروں سے سجی سجائی، عطر میں ڈوبی، پھولوں میں بسی بیٹھی تھی۔

شادی کی باقی رسمیں شروع ہوئیں۔ سب سے پہلے آرسی مصحف کی رسم ہوئی۔ آرسی کے آگے سے گھونگھٹ سرکایا گیا۔ دُولہا نے دُلہن کی جھلک دیکھی تو غش آگیا۔ گلاب چھڑکا گیا تو اُسے ہوش آیا۔ پھر دُلہن کو گود میں لے کر چنڈول میں سوار کیا۔ بڑی دھوم دھام سے شادیانے بجواتا دُلہن کو لے کر محل میں داخل ہوا۔ حاتم نے اپنے دوست کو گلے لگا کر مُبارک باد دی۔

دو چار دن بعد حاتم منیر شامی سے رخصت ہو کر خوش خوش یمن کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑے دنوں میں شہر کے قریب جا پہنچا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو اُس نے استقبال کے لیے وزیر کو بھیجا۔ وزیر شہزادے کو لے کر بڑے کرّ و فر کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔

باپ کو دیکھ کر حاتم اُس کے قدموں پر گر پڑا۔ اُس نے اُٹھا کر سینے سے لگا لیا اور محل میں لے گیا۔ حاتم نے جُھک کر ماں کو سلام کیا۔ اُس نے بڑھ کر بلائیں لیں، چھاتی سے لگایا اور کلیجہ ٹھنڈا کیا۔

محل میں مُبارکباد کی دُھوم مچی، شہر میں آیئن آیئن ہوئی۔ گھر گھر خوشی کے شادیانے بجے۔ بادشاہ نے ہر ایک چھوٹے بڑے کو رُتبے کے مطابق انعام دیے۔ محتاجوں کی جھولیاں سونے چاندی سے بھر دیں۔ شہزادی زرّیں پوش

مارے خوشی کے پھُولی نہ سمائی۔ ہر ایک نے خدا کا شُکر ادا کیا۔

بادشاہ دربارِ عام میں جا کر بیٹھا۔ وزیروں، امیروں اور درباریوں سے کہنے لگا "ابھی دُنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دوسروں کے لیے اپنا سُکھ چھوڑیں اور دُکھ سہیں۔ سچ یہ ہے کہ دُنیا میں وہی بھلے ہیں اور راج کرنا بھی اُنھیں کو پھبتا ہے۔" یہ کہہ کر تخت اور تاج حاتم کو سونپا۔ خود گوشہ پکڑا اور اللہ اللہ کرنے لگا۔ غرض دس برس، سات مہینے اور نو روز میں حاتم کی سَیر تمام ہوئی۔ منیر شامی کی مُراد پُوری ہوئی۔ آخر یہ رہا نہ وہ رہا۔ ایک کہانی کہنے سُننے کو باقی رہ گئی۔

حاتم طائی کا قصّہ

مرتب

نورالحسن نقوی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	1976
چھٹی طباعت	:	2010
تعداد	:	550
قیمت	:	-/18 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	339

Hatim Taee ka Qissa

Compiled by

Noor-ul-Hasan Naqvi

ISBN :978-81-7587-402-2

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025

فون نمبر: 49539000، فیکس 49539099

ای۔میل urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ www.urducouncil.nic.in

طابع: سلاسار امیجنگ سسٹمس آفسیٹ پرنٹرس، C-7/5، لارینس روڈ انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی۔110035

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آ جاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آ جاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کر سکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

1	کچھ اس کتاب کے بارے میں	7
2	قصہ کا آغاز	11
3	پہلا سوال: حاتم کا جانا اور پہلے سوال کا جواب لانا	20
4	دوسرا سوال: نیکی کر دریا میں ڈال	29
5	تیسرا سوال: حاتم کا جانا اور تیسرے سوال کا جواب لانا	50
6	چوتھا سوال: سچے کو ہمیشہ راحت ہے	62
7	پانچواں سوال: کوہ ندا کی خبر لانا	72
8	چھٹا سوال: مرغابی کے انڈے کے برابر موتی لانا	86
9	ساتواں سوال: حمام بادگرد کی خبر لانا	101

کچھ اس کتاب کے بارے میں

یہ دلچسپ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے فورٹ ولیم کالج کے لیے لکھی گئی تھی۔ کوئی پونے دو سو سال پہلے کی بات ہے کہ انگریزوں نے تجارت کے بہانے ہمارے مُلک میں قدم رکھا۔ دھیرے دھیرے مُلک کے مختلف حصوں پر ان کی حکومت قایم ہوتی گئی۔ اس لیے انگریز افسروں کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ اس دیس میں بسنے والوں کی بول چال سمجھ سکیں۔ اُس وقت مُلک کی سب سے اہم زبان اُردو تھی ــــ چنانچہ انھیں اُردو سکھانے کے لیے کلکتے میں فورٹ ولیم کالج قایم کیا گیا۔

کالج قایم ہوا تو ایک اور مشکل پیش آئی۔ اس سے پہلے اُردو اسکولوں میں پڑھائی نہ جاتی تھی۔ اس لیے کورس کی کتابیں بھی ناپید تھیں۔ اب پہلا کام یہ کرنا تھا کہ کتابیں لکھوائی جائیں۔ مُلک کے کونے کونے سے ادیبوں کو بُلا کر یہ کام انھیں سونپا گیا۔ سید حیدر بخش حیدری بھی ان ادیبوں میں شامل تھے۔ انھوں نے حاتم طائی کے فارسی قصے کو اُردو کا رُوپ دیا اور آرائشِ محفل نام رکھا۔ باغ و بہار کی طرح یہ کتاب بھی اتنی مقبول ہوئی کہ آج تک لوگ اسے پڑھتے اور لطف اٹھاتے ہیں۔ ہم نے سوچا آپ اس کی

سیر سے کیوں محروم رہیں اس لیے کہانی کو مختصر کر کے آسان زبان میں ڈھال دیا۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ اسے پسند کریں گے اور اس داستان کے دلچسپ واقعات کو برسوں نہ بھلا سکیں گے۔

حاتم اس داستان کا ہیرو ہے۔ اسے سب سے زیادہ خوشی اس وقت ہوتی ہے جب وہ کسی دوسرے کے کام آئے۔ جیالا ایسا ہے کہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے مشکل سے مشکل کام کا بیڑا اٹھا لیتا ہے۔ کہتے ہیں آدمی ہمت کرے تو خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ یہی حال حاتم کا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ قدم قدم پر حاتم کو جادوگروں، دیووں، پریوں اور طرح طرح کی بلاؤں کا سامنا ہوتا ہے۔ جگہ جگہ یہ سب پہاڑ کی طرح کھڑے ہو کر اس کا راستہ روک لیتے ہیں۔ لیکن حاتم کے فولادی ارادوں کے آگے رُوئی کے گالوں کی طرح اڑ جاتے ہیں۔ اور آخر کار وہ اپنی تمام مہموں میں کامیاب ہوتا ہے۔ سچ ہے ہمت نہ ہارو تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

داستان کے بارے میں آپ جانتے ہی ہیں کہ ایک قصے میں سے دوسرا قصہ نکلتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ حاتم ایک سوال کا جواب لانے کے لیے نکلتا ہے لیکن اس کے جواب سے پہلے دوسرے بہت سے سوالوں کا جواب لانا لازمی ہو جاتا ہے۔ کتنی جگہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک کہانی ختم نہیں ہو پاتی کہ دوسری کہانی بیچ میں آجاتی ہے۔

داستان میں ایسے بہت سے واقعات بھی نظر آتے ہیں جو ہمیں آپ کو روزمرہ کی زندگی میں دیکھنے کو نہیں ملتے۔ مثلاً حاتم کو ایک ریچھنی سے شادی کرنی پڑتی ہے۔ حاتم جانوروں اور پرندوں کی زبان سمجھتا ہے اور وہ حاتم کی۔ جن، پریاں اور دیو ان سب سے ہماری ملاقات بس داستانوں ہی

میں ہوتی ہے۔ ان باتوں سے ایک فائدہ تو ضرور ہوتا ہے۔ ہمارا تخیّل پر لگا کر اڑنے لگتا ہے۔ حاتم آسمانوں کی سیر کرتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ اُڑن کھٹولے پر حاتم نہیں ہم خود سوار ہیں۔

داستانوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں جیت ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔ ہیرو کیسی ہی مشکلات میں پھنس جائے ہمیں یقین ہوتا ہے کہ وہ ان سب پر قابو پالے گا۔ اگر وہ کنویں میں قید کر دیا گیا ہے تو ضرور کوئی اللہ کا بندہ پانی بھرنے آئے گا اور اسے نجات دلا دے گا۔ اگر وہ راستہ بھٹک گیا ہے تو حضرت خضرؑ تشریف لائیں گے اور اس کی رہنمائی کریں گے۔ اگر اسے کھولتے تیل کے کڑھاؤ میں ڈال دیا جاتا ہے تو مُہرے کی مدد سے اس کا بال بیکا نہیں ہوتا۔ غرض ہر جگہ فتح اس کے قدم چومتی ہے اور قدرت ہمیشہ اس کا ساتھ دیتی ہے۔

'حاتم طائی کا قصہ' پڑھنے کے بعد مناسب ہوگا کہ آپ اور داستانوں کا مطالعہ بھی کریں۔ جب آپ اُردو کی ان اہم داستانوں سے لطف اندوز ہو چکیں گے تو پھر ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ داستان کی جگہ ناول نے کیوں لے لی اور پھر ہم چند اہم ناولوں کا مطالعہ کریں گے۔ اس طرح اُردو کے افسانوی ادب کے متعلق خاص معلومات حاصل ہو سکے گی۔

نورالحسن نقوی

قصّہ کا آغاز

بڑی پرانی بات ہے کہ یمن میں طے نام کا ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کی شادی اپنے چچا کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اللہ کے کرم سے ان کے گھر ایک چاند سا بیٹا پیدا ہوا۔ اس کی خوبصورتی کے چرچے دُور دُور ہوئے۔ بادشاہ نے اس کی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لیے بہت سے نجومیوں کو بلوایا اور کہا کہ اپنا اپنا حساب دیکھ کر بتاؤ کہ اس کے نصیب میں کیا لکھا ہے۔ سب نے سوچ بچار کرکے بتایا کہ "شہزادہ بڑا قسمت والا ہے۔ اس کی حکومت دور تک پھیلے گی، جب تک جیے گا دوسروں کی بھلائی کے کام کرے گا۔ اس لیے رہتی دُنیا تک اس کا نام روشن رہے گا۔" بادشاہ یہ سُن کر باغ باغ ہوگیا۔ دَھن دولت سے سب کی گود بھر دی۔ بیٹے کا نام حاتم رکھا۔ سارے مُلک کے غریب غربا کو مالا مال کر دیا۔ ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ آج کے دن سارے مُلک میں جتنے بچّے پیدا ہوں وہ محل میں پہنچا دیے جائیں۔ ان سب کی پرورش بادشاہ کے سایے میں ہوگی۔ اس دن پورے مُلک میں چھ ہزار لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ وہ سب محل میں پہنچا دیے گئے۔ ہر ایک کے لیے ایک دائی کھلائی مقرّر کر دی گئی۔ حاتم کے لیے چار دائیاں نوکر رکھی گئیں۔

اب ایک عجیب بات ہوئی۔ دائیوں کھلائیوں نے بڑی کوشش کی مگر حاتم نے کسی طرح دودھ نہ پیا۔ سب پریشان ہو گئے۔ بادشاہ نے گھبرا کر نجومیوں، پنڈتوں، سیانوں کو پھر بُلایا۔ سب نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا "جہاں پناہ! حاتم کی سخاوت کے ڈنکے دُنیا میں بجیں گے۔ جب تک جیے گا پہلے اوروں کو کھلائے گا تب خود لقمہ توڑے گا۔ ابھی سے یہ حال ہے کہ جب تک سب بچے دودھ نہ پی لیں یہ دودھ نہ پیے گا"۔ یہی ہوا جب تمام بچوں نے دودھ پی لیا تو اس نے بھی پیا۔ بڑا ہو گیا تب بھی یہی رہا کہ دوسروں کی بھلائی کے لیے کوشش کرتا رہا۔

شکار کا شوق بچپن سے تھا مگر جس جانور کو پکڑتا جیتا چھوڑ دیتا۔ ایک دن شکار کو گیا۔ ایک شیر غراتا ہوا سامنے آیا۔ حاتم عجب اُلجھن میں پڑ گیا۔ مارتا ہے تو مفت میں شیر کی جان جاتی ہے۔ نہیں مارتا تو اپنی جان جوکھوں میں پڑتی ہے۔ آخر یہی طے کیا کہ اُس کی جان مت لو بلکہ خود اس کے مُنہ کا نوالہ بن جاؤ۔ یہ سوچ کر اس کے پاس گیا اور بولا کہ "لے میرا اور میرے گھوڑے کا گوشت حاضر ہے۔ اپنا پیٹ بھر اور جدھر جی چاہے چلا جا"۔ یہ سُننا تھا کہ شیر حاتم کے قدموں پر لوٹنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد اسی طرف چلا گیا جدھر سے آیا تھا۔

انھیں دنوں کی بات ہے کہ خراسان میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اسی مُلک میں ایک سوداگر رہتا تھا۔ اس کا نام برزخ تھا۔ اُس کے پاس بے شمار دولت تھی۔ اس کے ایک بیٹی تھی جس کا نام حُسن بانو تھا۔ بچی ابھی صرف بارہ برس کی تھی کہ سوداگر کی موت کا وقت آ پہنچا۔ اُس نے اپنی بیٹی بادشاہ کو سونپی اور اس دُنیا سے رخصت ہوا۔ حُسن بانو کی پرورش ہوتی رہی۔

جب وہ بڑی ہوگئی تو بادشاہ نے اس کی ساری دولت اس کے حوالے کر دی۔ حُسن بانو دل کی بڑی نیک تھی۔ اس نے سوچا میں اتنی دولت لے کر کیا کروں گی۔ کیوں نہ اسے اللہ کے راستے میں لُٹا دوں اور اپنی زندگی اس کی یاد میں بسر کر دوں۔ اس نے اپنی دائی سے صلاح مشورہ کیا۔ اس بوڑھی عورت نے دُنیا دیکھی تھی۔ بولی "ابھی تمھاری عمر ہی کیا ہے۔ دُنیا میں آکر ابھی تم نے کچھ بھی تو نہیں دیکھا۔ اللہ اللہ کرنے کو تو عمر پڑی ہے۔ ابھی دُنیا سے مُنہ نہ موڑو۔ زندگی بتانے کے لیے کسی اچھے ساتھی کی تلاش کرو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دروازے پر سات سوال لکھ کر لگا دو۔ جو ان سوالوں کے جواب لا دے سمجھو کہ وہ بہادر اور تمھارا جیون ساتھی بننے کے لائق ہے۔ اس سے شادی کر لو اور ہنسی خوشی زندگی کے دن بسر کرو۔"

دائی کی بات حُسن بانو کے دل پر اثر کر گئی۔ سات سوال لکھوا کر اپنے دروازے پر لٹکا دیے اور انتظار کرنے لگی کہ کوئی جواں مرد ان سوالوں کے جواب ڈھونڈ کر لائے۔ یہ انتظار بھی تھا اور خدا کی عبادت بھی جاری تھی۔ خالی وقت پاتی تو کوٹھے پر جا بیٹھتی اور بازار کا تماشا دیکھتی رہتی۔ ایک دن دیکھا کہ ایک بُزرگ صورت فقیر بازار سے گزر رہا ہے۔ بڑا نورانی چہرہ ہے۔ چالیس خادم آگے پیچھے ہیں جن کے ہاتھوں میں چاندی سونے کی اینٹیں ہیں۔ باری باری وہ اینٹیں زمین پر رکھتے جاتے ہیں اور فقیر ان پر پاؤں رکھ رکھ کر آگے بڑھتا جاتا ہے۔ خادم اسے زمین پر پاؤں نہیں رکھنے دیتے۔ حُسن بانو بڑی حیران ہوئی۔ اپنی دائی کو بُلا کر یہ تماشا دکھایا۔ اس نے کہا "بیٹی! یہ بُزرگ بادشاہ کا پیر ہے۔ اُس کا کمال دُور دُور تک مشہور ہے۔ حُسن بانو نے دل میں اس سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ فقیر کے پاس اپنے آدمی کو بھیجا

اور کہلایا کہ "اپنے مبارک قدموں سے میرے گھر کی عزت بڑھائیں"۔ اس نے دعوت قبول کرلی اور اگلے دن اسی شان سے چاندی سونے کی اینٹوں پر قدم رکھتا ہوا اپنے چالیس نوکروں کے ساتھ حسن بانو کی حویلی میں داخل ہوا۔

ادھر حسن بانو نے بھی دعوت کا ایسا شاندار انتظام کیا تھا کہ اچھے اچھے بادشاہوں سے نہ بن پڑے۔ قیمتی فرش جس میں سونے چاندی کے تار پڑے تھے، دروازے سے مسند تک بچھا تھا۔ فقیر کو پیش کرنے کے لیے ہیرے جواہرات تھالیوں میں سجے تھے۔ سونے چاندی کے برتنوں میں طرح طرح کے میوے، پھل، مٹھائیاں اور کھانے رکھے تھے، ہاتھ دھونے کے لیے قیمتی سلفچیاں اور لوٹے حاضر تھے۔ یہ قیمتی ساز و سامان دیکھا تو شاہ صاحب کے منہ میں پانی بھر آیا۔ دو چار لقمے کھا کر ہاتھ کھینچ لیا اور حسن بانو کو دعائیں دے کر رخصت ہو گئے۔ ہونٹوں پر دعائیں تھیں مگر دل میں کھوٹ تھی، نیت خراب ہوئی۔ ہمیشہ کے مکار اور دھوکے باز تھے۔ رات کو بھیس بدل کر انھیں چالیس چوروں کے ساتھ آئے اور حسن بانو کا قیمتی سامان لوٹ کر لے گئے۔

حسن بانو بڑی سمجھ دار تھی۔ اس نے ان حضرت کو پہچان تو لیا مگر چپ رہی۔ صبح کو فریاد لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ وہ سن کر اُلٹا ناراض ہوا۔ بولا "ایسے نیک بزرگ پر الزام رکھتے ہوئے تم کو شرم نہیں آتی"۔ غرض بادشاہ کا غصہ اتنا بڑھا کہ اس بے قصور لڑکی کی ساری جائیداد اور سارا مال ضبط کرلیا اور اسے شہر سے باہر نکال دیا۔ یہ بے سہارا لڑکی اپنی بوڑھی دائی کو ساتھ لے کر سنسان جنگل میں جا پڑی جہاں نہ کوئی مددگار تھا نہ ہمدرد۔

بہت دنوں دونوں جنگل میں مارے مارے پھرتے رہے۔ حُسن بانو ایک دن تھکی ہاری ایک درخت کے نیچے بیٹھی تھی۔ آنکھ جھپک گئی۔ عجب خواب دیکھا۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک بُزرگ سبز لباس پہنے سامنے کھڑے ہیں۔ انھوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا "بیٹی! غم نہ کر، مایوس نہ ہو۔ اللہ کی مدد تیرے ساتھ ہے۔ جس درخت کے سایے میں تُو سو رہی ہے اسی کے نیچے سات بادشاہتوں کا خزانہ گڑا ہے۔ اللہ نے اسے تیرے لیے ہی محفوظ رکھا ہے۔ خوشی خوشی اُٹھ اور اس بے حساب دولت کو اپنے خرچ میں لا۔"

حُسن بانو کی آنکھ کھل گئی۔ پورا خواب بُوڑھی دائی کو سُنایا۔ دونوں نے مل کر زمین کھودی تو اتنی دولت نکلی کہ اندازہ لگانا مشکل ہے۔ خدا کا شکر ادا کیا اور خزانے کو وہیں چھپا رہنے دیا۔ پھر اسی جنگل میں ایک شاندار محل بنوایا۔ حُسن بانو کے تباہ ہونے سے اس کے عزیز اور رشتے دار بھی اُجڑ گئے تھے۔ سب در در کی ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ ان سب کو بُلا کر بھی یہیں رکھ لیا۔ سب اپنی اپنی پریشانیوں کو بھُول کر ہنسی خوشی رہنے لگے۔

کچھ دنوں بعد حُسن بانو کو اور ہی سُوجھی۔ ایک دن سوداگر کا بھیس بدلا بہت سے تحفے تحائف ساتھ لیے اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کی کہ "جہاں پناہ! میں ایک سوداگر کا بیٹا ہوں۔ میں اور میرا باپ فلاں شہر سے مال لے کر حضور کے شہر کی طرف آ رہے تھے۔ راستے میں والد کا انتقال ہو گیا۔ جنگل میں جس جگہ ان کا انتقال ہوا ہے، جی چاہتا ہے کہ وہاں ایک شہر بساؤں۔ حضور کے نام پر اس کا نام شاہ آباد رکھوں۔" بادشاہ یہ سُن کر بہت خوش ہوا۔ فوراً شہر بسانے کی اجازت دے دی اور سوداگر

کے بیٹے کا نام ماہ رُوشاہ رکھا۔

اِدھر اجازت ملی اُدھر شہر بننا شروع ہوگیا۔ حُسن بانو ماہ روشاہ کے بھیس میں برابر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتی رہتی تھی۔ اس کے سامنے ایک دن پیر صاحب بادشاہ سے ملنے آئے۔ بادشاہ اور درباری سب ادب سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ شاہ صاحب کو مسند پر جگہ دی گئی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں شروع ہوئیں تو بادشاہ نے ماہ روشاہ کی ملاقات شاہ صاحب سے کرادی۔ ظاہر میں وہ ان سے مل کر بہت خوش ہوا اور درخواست کی کہ کسی دن تشریف لاکر میرے گھر کی عزت بڑھایئے۔ انھوں نے دعوت قبول کرلی۔ دن بھی طے ہوگیا۔ ماہ روشاہ نے ایک دن کے لیے برزخ سوداگر کی وہ حویلی مانگی جس میں شاہ جی اپنے کرتب دکھا چکے تھے۔ بادشاہ اس سے اتنا خوش تھا کہ وہ حویلی ہمیشہ کے لیے بخش دی۔ ماہ روشاہ نے مرمت کراکے حویلی کو خوب سجایا اور دعوت کا انتظام پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر کیا۔ شاہ صاحب نے قیمتی سامان دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ جی میں کہنے لگے ذرا سی دیر ہے پھر یہ سارا سامان اپنا ہے۔ جلدی سے تھوڑا سا کھانا کھا کر رخصت ہو گئے۔

حُسن بانو نے ساری بات پہلے ہی سے سوچ رکھی تھی۔ نوکروں کو چوکنا کر دیا تھا۔ شہر کے کوتوال کو خبر کرا دی تھی کہ آج رات میرے گھر میں ڈاکہ پڑنے کا ڈر ہے۔ اس نے جگہ جگہ سپاہیوں کو مقرر کر دیا۔ کچھ کو حویلی میں چھپا دیا۔ آدھی رات ڈھلی تھی کہ شاہ صاحب اور ان کے ساتھیوں نے چھاپہ مارا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ قیمتی سامان گٹھریوں میں باندھ لیا اور چلنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اتنے میں سپاہیوں نے گھیرا

ڈال لیا اور سب کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ لیا۔
صبح کو شادی اور ان کے ساتھی بادشاہ کے سامنے پیش کیے گئے۔ آخر ڈھول کا پول کھل کے رہا۔ سب کو لمبی لمبی سزائیں ہوئیں۔ بادشاہ اور سارے درباری افسوس کرنے لگے کہ برزخ کی بیٹی کو جھوٹا سمجھے اور بے گناہ کو شہر سے نکال دیا۔ حسن بانو ماہ رو شاہ کے لباس میں وہاں موجود تھی۔ بادشاہ کے قدموں پر گر پڑی اور اپنا سارا حال سُنایا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اپنے کیے پر بہت پچھتایا۔ حسن بانو نے کہا "اللہ نے مجھے بڑی دولت دی ہے مگر وہ میرے کس کام کی۔ میں تو روکھی سوکھی روٹی کھا کر سادہ زندگی گزارنا چاہتی ہوں اور اللہ کی یاد میں مشغول رہنے کی خواہش رکھتی ہوں اور یہ دولت بھی آپ کو نذر کرنا چاہتی ہوں۔" بادشاہ نے کہا "جو تمہاری مرضی" مگر شاہی آدمی جیسے ہی خزانے کے پاس پہنچے، اشرفیاں اور سونا چاندی سانپ بچھو بن کر ان کی طرف دوڑے۔ بادشاہ نے کہا "بیٹی! اللہ کی مرضی یہ ہے کہ تم عیش آرام کی زندگی گزارو اور اس خزانے کو اپنے خرچ میں لاؤ۔"
بادشاہ تو یہ مشورہ دے کر حکومت کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ حسن بانو نے ساری دولت اللہ کی راہ میں لُٹانی شروع کر دی۔ جو مسافر اُدھر سے گزرتا اس کی خاطر اور مہمانداری ہوتی۔ جب وہ جانے لگتا تو اسے دولت سے لاد دیا جاتا۔ حسن بانو کی سخاوت کا چرچا دُور دُور ہوا۔ بڑی بڑی دُور سے لوگ آتے۔ جو کچھ سُنا تھا اس سے زیادہ ہی پاتے۔ لوٹ کر جاتے تو اس کی سخاوت کے گُن گاتے۔ ہوتے ہوتے اس کی شہرت شہر خوارزم تک پہنچی۔ یہاں کے بادشاہ کے ایک بیٹا تھا۔ اس کا نام

منیر شامی تھا۔ اس نے حُسن بانو کی خوبصورتی اور سخاوت کا حال سُنا تو بِن دیکھے اس سے محبت کرنے لگا۔ فقیر کا بھیس بنایا اور ماں باپ سے چُھپ چُھپا کر شاہ آباد کی طرف چل نکلا۔ آخر بڑی تکلیفیں اُٹھا کر وہاں تک پہنچا اور سرائے میں ٹھہرا۔ کھانا پیش کیا گیا تو انکار کر دیا۔ حُسن بانو نے خود بُلا کر سبب پُوچھا اور کہا "جس چیز کی ضرورت ہو لے، کھا پی کسی بات کا غم نہ کر۔" شہزادے نے جواب دیا "اے شہزادی! میں خود شہزادہ ہوں اور ایک بڑے مُلک کا وارث ہوں۔ مال و دولت کی مجھے ضرورت نہیں۔ تمھاری خاطر یہ بھیس بنایا ہے۔ تمھارے شہر میں یہ آرزو لے کر آیا ہوں کہ تم مجھے اپنا لو۔"

حُسن بانو نے جواب دیا "ہمیں تمھارے حال سے ہمدردی ہے مگر کیا کریں۔ ہم نے یہ طے کیا ہے کہ شادی اُس سے کریں گے جو ہمارے سات سوالوں کا جواب لا دے۔ اگر تم ایسا کر دو گے تو میں تمھاری لونڈی بن جاؤں گی۔" شہزادہ یہ سُن کر بڑا مایوس ہوا۔ پھر سوچا اس سے کیا ملے گا۔ آخر حُسن بانو سے سوال پُوچھے۔ اُس نے کہا "کوئی شخص برابر یہ کہتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے۔ دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے۔ بتاؤ یہ کون ہے، کہاں ہے اور یہ بات کیوں کہتا ہے؟"

شہزادہ سخت پریشان ہوا۔ سمجھ میں نہ آیا کہ اُس سوال کا جواب کہاں سے ڈھونڈ کر لائے۔ حُسن بانو سے ایک سال کی مہلت لے کر روانہ ہوا۔ جہاں جاتا لوگ سمجھاتے کہ اس چکر میں نہ پڑ۔ کتنے شہزادے اس سوال کی کھوج میں نکلے اور مفت میں جان گنوائی۔ منیر شامی دُھن کا پکّا تھا۔ اُس نے کسی کی نہ سُنی۔ شہر شہر جنگل جنگل مارا مارا پھرتا رہا۔ ایک دن

اتفاق سے ایک جنگل میں جا نکلا۔ وہاں حاتم سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ایک خوبصورت جوان کی بری حالت دیکھی تو سبب پوچھا۔ منیر شامی نے اپنی دُکھ بھری کہانی کہہ سنائی۔ حاتم نے دلاسا دیا اور کہا "اللہ کی مہربانی سے مایوس نہ ہو۔ اُس نے چاہا تو تیرے دل کی مُراد پوری ہو گی"

حاتم کی بات سے شہزادے کو تسلی ہوئی۔ حاتم اسے لے کر حُسن بانو کے پاس پہنچا اور کہا "یہ شہزادہ میرا دوست ہے۔ تمھاری محبت میں گرفتار ہے۔ میں اسے تمھارے سپرد کرتا ہوں اور خود تمھارے سوال کا جواب لینے جاتا ہوں۔ جب تک نہ لوٹوں اس کا خیال رکھنا" یہ کہہ کر حاتم تو رخصت ہوا اور منیر شامی سرائے میں ٹھہر کر حاتم کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

پہلا سوال

حاتم کا جانا اور پہلے سوال کا جواب لانا

منیر شامی کی مدد کے لیے حاتم گھر سے نکل تو کھڑا ہوا مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جائے۔ اسی اُلجھن میں جنگل جنگل مارا پھرتا تھا اور اللہ سے دعا کرتا تھا کہ کسی طرح منیر شامی کی مشکل آسان کر دے۔ ایک دن جنگل میں دیکھا کہ ایک ہرنی چر رہی ہے۔ پاس ہی ایک بھیڑیا تاک میں بیٹھا ہے۔ قریب تھا کہ اسے دبوچ لے۔ حاتم دوڑ کر قریب پہنچا اور للکار کر کہا "او نابکار! اس معصوم بچوں والی کی جان کیوں لیتا ہے؟" بھیڑیا یہ آواز سُن کر رُک گیا اور کہا "یقیناً تُو حاتم ہے جو تجھے ہرنی پر اتنا رحم آیا۔" حاتم نے پُوچھا "تُو نے کیسے پہچانا؟" اس نے جواب دیا "حاتم کے سوا کون ہے جو بے زبان جانوروں پر ترس کھائے۔ مگر اتنا سوچ کہ میں اسے نہ کھاؤں تو اپنا پیٹ کس طرح بھروں؟" حاتم نے کہا "سچ ہے، تیرا پیٹ تو بھرنا ہی چاہیے۔" یہ کہہ کر نیام سے تلوار نکالی اور اپنی ران سے گوشت کا ایک پارچہ کاٹ کر اُس کے آگے ڈال دیا۔ بھیڑیے نے پیٹ بھر کے جنگل کا راستہ لیا۔ ہرنی نے بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں حاتم کا شکریہ ادا کیا۔ حاتم بھی ایک طرف کو چل نکلا لیکن ران کا زخم چلنے نہ دیتا تھا۔ ناچار ایک درخت کے نیچے پڑ رہا۔ زخم کی تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ایک گیدڑ

اور اس کی مادہ اُدھر سے گزرے۔ مادہ نے پوچھا "یہ آدم زاد کون ہے اور اِسے کیا تکلیف ہے جو اسے چین لینے نہیں دیتی۔" گیدڑ نے کہا "میں نے اپنے بزرگوں سے جو کچھ سُنا ہے اس کے حساب سے یہ نوجوان حاتم دکھائی دیتا ہے۔" مادہ نے کہا "مجھے اس کا کچھ اور حال بتاؤ۔" گیدڑ نے حاتم کی سخاوت اور بہادری کا حال سُنایا۔ بھیڑیے اور ہرنی کا قصّہ بھی سُنایا۔ مادہ نے کہا "کاش ہم اس کی کچھ مدد کر سکتے۔" گیدڑ نے کہا "ماژندران کے جنگل میں ایک جانور ہے۔ اُس کے سر کا بھیجا اس کے زخم کو فوراً اچھا کر دے گا۔ تم اس کی دیکھ بھال کرو میں ایک ہفتے کے اندر اُس کا بھیجا لے کر آتا ہوں۔"

گیدڑ رخصت ہو کر ماژندران کی طرف چلا۔ آٹھ دن مادہ حاتم کی دیکھ بھال کرتی رہی۔ آٹھویں دن گیدڑ بھیجا لے کر آیا۔ زخم پر رکھا تو فوراً بھر گیا اور حاتم اُٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں کا شکریہ ادا کیا اور بولا کہ "تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ اگر تم مجھ سے کوئی خدمت لو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔" گیدڑ نے کہا "اے حاتم! دُنیا بھر پر تیرے احسان ہیں۔ ایک احسان مجھ پر بھی کر۔ یہاں سے تھوڑی دُور پر ایک بھیڑیا رہتا ہے۔ ہر سال ہمارے بچوں کو کھا جاتا ہے۔ اس کا کچھ علاج کر۔" حاتم نے کہا "تم اُس کا پتہ بتاؤ۔ میں کوشش کرتا ہوں۔ آگے اللہ مالک ہے۔"

بھیڑیے کا پتہ پوچھ کر حاتم اس کے گھر پہنچا۔ بہت سمجھایا کہ اپنی اس حرکت سے باز آ جا۔ مگر وہ بدزبان غرّانے لگا اور حاتم سے بولا "تو میرے معاملے میں دخل مت دے ورنہ تیرا بھی وہی حشر کروں گا جو گیدڑ کے بچوں کا کیا۔" یہ سُن کر حاتم کو طیش آ گیا اور اُس سے اُلجھ پڑا۔ دونوں

گُم سُم ہو گئے۔ آخر حاتم نے اُس کی گردن دبوچ لی اور پچھاڑ کر خنجر سے اُس کے سارے دانت اور ناخن توڑ ڈالے۔ یہ دُرگت بن گئی تو بھیڑیا حاتم کے پیروں پر گر پڑا اور رو رو کر کہنے لگا "اے نوجوان! تُو نے یہ کیا کیا۔ اب میں شکار کیسے کروں گا اور اپنا پیٹ کیسے بھروں گا؟" یہ دیکھ کر حاتم کو ترس آیا اور اپنے کیے پر پچھتانے لگا۔ گیدڑ پاس ہی کھڑا تھا۔ اس نے کہا "اے حاتم! تُو نے میرے اُوپر بڑا احسان کیا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جیتے جی اس بھیڑیے کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔ اپنے کھانے سے پہلے اسے کھانا پہنچاؤں گا اور پُوری طرح اس کی دیکھ بھال کروں گا۔" یہ سُن کر حاتم کو اطمینان ہوا اور وہ بھیڑیے کو تسلّی دے کر گیدڑ کے ساتھ واپس چلا آیا۔

راستے میں گیدڑ نے حاتم کو بتایا "میں جانتا ہوں، حاتم! تُو کس کام سے گھر بار چھوڑ کر جنگلوں کی خاک چھانتا پھر رہا ہے۔ میں نے اپنے بڑوں سے سُن رکھا ہے کہ وہ آواز جس کی تجھے تلاش ہے دشتِ ہویدا سے آتی ہے اور وہ جنگل یہاں سے بہت دُور ہے۔ اُس کے دو راستے ہیں۔ ایک دُور کا، دوسرا پاس کا۔ پاس کا راستہ خطروں سے بھرا پڑا ہے۔ دُور کے راستے میں خطرے کم ہیں۔"

حاتم اس سے رخصت ہو کر آگے چلا۔ چلتے چلتے ایک چوراہا دکھائی دیا۔ یہ وہاں کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ اب کدھر جاؤں۔ اتنے میں چاروں طرف سے ریچھوں نے گھیر لیا۔ یہ بستی ریچھوں ہی کی تھی۔ وہ اسے پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اپنے پاس بٹھایا اور کہنے لگا "اپنا حال کہو تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو اور کیا نام ہے؟ ہمیں تو

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم یمن کے شہزادے ہو اور تمھارا نام حاتم ہے۔" حاتم نے جواب دیا "سچ کہتے ہو۔ میں طے کا بیٹا حاتم ہوں۔"

اُس نے کہا "تمھارے آنے سے میرا بڑا کام بنا۔ اس جنگل میں کوئی اس قابل نہ تھا جس سے میں اپنی بیٹی کی شادی کر سکوں۔ اب میں تجھے اپنا داماد بناؤں گا۔" حاتم بہت گھبرایا کہ یہ مصیبت کیسے ٹلے گی۔ اُس نے شادی سے انکار کر دیا۔ اس پر ریچھوں کے بادشاہ کو بہت غصہ آیا اُس نے حاتم کو غار میں ڈلوا دیا اور غار کا مُنہ پتھر سے بند کر دیا۔ حاتم کئی دن تک بھوکا پیاسا قید میں رہا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ سرہانے کھڑا ہے اور کہتا ہے "اے حاتم! تو خواہ مخواہ کیوں اپنی جان گنواتا ہے۔ جب تک تو یہ شادی منظور نہ کرے گا قید سے نہ چھوٹے گا۔ اس شادی میں ہی تیری بھلائی ہے۔" یہ کہہ کر بزرگ رخصت ہو گئے اور حاتم چونک کر اُٹھ بیٹھا۔

اتنے میں بادشاہ نے حاتم کو بلوایا اور پوچھا کہ بول اب کیا کہتا ہے؟ حاتم رضامند ہو گیا۔ بادشاہ نے سب امیروں وزیروں کو جمع کیا اور بڑی دھوم دھام سے شادی کی۔ حاتم نے دو تین مہینے یہاں گزارے۔ آخر ایک دن اپنی بیوی سے بولا "آج میرا حال سنو۔ میں ایک کام کے واسطے اپنے شہر سے نکلا تھا۔ تیرے باپ نے زبردستی میرا بیاہ کر دیا۔ اگر تم دونوں خوشی سے مجھے کچھ دنوں کے لیے اجازت دے دو تو میں وہ کام کر آؤں۔"

یہ سُنتے ہی وہ دوڑی دوڑی اپنے باپ کے پاس گئی اور حاتم کی سفارش کی۔ وہ بھی رضامند ہو گیا۔ دربار میں بُلا کر عزت کے ساتھ حاتم کو رخصت کیا۔ اُس کی بیٹی نے ایک مہرہ پگڑی میں باندھ دیا اور سمجھا دیا کہ یہ قدم قدم پر تیرے کام آئے گا۔ اس طرح وہ ان دونوں سے رخصت ہو کر آگے چلا۔

ایک مدّت کے بعد کسی پہاڑ پر جا پہنچا۔ یہاں میووں سے لدے ہرے بھرے درخت کوسوں تک لہلہاتے تھے۔ بڑی خوشگوار جگہ تھی۔ ذرا دیر کو ستانے کے لیے لیٹ رہا۔ تھکا ہارا تو تھا ہی۔ لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر میں باغ کا مالک وہاں آ پہنچا۔ حاتم کی آنکھ کھُلی تو اُسے سامنے کھڑا پایا۔ فوراً اُٹھا اور جُھک کر سلام کیا۔ اس نے محبت سے پُوچھا "اے مہمان! تُو کون ہے اور کہاں جائے گا؟" حاتم نے جواب دیا "میں دشتِ ہویدا کو جاؤں گا۔" اس نے نرمی سے کہا "اے جوان! اس خیال کو دل سے نکال دے۔ وہاں جا کر آج تک کون واپس آیا ہے؟"

حاتم نے کہا "میں اپنی کسی مُراد کے لیے وہاں نہیں جاتا۔ میں نے اللہ کے راستے میں کسی اور کی مدد کرنے کے لیے کمر کَسی ہے۔" اس نے جواب دیا "میں سمجھ گیا تُو یقیناً حاتم ہے۔ کیونکہ اس کے سوا اس زمانے میں کون ہے جو کسی دوسرے کے لیے اپنی جان مصیبت میں ڈالے۔ خیر فکر مت کر جو دوسروں کی مدد کرتے ہیں اللہ ان کی مدد کرتا ہے۔ لیکن میں اتنا بتا دوں کہ جو دشتِ ہویدا کی طرف گیا وہ پھر لَوٹ کر نہ آیا اور جو لَوٹ بھی آیا وہ اپنے آپ میں نہ رہا۔ غور سے میری بات سُن اور میری نصیحت گرہ میں باندھ لے۔ جس وقت تُو اس دشت کے قریب پہنچے گا تجھے ایسی جگہ لے جایا جائے گا جہاں چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اُسے ظلمات کہتے ہیں۔ تُو چپ چاپ چلتے رہنا۔ وہاں بہت سی حسین لڑکیاں اور طرح طرح کی دلکش چیزیں تجھے اپنی طرف متوجہ کریں گی، تُو کسی طرف دھیان نہ دینا۔ وہیں ایک عورت تیرا ہاتھ پکڑ کے دشتِ ہویدا میں پہنچا دے گی۔"

صبح کو حاتم اس سے رخصت ہو کر اپنی منزل کی طرف چل دیا۔ تھوڑے

دنوں کے بعد اندھیرے راستوں سے گزرتا ہوا ایک تالاب کے کنارے جا پہنچا۔ ایک حسین لڑکی تالاب سے نکلی اور اس نے حاتم کا ہاتھ پکڑ کر پانی میں غوطہ لگا دیا۔ حاتم کا پاؤں تہ سے لگا تو آنکھیں کھول دیں۔ خود کو اس لڑکی کے ساتھ ایک خوبصورت باغ میں پایا۔

وہ تو ہاتھ چھڑا کر کسی طرف غائب ہو گئی۔ ایک طرف سے ہزاروں حسین لڑکیاں خوبصورت لباس پہنے، سر سے پیر تک گہنوں میں لدی ہوئی نکل آئیں اور رقص کرنے لگیں۔ حاتم کو باغ کے مالک کی نصیحت یاد تھی۔ اس نے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

آخرکار وہ حاتم کو ایک ایسے مکان میں لے گئیں جو جواہر، لعل اور یاقوت سے بنا تھا۔ بیچوں بیچ ہیروں جڑا ایک شاندار تخت تھا۔ جیسے ہی حاتم تخت کے قریب پہنچا وہ سب لڑکیاں بُت بن بن کر دیواروں سے چپک گئیں اور محل کی دیواروں سے ان گنت پریاں نکل کر رقص کرنے لگیں۔ حاتم حیران تھا کہ الٰہی یہ کیا کرشمہ ہے۔

حاتم تخت کے پاس تو پہنچ ہی چکا تھا۔ دل میں کہنے لگا یہاں تک پہنچا ہے تو ذرا دیر کو اس تخت پر بھی بیٹھ دیکھ یہ سوچ کر اس نے تخت پر پاؤں رکھا۔ ساتھ ہی ایک تڑاقے کی آواز ہوئی اور بُت بن جانے والی لڑکیوں میں سے جو سب سے خوبصورت تھی پھر بُت سے انسان کے روپ میں آ گئی اور ناز و انداز سے چلتی ہوئی حاتم کے قریب آ پہنچی۔ چہرے پر ہلکی نقاب پڑی تھی۔ جی تو چاہا آگے بڑھ کر نقاب ہٹا دے اور اس کی صورت دیکھے مگر اس مرد کی نصیحت یاد آ گئی۔ فوراً سنبھل گیا۔

اب حاتم اس انتظار میں رہا کہ یہ عورت میرا ہاتھ پکڑتی ہے یا کیا

کرتی ہے۔ تین دن اور تین راتیں اسی انتظار میں گزر گئیں اور حاتم اسی طرح تخت پر بیٹھا رہا۔ چوتھے دن اس نے سوچا اگر اسی طرح بیٹھا رہا تو جُگ بیت جائیں گے۔ منیر شامی بیچارہ انتظار میں جان گنوا دے گا۔ اب جو ہونا ہے جلد ہو جائے۔ یہ سوچ کر اس حسینہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ فوراً تخت کے نیچے سے ایک اور خوبصورت عورت نکلی۔ اس نے ایک لات ایسی ماری کہ یہ کہیں کا کہیں جا پڑا۔ سر اُٹھا کر دیکھا تو نہ وہ محل ہے، نہ وہ تخت اور نہ وہ حسینہ۔ ایک لق و دق جنگل ہے جس کا اور چھور دکھائی نہیں دیتا۔

اب حاتم کو اندازہ ہوا کہ دشت ہویدا یہی ہے۔ وہ شخص بھی یہیں ہوگا جو کہتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے۔ اُسے ڈھونڈنا چاہئے۔ اسی خیال میں اِدھر اُدھر پھرتا تھا۔ اتنے میں یہ آواز اُس کے کان میں آئی کہ "ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے"۔ یہ آواز سات دن تک دن میں تین دفعہ اُس کے کان میں آتی رہی۔ آٹھویں دن جب شام کے وقت وہ آواز سُنائی دی تو وہ اس کی طرف دوڑا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سفید داڑھی والا ایک بُزرگ بیٹھا ہے۔ یہ اُس کے آگے گیا اور سلام کیا۔ اُس نے پُوچھا "اے جوان! تُو کہاں سے آیا ہے اور اس جنگل میں تیرا کیا کام ہے؟"

حاتم نے کہا "میں یہ جاننے کے لیے یہاں تک آیا ہوں کہ تم نے ایسا کیا دیکھا ہے جسے دوبارہ دیکھنے کی آرزو رکھتے ہو؟"

بُوڑھے نے کہا "اے مسافر! ایک دن میں سیر کرتا ہوا کسی تالاب کے کنارے جا نکلا اور کنارے پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ اتنے میں ایک حسین عورت تالاب سے نکلی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اُس میں لے گئی۔ تہ سے پاؤں ٹِکے تو

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک طرف سے حسین عورتوں کا غول نکلا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک محل میں لے گئیں۔ وہ خود تو بُت بن بن کر دیواروں سے چپک گئیں اور دیواروں سے پریاں نکل کر ناچنے لگیں۔ میں تخت پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ اتنے میں ایک حسینہ مُنہ پر نقاب ڈالے پاس آکھڑی ہوئی۔ میں نے نقاب ہٹائی تو عجب حُسن دیکھا۔ جی جان سے اُس پر فدا ہوگیا۔ میں نے اُس کا ہاتھ پکڑا ہی تھا کہ تخت کے نیچے سے ایک اور حسین عورت نکلی۔ اُس نے ایک ایسی لات ماری کہ میں اِس ویران جنگل میں آپڑا۔ اُسی دن سے آٹھوں پہر رونے کے سوا کچھ کام نہیں۔ لاکھ چاہتا ہوں کہ اُسے دل سے بُھلا دوں پر یہ ممکن نہیں۔"

حاتم بات کی تہ کو پہنچ گیا۔ کہا "اے بُزرگ! میرے ساتھ آ۔ وہ محفل میں تجھے دکھاؤں گا۔ اگر چاہتا ہے کہ اُس حسینہ کو ہمیشہ دیکھتا رہے تو اُس کا ہاتھ کبھی نہ پکڑنا۔ نہ کبھی اُس کے چہرے سے نقاب اُلٹنا۔ وہ ساری عُمر تیرے آگے ہاتھ باندھے کھڑی رہے گی۔ اگر اُس کا ہاتھ پکڑے گا تو پھر اِسی سُنسان جنگل میں آپڑے گا۔ اور قیامت تک اُس محل میں داخل نہ ہو سکے گا"۔ یہ کہہ کر حاتم اُسے تالاب کے قریب لے گیا۔ وہاں پھر وہی عورت نکلی اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر تہ میں لے گئی۔

اب سوال کا جواب لے کر حاتم شاہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ راستے کی مصیبتیں جھیلتا ہوا اپنی منزل پر جا پہنچا۔ حُسن بانو کے ملازم اُسے ہاتھوں ہاتھ حویلی تک لے گئے اور حاتم کے صحیح سلامت لوٹ آنے کی اطلاع کرادی۔ سُنتے ہی حُسن بانو نے بُلوا کر پردے کے پاس بٹھایا اور حال پُوچھا۔

حاتم نے اُس آدمی کا سارا قصّہ سُنا دیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ آدمی جس کو

دیکھنے کے لیے بے چین تھا اب پھر اُس کے پاس جا پہنچا ہے۔ اِس لیے اب جنگل سے وہ آواز آنی بند ہوگئی ہے۔" یہ سُن کر حُسن بانو اور اُس کی دائی نے حاتم کی ہمّت کی داد دی۔

حاتم نے کہا "پہلے سوال کا جواب تو مل گیا۔ اب دوسرا سوال بیان کرو۔" حُسن بانو نے کہا "اے حاتم! تُو بہت دُکھ سہہ کر آیا ہے۔ کچھ دن آرام کر لے۔" حاتم نے کہا "آرام تو مجھے اُسی دن ملے گا جس دن میں تیرے ساتوں سوالوں کے جواب لا دوں گا۔" یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور آٹھ روز تک منیر شامی کے پاس رہا۔ نویں روز حُسن بانو سے جا کر کہا کہ "تیرا سوال کیا ہے۔ خدا کے واسطے جلد کہہ۔"

دوسرا سوال

نیکی کر اور دریا میں ڈال

حُسن بانو نے کہا "دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے دروازے پر لکھ کر لگا دیا ہے کہ 'نیکی کر اور دریا میں ڈال' یہ کیا بھید ہے؟" حاتم یہ سُنتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔ پوچھا "اتنا تو بتاؤ کہ یہ جگہ کس طرف ہے؟" حُسن بانو نے کہا "میں نے اپنی دائی سے سُنا ہے کہ وہ جگہ یہاں سے اُتر کی طرف ہے۔"

بس اتنی بات معلوم کرکے حاتم وہاں سے چل نکلا۔ ایک مُدت کے بعد کسی جنگل میں جا پہنچا۔ وہاں سے رونے کی آواز آئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک خوبصورت جوان زمین پر بیٹھا آنسو بہا رہا ہے۔ حاتم نے پُوچھا "اے جوان! تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہے جو اس طرح آنسو بہا رہا ہے؟"

اُس نے کہا "اے مسافر! میں سوداگر ہوں اور یہاں سے بارہ کوس دُور ایک شاندار شہر ہے۔ ایک دن پھرتا پھراتا سوداگری کا مال لے کر اس شہر میں جا نکلا۔ اتفاق سے اوپر نظر اُٹھی تو کیا دیکھتا ہوں ایک حسین لڑکی کھڑی بال سُکھا رہی ہے۔ میں نے پُوچھا "یہ کون ہے؟" پتہ چلا یہ حارث سوداگر کی بیٹی ہے۔ اور جو اس کے تین سوالوں کے جواب لا کر دے گا اُسی سے شادی کرے گی۔ یہ بات سُنتے ہی میں اُس کی ڈیوڑھی پر پہنچا۔ اُس نے کہا:-

◆ پہلا سوال یہ ہے کہ اس شہر کے قریب ایک غار ہے۔ وہاں آج تک کوئی نہیں گیا۔ اس کا حال معلوم ہونا چاہیے۔

◆◆ دوسرا سوال یہ ہے کہ جمعہ کی رات کو جنگل سے آواز آتی ہے کہ افسوس میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔ اس کا راز کیا ہے؟

◆◆◆ تیسرا سوال یہ ہے کہ وہ مہرہ جو سانپ کے پیٹ میں ہے لاکر دے:

یہ سننا تھا کہ میرے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ اس نے مجھے شہر سے نکال دیا اور میں اس جنگل میں آپڑا۔"

حاتم اس مصیبت کے مارے کو ساتھ لے کر شہر کے اندر گیا اور کہلوایا کہ "میں بیاہ کرنے کو آیا ہوں" حارس کی بیٹی نے اسے بلایا اور پردے کے پیچھے بیٹھ کر بات کی۔ اپنے سوال بتائے۔ حاتم نے کہا "میں ان سوالوں کے جواب لانے کے لیے کمربستہ ہوں۔ مگر میری ایک شرط ہے۔ اگر میں جواب لادوں تو پھر تو میری ہے اور مجھے اختیار ہے کہ جس کو چاہوں تجھے دے ڈالوں" اس نے یہ بات مان لی۔

حاتم وہاں سے رخصت ہوا۔ شہر کے بہت سے لوگ اس کے ساتھ آئے اور غار دکھا کر چلے گئے۔ حاتم اس میں کود پڑا۔ ایک دن اور ایک رات اس میں چکر کھاتا رہا تب جاکر زمین سے پاؤں ٹکے۔ سامنے ایک صاف شفاف تالاب تھا اور اس کے پیچھے ایسی لمبی اور اونچی دیوار جس کا اور تھا نہ چھور۔ قریب پہنچا تو اس میں ایک دروازہ دکھائی دیا۔ حاتم اس میں داخل ہو گیا۔ ایک بستی نظر پڑی جس میں ایک سے ایک شاندار مکان تھا۔

حاتم ابھی اس سوچ میں تھا کہ کیا کرے۔ اتنے میں سامنے سے اَن گنت دیو آتے دکھائی دیے۔ حاتم کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف دوڑ پڑے۔

قریب تھا کہ اس کی تکا بوٹی کر دیں کہ ایک دیو بول اٹھا "یارو! یہ آدم زاد ہے۔ اس کا گوشت بڑے مزے کا ہوتا ہے۔ سردار کو پتہ چلے گا تو کولھو میں پلوا دے گا۔ اس کی بیٹی کی آنکھیں دُکھتی ہیں۔ کوئی دوا اثر نہیں کرتی۔ شاید یہ کوئی ترکیب بتائے۔ اِسے لے چلو۔"

یہ بات سب کو پسند آئی۔ وہ سب حاتم کو لے کر اپنے سردار کے پاس پہنچے۔ سردار نے کہا "اے جوان! بہت دنوں سے میری بیٹی کی آنکھیں دُکھتی ہیں۔ کسی طرح آرام نہیں ہوتا۔ ہو سکے تو کوئی علاج کر۔" حاتم نے اپنی پگڑی سے مہرہ نکال کر پانی میں ڈالا اور وہ پانی اس کی آنکھوں میں لگا دیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کی آنکھیں فوراً اچھی ہو گئیں۔ اب تو سردار بہت خوش ہوا۔ اسے بادشاہ کے پاس لے گیا اور بڑی تعریفیں کیں۔

بادشاہ نے کہا "اے مسافر! مجھے مدّتوں سے پیٹ کے درد کی شکایت ہے۔ ہزاروں علاج کیے، مرض دُور نہ ہوا۔ اگر تُو میری تکلیف دُور کر دے تو تیرا احسان کبھی نہ بھولوں۔" حاتم نے کہا "اے مہربان بادشاہ! علاج کرنا میرا کام ہے، اچھا کرنا تو خدا کے اختیار میں ہے۔ پہلے آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ کھانا کس طرح کھاتے ہیں؟" اس نے جواب دیا "سب امیروں اور وزیروں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا ہوں۔" حاتم نے کہا "خوب! آپ جس وقت کھانا کھائیں، اجازت دیجیے کہ میں بھی موجود رہوں۔"

بادشاہ نے کہا "مناسب۔ اب کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ تُو بھی میرے ساتھ چل۔" حاتم نے ایسا ہی کیا۔ اندر پہنچے تو دستر خوان بچھا۔ اس پر طرح طرح کے لذیذ کھانے چُنے گئے۔ بادشاہ کھانا شروع کرنا چاہتا تھا کہ حاتم نے اسے روک دیا۔ اور ایک قاب سے سرپوش ہٹایا۔ جتنے لوگ موجود تھے

انھیں دکھاکر پھر ڈھک دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ قاب کھولی تو کھانے کی جگہ کیڑوں سے بھری تھی۔ یہ نرالی بات دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔

حاتم نے کہا "بادشاہ سلامت! بات یہ ہے کہ آپ کے کھانے پر لوگوں کی نظر ہو جاتی ہے۔ آپ اکیلے بیٹھ کر کھانا کھایا کیجیے۔" اس کے بعد بادشاہ ایسا ہی کرنے لگا۔ دو تین دن میں اس کے پیٹ کا درد بالکل اچھا ہو گیا۔ اب تو بادشاہ حاتم کا گرویدہ ہو گیا۔ اُسے گلے سے لگا لیا اور بولا "تو نے بڑا بڑا کام کیا۔ میں تجھے مُنہ مانگا انعام دوں گا۔ بول کیا مانگتا ہے؟"

حاتم نے کہا "اے بادشاہ! میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ بس اتنا چاہتا ہوں کہ جتنے آدم زاد تیری قید میں ہیں ان سب کو آزاد کر دے۔" بادشاہ کے حُکم سے سارے قیدی پیش کیے گئے اور ان سب کو آزاد کر دیا گیا۔ پھر بادشاہ حاتم سے بولا "بھائی مجھ پر ایک احسان اور کر۔ میری بیٹی ایک مُدت سے بیمار ہے۔ نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ ذرا اسے دیکھ لے۔ ممکن ہے تیری کوشش سے وہ اچھی ہو جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں ہمیشہ کے لیے تیرا بے دام غلام ہو جاؤں گا۔" حاتم نے کہا "بسم اللہ، چلیے اُسے بھی دکھایئے۔" بادشاہ حاتم کو محل میں لے گیا۔ حاتم نے ایک ہفتے تک اُسے مُہرے کا پانی پلایا۔ اللہ نے مدد کی اور وہ اچھی ہو گئی۔ چہرہ کُندن کی طرح دمکنے لگا۔ حاتم نے بادشاہ سے اجازت چاہی۔ اُس نے بہت سے قیمتی تحفے دیے اور بڑی عزت کے ساتھ حاتم کو غار سے رخصت کیا۔

غار سے نکل کر حاتم حارث سوداگر کی بیٹی کے پاس پہنچا اور اُسے غار کا سارا حال سُنایا۔ اُس کے بعد اُس آواز کی کھوج میں چلا جو ہر جمعہ کی رات کو جنگل کی طرف سے آتی تھی۔ بہت دنوں بعد ایک ایسے گاؤں میں جا پہنچا

جہاں کے سب رہنے والے رو رہے تھے۔ لوگوں سے پُوچھا "کیا ماجرا ہے؟"
انھوں نے کہا "ہم بدنصیبوں کے گاؤں میں ہر مہینے کی سات تاریخ کو ایک بَلا
آتی ہے اور ایک آدمی کو کھا جاتی ہے۔ اس مرتبہ ہمارے سردار کے بیٹے کی
باری ہے۔ ہم سب اس لیے روتے ہیں۔"

حاتم نے سب کو تسلی دی اور کہا "تم غم نہ کرو۔ اس بار تمھارے سردار
کے بیٹے کی جگہ میں اُس کے پاس جاؤں گا۔ مگر یہ بتاؤ وہ بَلا ہے کس
صورت شکل کی؟" لوگوں نے اُس کا پُورا نقشہ کھینچ دیا۔ حاتم نے کہا "گھبراؤ
مت۔ جو میں کہوں وہ کیے جاؤ۔ اللہ نے چاہا تو اس بَلا سے نجات پاؤ گے"
سب نے ایک زبان ہو کر کہا "تم جیسے کہو گے ہم ویسے ہی کریں گے۔"

حاتم نے سَو گز لمبا اور سَو گز چوڑا ایک آئینہ تیار کرا کے اس میدان میں
رکھ دیا جہاں وہ بَلا آیا کرتی تھی۔ اوپر سے ایک چادر ڈھک دی۔ حاتم اُس
بَلا کے آنے سے پہلے آئینے کے پیچھے چُھپ کر بیٹھ رہا۔ آدھی رات کے بعد
وہ بَلا آئی۔ حاتم نے چپکے سے چادر سرکا دی۔ بَلا نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا
تو غصّے سے پھُولنے لگی اور ایسی ایسی ڈراونی آوازیں نکالیں کہ بستی کے
رہنے والوں کے دل دہل گئے۔ آخر پھُولتے پھُولتے بَلا کا پیٹ پھٹ گیا۔ ذرا
دیر میں بے جان ہو کر زمین پر آ رہی۔

بَلا کے مرنے کا لوگوں کو پتہ چلا تو بہت خوش ہوئے۔ سب دوڑے
دوڑے حاتم کے پاس آئے۔ سردار بھی آیا اور قدموں پر گر پڑا۔ بولا "تُو
جو کہے وہ حاضر کروں" حاتم نے کہا "میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔
مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ مجھے تو کسی اور ہی کام کی دُھن سوار ہے۔" سردار نے پوچھا
"وہ کیا ہے؟" حاتم نے ساری بات بتائی۔ سردار نے کہا "وہ آواز تو

ہم بھی سُنتے ہیں لیکن اُس کا حال کسی کو نہیں معلوم۔" حاتم نے کہا۔ "آج کی رات میں اسی بستی میں ٹھہر کر وہ آواز سُنوں گا۔"

وہ رات حاتم نے اسی بستی میں گزاری۔ آدھی رات کو آواز گُونجی "افسوس میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔" حاتم فوراً اس آواز کی طرف چل پڑا۔ آخر چلتے چلتے ایک قبرستان میں جا نکلا۔ اچھی جگہ تھی۔ سوچا آج کی رات یہیں آرام کر لوں۔ اینٹوں کا تکیہ بنایا اور ایک کونے میں لیٹ رہا۔

آدھی رات بیتی تھی کہ عجب کرشمہ دکھائی دیا۔ ایک ایک کر کے ساری قبروں کے مُنہ کھل گئے اور ہر ایک میں سے ایک ایک بُزرگ نکلا جو سفید چادر اپنے جسم سے لپیٹے تھا۔ ایک نے چاندنی کا فرش بچھا دیا۔ باقی سب آ آ کر فرش پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک شخص ایک ٹوٹی قبر سے نکلا۔ اس کا لباس ملگجا تھا، چہرے سے رنج و غم ٹپکتا تھا۔ وہ آیا اور چاندنی سے الگ زمین پر بیٹھ گیا۔ ذرا دیر میں قہوے کا دَور چلنے لگا مگر اُس غریب کو کسی نے نہ پُوچھا۔ اتنے میں اس بدنصیب آدمی نے بڑی دُکھ بھری آواز میں کہا "افسوس، میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔" تھوڑی دیر میں ہر ایک کے آگے خوان آیا۔ ہر خوان میں ایک پیالہ کھیر کا اور ایک کُوزہ ٹھنڈے پانی کا تھا۔ اُس بیچارے کے پیالے میں کنکر پتھر اور کُوزے میں خون بھرا تھا۔

حاتم ایک کونے میں چھپا یہ سب کچھ دیکھتا تھا۔ ایک بُزرگ نے حاتم کو بھی کھیر کا پیالہ اور ٹھنڈے پانی کا کُوزہ لا کر دیا۔ حاتم نے ان کا شُکریہ ادا کرتے ہوئے کہا "آپ کی مہربانی کہ آپ نے میرا اتنا خیال کیا مگر یہ تو بتایئے

کہ اس بیچارے نے کیا قصور کیا ہے کہ اُسے کھیر کی جگہ کنکر پتھر اور پانی کی جگہ خون دیتے ہیں؟" بزرگ نے جواب دیا " اے نوجوان! اس کا حال تو ہم میں سے کسی کو بھی نہیں معلوم۔ پوچھنا چاہتے ہو تو تم خود جا کر اسی سے پوچھ لو۔"

یہ جواب سُن کر حاتم اُٹھا اور اُس مصیبت زدہ کے پاس پہنچا۔ سلام کیا اور پاس ہی بیٹھ گیا۔ جو کچھ دیکھا تھا اس کا سبب پوچھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رو کر بولا " اے جوان! میرا نام یوسف ہے۔ میں سوداگر تھا اور ان سب کا سردار تھا جو میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ میں نے بڑی دولت کمائی مگر اللہ کے راستے میں کچھ بھی خرچ نہ کیا۔ نیکی کی جو بات کسی نے سمجھائی وہ میری سمجھ میں نہ آئی۔ ہمارا قافلہ ایک دن تجارت کا سامان لیے اسی راستے سے گزر رہا تھا۔ اچانک ڈاکو ٹوٹ پڑے۔ سب کچھ چھین لیا اور ہمیں مار کر یہاں دفن کر دیا۔ میں نے اپنے کیے کی سزا پائی۔ ان لوگوں کی نیکی ان کے کام آئی۔ یہ بھی سُن لے کہ میں چین کا رہنے والا ہوں۔ اب میری اولاد کا یہ حال ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج ہے۔"

حاتم کو سوداگر کے حال پر بہت ترس آیا۔ سوداگر سے پوچھا " یہ بتا اب بھی کوئی صورت ہے کہ تجھے اس تکلیف سے چھٹکارا ملے؟" سوداگر نے کہا " ہاں، ایک صورت ہے۔ ایک جگہ میری بہت سی دولت دفن ہے۔ کوئی وہاں جائے۔ اُسے کھود کر نکالے۔ اس میں سے ایک حصّہ میری اولاد کو دے۔ باقی اللہ کے راستے میں بانٹ دے۔ اس طرح مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا مل سکتا ہے اور اللہ مجھ سے راضی ہو سکتا ہے۔"

حاتم نے کہا " اے عزیز! میں ضرور تیری مدد کروں گا۔ اللہ چاہے تو

آج ہی تیرے مُلک کی طرف روانہ ہوتا ہوں اور جو ترکیب تُو نے بتائی ہے وہ کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر حاتم اُٹھ کھڑا ہوا اور چین کی طرف جانے کے لیے کمر کس لی۔ چلتے چلتے ایک جگہ کنواں نظر آیا۔ پیاسا تھا۔ چاہا کہ اس سے لے کر پانی پیے۔ اتنے میں کنویں سے ایک سانپ نے مُنہ نکالا اور ایک آدمی کی کمر میں بَل ڈال کر اسے اندر کھینچ لیا۔ حاتم اللہ کا نام لے کر کنویں میں کُود پڑا۔ جوں ہی زمین سے پیر ٹکے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ چاروں طرف ایک وسیع میدان ہے۔ ہرے بھرے درخت ہیں۔ سامنے ایک عالی شان محل ہے جس کا دروازہ کھُلا ہوا ہے۔ حاتم اندر داخل ہو گیا۔ ایک جڑاؤ تخت نظر پڑا جس پر کوئی آدمی سو رہا تھا۔ اتنے میں وہ سانپ نظر آیا اور اس نے حاتم پر حملہ کر دیا۔

حاتم نے دوڑ کر اسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ سانپ اس زور سے چیخا کہ تخت پر سویا ہوا آدمی اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے حاتم سے کہا "اے اجنبی! اس سانپ کو چھوڑ دے۔" حاتم نے کہا "خدا کی قسم! اگر اس نے مسافر کو نہ چھوڑا تو میں اسے جیتا نہ چھوڑوں گا۔" یہ تکرار ہو ہی رہی تھی کہ سانپ حاتم کو نگل گیا۔ حاتم پیٹ کے اندر پہنچ کر بہت گھبرایا۔ اتنے میں آواز آئی "اے حاتم! یہ سب جادُو کا کارخانہ ہے۔ تُو بُرے جنجال میں پھنس گیا ہے۔ کمر سے خنجر نکال اور اس کا پیٹ چاک کر دے۔ یہاں سے بچنے کا بس یہی طریقہ ہے۔" حاتم نے ایسا ہی کیا۔ پیٹ چاک کرتے ہی ایک چشمہ سا اُبل پڑا اور حاتم اس میں تیرنے لگا۔ آخر تیرتا تیرتا ایک بیابان میں جا نکلا۔ دیکھا وہاں بہت سے آدمی کھڑے ہیں جو سُوکھ کر کانٹا ہو گئے ہیں۔

ان آدمیوں میں وہ بھی شامل تھا جسے سانپ نے کنویں میں کھینچا تھا۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ سب لوگ وہی ہیں جنھیں سانپ نے پکڑا تھا۔ حاتم نے کہا "بھائیو! سب خدا کا شکر ادا کرو کہ اس طلسم سے چھٹکارا ملا اور اپنے اپنے گھر کی راہ لو۔" وہ سب حاتم کو دعائیں دیتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

ان سب لوگوں کو رخصت کر کے حاتم پھر چین کی طرف روانہ ہوا۔ چلتے چلتے ایک عالی شان شہر کے دروازے پر پہنچا۔ لوگ اسے پکڑ کر لے گئے اور بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ حاتم بہت غصے میں تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا "تمھارے شہر کا نرالا دستور ہے۔ مہمان کی خاطر کرنے کے بجائے اسے گرفتار کر لیتے ہیں۔" یہ بات سُن کر بادشاہ رونے لگا اور بولا "اے مسافر! تُو ٹھیک کہتا ہے لیکن ایک بَلا نے ہمیں مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔" حاتم نے کہا "وہ بَلا کون سی ہے؟" بادشاہ نے کہا "وہ بَلا خود میری لڑکی ہے۔ اُسے کسی نے جادُو کر دیا ہے۔ جو مسافر اس شہر میں آتا ہے اُس سے دو سوال کرتی ہے۔ وہ جواب نہیں دے پاتا اور مفت میں مارا جاتا ہے۔ اِس شہر کا نام کبھی عادل نگر تھا مگر اسی لیے اب اِس کا نام بیداد نگر ہے۔"

حاتم نے اس لڑکی کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی۔ بادشاہ اُسے لے کر اپنی بیٹی کے پاس گیا۔ محل میں جا کر دیکھا کہ شہزادی تخت پر بیٹھی ہے۔ صورت ایسی پیاری ہے کہ حُور پَری دیکھے تو شرما جائے۔ حاتم پاس جا بیٹھا۔ شہزادی دیر تک اچھی اچھی باتیں کرتی رہی۔ اتنے میں رات ہو گئی۔ کھانا آیا۔ سب نے ہنسی خوشی کھایا اور پھر باتیں شروع ہو گئیں۔

اس میں آدھی رات ڈھل گئی۔ اس وقت سب آدمی باہر چلے گئے۔ اب شہزادی اور حاتم اکیلے رہ گئے۔ دیکھتے دیکھتے شہزادی پر دورہ سا پڑ گیا۔ پاگلوں کی طرح کود پھاند کرنے لگی اور حاتم کے پاس آکر بولی " اے اجنبی! یہ بتا تجھے اپنی جان پیاری نہیں جو یہاں آیا" حاتم چُپ رہا۔ شہزادی نے کہا " اچھا اب تو ہمارے سوالوں کے جواب دے۔ ایسا لگتا ہے کہ تیری موت تجھے یہاں لائی ہے" حاتم نے کہا " خیر، موت زندگی تو خدا کے ہاتھ میں ہے، تو اپنے سوال بتا"

شہزادی بولی " پہلے تو یہ بتا کہ وہ کون سا میوہ ہے جو سب میووں سے زیادہ میٹھا ہے؟" حاتم جھٹ سے بولا " اولاد" شہزادی نے پھر پوچھا " وہ کیا چیز ہے جو ہر ایک کو کھا لیتی ہے؟" حاتم نے جواب دیا " موت" دونوں جواب سُنتے ہی شہزادی تھر تھر کانپنے لگی اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ اُس کے گرتے ہی اُس کے بدن میں سے ایک کالا سانپ نکل کر حاتم کی طرف لپکا۔ حاتم نے جھٹ پگڑی سے مُہرہ نکال کر مُنہ میں رکھ لیا۔ سانپ نے جیسے ہی حملہ کیا حاتم نے اُس کی گردن مروڑ کر ایک ہنڈیا میں بند کر دیا اور زمین میں گڑھا کھود کر ہنڈیا اُس میں دبا دی۔ اُس کے بعد حاتم شہزادی کے قریب پہنچا اور ایک کُرسی پر بیٹھ گیا۔ دن نکلتے نکلتے وہ ہوش میں آگئی۔ حاتم کو دیکھ کر چونکی اور بولی " تُو کون ہے اور میرے محل میں کس طرح آیا؟" حاتم نے اپنے آنے، لڑکی کے سوال کرنے اور سانپ کے مارے جانے کا حال بتایا۔ وہ بڑی حیران ہوئی۔ پھر اُس نے دائی کو آواز دی اور حاتم سے کہا کہ سارا حال اسے بھی سُنا۔ اُس کے بعد بادشاہ آیا اور اس نے بھی سارا واقعہ سُنا۔ سب حیران تھے۔ حاتم نے کہا " اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ وہ سانپ جو مارا گیا اصل میں

ایک جن تھا۔ یہ جن شہزادی کے سر پر سوار ہو گیا تھا۔ ہر مُسافر کو وہی مار ڈالتا تھا۔ خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ شہزادی کو اس سے چھٹکارا ملا۔ اب اس پر پاگل پن کا دَورہ نہیں پڑے گا۔" بادشاہ یہ خوش خبری سُن کر بہت خوش ہوا اور حاتم سے کہا "اے نیک دل انسان! میں تیرا احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ اب میری بڑی خواہش یہ ہے کہ تُو میری بیٹی سے شادی کر لے۔" حاتم راضی ہو گیا تو دھوم دھام سے دونوں کا بیاہ ہو گیا۔

شادی کے بعد حاتم کچھ دنوں وہاں ٹھہرا۔ پھر یوسف سوداگر کے کام کے لیے چین کی طرف چل پڑا۔ چلتے چلتے اُس کے شہر میں جا پہنچا۔ لوگوں سے پُوچھا کہ یوسف سوداگر کی حویلی کدھر ہے۔ سب حیرت سے حاتم کا مُنہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا "شاید تُو کوئی دیوانہ ہے جو یوسف سوداگر کو ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ اُسے مرے تو سَو برس ہونے کو آئے۔" حاتم نے کہا "یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ پھر بھی اُس کی حویلی تک پہنچنا چاہتا ہوں۔" اُنھوں نے کہا "اُس کی حویلی سوداگروں کے محلّے میں ہے۔ سیدھے ہاتھ کو چلے جاؤ۔" حاتم پُوچھتا پُوچھتا سوداگروں کے محلّے میں جا پہنچا۔ ادھر سارے میں یہ شہرت ہو گئی کہ کوئی دیوانہ یوسف کو پُوچھتا پھرتا ہے۔ یہ سُن کر لوگ جمع ہو گئے۔ یوسف کے خاندان والے بھی وہاں پہنچ گئے۔ حاتم کو پتہ چلا کہ یہ یوسف کے رشتہ دار ہیں تو ان میں سے ایک سے کہنے لگا "بھائی، ایک جگہ میری ملاقات یوسف سوداگر سے ہوئی تھی۔ اُنھوں نے ایک پیغام بھیجا ہے۔" اِتنا سُننا تھا کہ لوگ ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ ایک نے کہا "اسے بادشاہ کے پاس لے چلو۔"

غرض لوگ حاتم کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ حاتم نے بادشاہ کو وہ سارا قصّہ سُنا دیا جو قبرستان میں دیکھا تھا۔ یوسف کی خواہش بھی بادشاہ کو بتا دی۔

وہ بھی اسے دیوانہ سمجھ کر ہنسنے لگا۔ حاتم نے کہا "اے شریف بادشاہ! تو مجھے دیوانہ سمجھ کر ہنس رہا ہے اور میں دل میں سوچ رہا ہوں کہ تو کتنا نادان ہے۔ ذرا سوچ تو اگر یوسف مجھے نہ ملتا تو تجھے کیسے پتہ چلتا کہ اس کی دولت کہاں گڑی ہے۔" یہ بات بادشاہ کی سمجھ میں آگئی اور وہ اسے لے کر یوسف سوداگر کی حویلی میں پہنچا۔ یوسف کی بتائی ہوئی جگہ پر زمین کھودی گئی۔ بہت مال نکلا۔ حاتم نے ایک چوتھائی اُس کے عزیزوں کو دیا۔ باقی خیرات کر دیا۔

اس کام کو پورا کر کے حاتم واپس لوٹا اور یوسف کی قبر پر پہنچا۔ ابھی جمعہ میں دو دن باقی تھے۔ اس نے وہاں ٹھہر کر انتظار کیا۔ جمعہ کی رات کو پھر وہی ہوا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آج یوسف سوداگر نے بھی سب کی طرح اُجلے کپڑے پہن رکھے تھے۔ بیٹھنے کا وقت آیا تو اُسے بھی فرش پر جگہ ملی اور آج اُس کے سامنے بھی کھیر کا پیالہ اور ٹھنڈے پانی کا کوزہ آیا۔ یوسف نے حاتم کو دیکھا تو اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور کہا "اے حاتم! تیری مہربانی سے آج اس عذاب سے مجھے چھٹکارا ملا۔" حاتم بھی یہ سوچ کر بہت خوش تھا کہ میں اس کے کام آیا اور میری وجہ سے اس کا عذاب ختم ہوا۔ حاتم نے یوسف سوداگر سے اجازت لی اور چل کھڑا ہوا۔

ذرا دُور چلنے کے بعد ایک جگہ ایک بُوڑھی عورت دکھائی دی۔ حاتم نے سمجھا کوئی مصیبت کی ماری غریب عورت ہے۔ اپنی قیمتی انگوٹھی اُتار کر اُسے دے دی۔ بُڑھیا دعائیں دینے لگی۔ حاتم آگے بڑھ گیا۔ ذرا دُور گیا تھا کہ بُڑھیا نے چلّا کر کہا "اِکّے دُکّے پنچھی پردیسی کا راہ باٹ میں اللہ نگہبان۔" اس آواز کے سُنتے ہی سات ہٹے کٹے مُسلّح آدمی جنگل سے نکلے اور حاتم کے پیچھے لگ لیے۔ بات یہ تھی کہ یہ ساتوں آدمی اس مکّار بُڑھیا کے بیٹے تھے' ان کا

کام تھا جنگل میں اکیلے دُکیلے مسافروں کو لُوٹ لینا۔ بڑھیا کا کام اُنھیں چوکنا کرنا تھا کہ لو ایک پنچھی آتا ہے۔ پَر تیغ کر لو۔

تھوڑی دُور چل کر اُنھوں نے حاتم پر حملہ کیا اور اُس کے سارے ہیرے جواہر چھین لیے۔ اسے مار کُوٹ کے ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا۔ بیچارہ تین دن اس کنویں میں پڑا تڑپتا رہا۔ تیسرے دن مُہرہ گھس کر زخموں پر لگایا تو چَین پڑا۔ آنکھ جھپک گئی۔ خواب میں ایک بُزرگ آئے اور کہنے لگے "حاتم! اس جگہ ایک بڑا خزانہ دفن ہے۔ کل صبح دو آدمی یہاں آئیں گے اور اس جگہ سے تجھے نکالیں گے۔" یہ سُن کر حاتم کو اطمینان ہوا اور وہ دن نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ دن نکلنے پر دو آدمی کنویں کے قریب آئے اور اُنھوں نے کنویں میں رسّی پھینک کر حاتم کو آواز دی۔ حاتم رسّی کے سہارے کنویں سے باہر آیا اور خُدا کا شُکر ادا کیا۔ سوچنے لگا "اگر اس وقت وہ سات چور یہاں ہوتے تو یہ ساری دولت اُنھیں دے دیتا اور کہتا کہ آئندہ کے لیے چوری سے توبہ کرلو۔"

حاتم پھر اُسی راستے پر پہنچا جہاں بڑھیا ملی تھی۔ اُسے دیکھ کر بڑھیا نے پھر وہی آواز لگائی "اِکّے دُکّے پنچھی پردیسی کا راہ باٹ میں اللہ نگہبان۔" اس آواز کو سُن کر وہ ساتوں مسٹنڈے پھر نکل آئے۔ حاتم نے اُن سے کہا "دوستو! آج تمھیں ایک نصیحت کرتا ہوں۔ اس لُوٹ مار سے باز آجاؤ۔ میرے پاس کافی دھن دولت ہے۔ اسے لو اور اس دھندے سے ہاتھ اُٹھاؤ۔ اُنھوں نے وہ مال لے کر وعدہ کیا کہ آئندہ یہ کام نہ کریں گے۔

ان سے رخصت ہو کر حاتم آگے بڑھا۔ تھوڑی دُور چلا تھا کہ ایک کُتا ہانپتا ہوا آیا اور پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ بیچارے کا پیاس سے بُرا حال تھا۔ زبان

لٹک پڑی تھی۔ حاتم نے اُسے گود میں اُٹھا لیا۔ پاس کے ایک گاؤں میں لے جاکر اُسے پیٹ بھر کے پانی پلایا۔ پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا تو دیکھا کہ سر میں ایک کیل ٹھکی ہوئی ہے۔ حاتم نے وہ کیل کھینچ کر نکالی۔ فوراً ہی وہ کُتا ایک خوبصورت نوجوان کے رُوپ میں آگیا۔

حاتم کُتے کو آدمی بنتے دیکھ کر حیران رہ گیا اور کہا "اے خوبصورت جوان! اپنا حال سُنا۔" وہ بولا "اے مہربان! میں سورت شہر کا رہنے والا ہوں۔ تجارت کرتا تھا۔ میری بیوی جادوگرنی تھی۔ اُس نے سر میں کیل ٹھوک کر مجھے کُتا بنا دیا۔ کُتے کے رُوپ میں تین دن تک بھوکا پیاسا پھرتا رہا۔ آخر اللہ نے تجھے مجھ پر مہربان کر دیا۔ تیرے کیل نکالنے سے میں پھر آدمی کی شکل میں آگیا۔ جی چاہتا ہے کہ چند دن تُو میرا مہمان رہتا اور میں تیری خدمت کرتا۔" حاتم نے اس کی دعوت قبول کر لی۔ کئی دن اس کا مہمان رہنے کے بعد رخصت ہوا اور حارس سوداگر کی بیٹی کے پاس پہنچا۔ اسے اپنی کامیابی کی خبر دی اور سفر کی ساری تفصیل سُنائی۔ سوداگر کی بیٹی نے کہا "ہاں تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ بہت دنوں سے وہ آواز آنی بند ہو گئی۔ میرا ایک سوال اور رہ گیا ہے۔ اگر تُو نے اُس کا جواب بھی لا دیا تو میں تیری کنیز ہوں۔"

حارس کی بیٹی سے یہ بات چیت کرنے کے بعد حاتم سرائے میں آیا اور وہاں سوداگر بچے سے ملاقات کی۔ وہ بڑی بے چینی سے حاتم کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ حاتم کو دیکھ کر اس کے گلے لگ گیا۔ حاتم نے سفر کا سارا قصہ اور اپنی کامیابی کا حال سُنایا اور کہا "تُو اطمینان سے یہاں آرام کر اللہ نے چاہا تو تیسرے سوال کا جواب بھی جلد لاؤں گا۔ اس کے بعد سوداگر کی بیٹی سے تیری شادی کرا دوں گا۔" وہ بیچارہ پہلے ہی حاتم کا بے دام غلام تھا۔ اب اس نے ڈھارس بندھائی تو

احسان کے بوجھ سے اور بھی گردن جھک گئی۔ بار بار حاتم کا شکریہ ادا کیا۔

ایک دن حاتم نے آرام کیا۔ دوسرے دن پھر سفر کے لیے کمر کس لی۔ اس بار اسے پری شاہ کے مُہرے کی تلاش تھی۔ سمجھ رہا تھا کہ دیووں کا بادشاہ اس کا صحیح پتہ بتا سکے گا اس لیے اُسی غار کے دہانے پر پہنچا جس میں پہلے داخل ہوکر دیووں کے بادشاہ تک پہنچا تھا۔ اِس بار آسانی سے وہاں جا پہنچا۔ بادشاہ پہچان گیا اور اس نے بڑی عزت سے حاتم کو بٹھایا۔ آنے کا سبب پوچھا۔ حاتم نے کہا "مجھے پری شاہ کے مُہرے کی تلاش ہے۔ آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ کسی طرح مجھے پری شاہ کے مُلک تک پہنچایئے۔" بادشاہ نے کہا "اے حاتم! تو کیسی نادانوں کی سی باتیں کرتا ہے۔ کسی دیو یا کسی انسان کی مجال نہیں کہ پری شاہ کے مُلک تک پہنچ سکے۔ اس بیکار خیال کو دل سے نکال دے ورنہ مفت میں اپنی جان گنوائے گا۔" حاتم نے کہا "میں اس خیال سے باز آنے والا نہیں۔ میرا نام حاتم ہے۔ میں کسی کی مدد کرنے کے لیے اللہ کا نام لے کر گھر سے نکلا ہوں۔ اب یہ ممکن نہیں کہ تکلیفوں سے ڈر کے گھر لوٹ جاؤں۔"

دیووں کے بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ حاتم دُھن کا پکّا ہے۔ کسی طرح نہ مانے گا۔ اس نے چند دیو حاتم کے ساتھ کر دیے اور اُن سے کہہ دیا کہ "حاتم کو پری شاہ کی سرحد تک پہنچا دینا۔ خود اندر نہ جانا بلکہ وہیں رُک کر حاتم کی واپسی کا انتظار کرنا۔"

حاتم دیووں کے ساتھ روانہ ہوا اور کچھ ہی دن میں پری شاہ کی سرحد کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں دیووں سے رخصت ہوکر سرحد کے اندر داخل ہوا۔ اندر پہنچتے ہی پری زادوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور گردن میں طوق

ڈال کر گرفتار کر لیا۔ پوچھا "تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟" حاتم گونگا بن گیا۔ کوئی جواب نہ دیا۔ انھوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا۔ پھر لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی۔ آگ بھڑک اٹھی تو حاتم کو اس میں جھونک دیا۔

حاتم تین دن تک اُس بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑا رہا۔ لیکن مُہرے کی وجہ سے اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ آگ ٹھنڈی پڑگئی تو حاتم اُٹھ کھڑا ہوا اور آگے چلا۔ تھوڑی دیر میں پھر پری زادوں نے آگھیرا۔ اِس بار انھوں نے اِسے اتنی زور سے اٹھا کر پھینکا کہ یہ کوسوں دُور دریائے شور میں جا گرا۔ وہاں ایک گھڑیال نے اسے نگل لیا۔ یہاں بھی مُہرے نے اس کی مدد کی۔ آخر تنگ آکر گھڑیال نے اسے اگل دیا۔ حاتم نے کپڑے سُکھائے اور آگے بڑھ گیا۔ آگے جا کر پھر پری زاد مل گئے۔ حاتم کے بہت کہنے سُننے پر انھوں نے اسے کوئی سزا نہ دی مگر بادشاہ کو لکھ کر بھیج دیا۔ حاتم نے یہ بھی لکھوا دیا کہ یہ آدم زاد آپ سے ملنے کی خواہش رکھتا ہے۔

بادشاہ نے لکھا "اس آدم زاد کو فوراً ہماری خدمت میں حاضر کرو۔" جواب ملتے ہی پری زادوں کا غول حاتم کو لے کر بادشاہ کے محل کی طرف چلا۔ آدم زاد کے آنے کی خبر چاروں طرف پھیل گئی۔ مینا کی بیٹی حُسنا پری تک بھی خبر پہنچی کہ ایک آدم زاد یہاں آیا ہے جو حُسن اور بہادری میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اُسے حاتم کے دیکھنے کا بہت اشتیاق ہوا۔ حاتم کو لیے پری زادوں کا لشکر جس راستے سے گزرنے والا تھا، اُس کے پاس ہی حُسنا پری کا ایک باغ تھا۔ دل میں سوچا وہاں جا رہو اور کسی ترکیب سے حاتم کو وہاں پکڑوا کر بلوا لو۔

یہ سوچ کر ماں کے پاس گئی اور اس سے اجازت مانگی۔ پھر اپنی ہمجولیوں کو لے کر باغ میں جا پہنچی۔ وہاں پہنچ کر اپنی ہمجولیوں سے کہا کہ "اُڑتی ہوئی جاؤ اور اُس آدم زاد کا پتہ لگاؤ۔" وہ فوراً اُڑ گئیں۔ لوٹ کر بتایا کہ "دریائے قلزم کے چوکیدار اُسے بادشاہ کے پاس لیے جاتے ہیں اور وہ آدم زاد واقعی ایسا خوبصورت ہے کہ چاند سورج بھی اُسے دیکھ کر شرماتے ہیں۔" یہ سُن کر حُسنا کا اشتیاق اور بڑھا۔ فوراً حکم دیا "جس طرح بنے اُسے پکڑ کر یہاں لے آؤ۔"

پریاں فوراً وہاں جا پہنچیں اور موقع کی تلاش میں رہیں۔ آدھی رات ہوئی تو چوکیدار اُونگھ گئے۔ پریوں نے حاتم کو بیہوش کیا اور باغ میں لے آئیں۔ حُسنا پری نے اُسے دیکھا تو دنگ رہ گئی۔ جیسا سُنا تھا اُس سے بھی زیادہ پایا۔ دل میں طے کر لیا اب اسے یہاں سے نہ جانے دوں گی۔ ذرا دیر میں حاتم ہوش میں آگیا۔ آنکھ کھُلی تو پری نظر پڑی۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ماجرا ہے۔ پوچھا "تم کون ہو اور میں یہاں کس طرح آیا؟" حُسنا پری نے جواب دیا "اے آدم زاد! یہ باغ مینا پری زاد کا ہے۔ میں اُس کی بیٹی ہوں۔ حُسنا پری میرا نام ہے۔ تیرے حُسن اور تیری بہادری کے قصّے سُنے تو تیرے دیکھنے کو جی چاہا۔ اس لیے یہاں بُلوا لیا۔"

یہ جواب سُن کر حاتم مُسکرا دیا اور بولا "اے حسین پری! تُو نے میرا راستہ کھوٹا کیا۔ میں تو جلد سے جلد ماہ رو پری شاہ کے دربار میں پہنچنا چاہتا تھا۔" حُسنا پری نے پوچھا "آخر کیوں، وہاں تیرا کیا کام تھا؟" حاتم نے اپنے جانے کا مقصد بتایا تو وہ بولی "اے آدم زاد! یہ کام آسان نہیں۔ وہاں تو فرشتوں کے پر جلتے ہیں۔ بھلا تیری کیا مجال کہ وہاں پہنچ سکے۔

خیر مجھ سے تیرے لیے جو کچھ بن پڑے گا ضرور کروں گی۔"

اُدھر یہ ہوا کہ جب دریائے قلزم کے چوکیدار جاگے اور حاتم کو غائب پایا تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ چاروں طرف ڈھونڈا مگر وہ وہاں ہوتا تو ملتا۔ ماہ رو پری شاہ دیر سے حاتم کا منتظر تھا۔ وہ نہ پہنچا تو پتہ چلانے کو پری زاد بھیجے۔ انھوں نے واپس آکر حاتم کے غائب ہونے کی اطلاع دی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ چاروں طرف پیادے دوڑا دیے کہ کسی طرح پتہ لگائیں۔ انھوں نے تھوڑے دنوں بعد آکر اطلاع دی کہ حاتم کو حُسنا پری نے اپنے باغ میں مہمان بنا رکھا ہے۔ یہ سُن کر وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ فوراً حکم دیا کہ مینا پری زاد، حُسنا پری اور آدم زاد کو پکڑ لاؤ۔ مینا نے سپاہیوں کو دیکھا تو بہت گھبرائی اور فوراً چلنے کو تیار ہو گئی۔ اس کے بعد سپاہی باغ میں پہنچے۔ وہاں سے حُسنا پری اور حاتم کو لیا اور سب کو ماہ رو پری شاہ کے سامنے پیش کر دیا۔

حُسنا پری کو دیکھ کر بادشاہ کی تیوری پر بَل پڑ گئے۔ بہت بگڑا۔ پھر حاتم کی طرف مخاطب ہو کر بولا "اے آدم زاد! تیری کیسے ہمت ہوئی کہ تُو نے ہمارے مُلک میں قدم رکھا؟" حاتم نے کہا "میں نے تیری بڑی تعریف سُنی تھی۔ تجھے دیکھنے کا شوق مجھے یہاں کھینچ لایا۔" اِس بات سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ بولا "اگر تُو ہمارا ایک کام کرے تو مُنہ مانگی مُراد پائے۔ میرے ایک بیٹا ہے۔ مدّت سے اُس کی آنکھیں دُکھتی ہیں۔ یہاں تک کہ بینائی بھی جاتی رہی۔ ہو سکے تو اُس کا علاج کر۔" حاتم نے اُسے بُلوایا۔ وہ بیچارہ درد سے بے چین تھا۔ حاتم نے گِھس کر مُہرہ لگایا۔ درد فوراً جاتا رہا۔ حاتم نے بادشاہ سے کہا "پردۂ ظلمات میں ایک پَودا ہے۔ نور ریز اُس کا نام ہے۔ اُس کے رس کے

"چند قطرے منگا دے تو اس کی آنکھوں کی روشنی ابھی لوٹ آئے۔" بادشاہ نے درباریوں کی طرف دیکھ کر پوچھا "تم میں سے کوئی یہ کام کر سکتا ہے؟" مگر سب چُپ رہے۔ آخر محسنا پری بولی "یہ کام میں کروں گی۔" بادشاہ کی اجازت پاکر وہ فوراً چلی گئی اور آٹھویں دن اس کا رس لے آئی۔ حاتم نے اسے لڑکے کی آنکھوں میں ٹپکایا تو آنکھیں تاروں کی طرح روشن ہوگئیں۔ بادشاہ خوشی میں آپے سے باہر ہوگیا۔ بولا "اے آدم زاد! بول کیا انعام چاہیے؟"

حاتم نے فوراً کہا "مجھے تیرا مُہرہ چاہیے۔" بادشاہ نے یہ سُنا تو دھک سے رہ گیا۔ کہنے لگا "اے آدم زاد! میں تجھے قول دے چکا ہوں۔ اس لیے مُہرہ دینے سے انکار تو نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بتا تو اس مُہرے کا کرے گا کیا؟" حاتم نے اُسے ساری بات بتا دی۔ بادشاہ نے کہا "خیر اس وقت تم مُہرہ لے جاؤ مگر میں یہ مُہرہ سوداگر کی بیٹی کے پاس چھوڑوں گا نہیں۔" حاتم نے کہا "یہ تو جان۔ میں تو صرف اپنا وعدہ پُورا کرنا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ سوداگر کی بیٹی کی شادی میرے دوست سے ہو جائے۔"

بادشاہ نے مُہرہ حاتم کے حوالے کر دیا۔ اس نے وہ مُہرہ احتیاط سے بازو پر باندھ لیا۔ وہاں سے رخصت ہوکر تھوڑے ہی دنوں میں اپنی منزل پر پہنچ گیا اور وہ مُہرہ حارس سوداگر کی بیٹی کے حوالے کر دیا۔ مُہرہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی۔ کہنے لگی "اب میں تیری لونڈی ہوں۔ تُو جو حکم دے وہ بجا لاؤں۔"

حاتم نے جواب دیا "میری خواہش یہ ہے کہ تُو سوداگر بچے سے شادی کرلے۔" اس نے کہا "جو تیری مرضی۔" چند دنوں میں دونوں کی شادی ہوگئی۔ وہاں سے فارغ ہو کر حاتم حُسن بانو کے سوال کا جواب لانے کے لیے روانہ ہوگیا۔

سفر کی مصیبتیں برداشت کرتا ہوا ایک دریا کے کنارے جا پہنچا۔ وہاں ایک شاندار محل بنا ہوا تھا۔ اس کے دروازے پر موٹے حرفوں میں لکھا تھا "نیکی کر اور دریا میں ڈال" حاتم یہ عبارت پڑھ کر بہت خوش ہوا اور عمارت کے پھاٹک کی طرف چلا۔

حاتم ابھی پھاٹک کے پاس پہنچ بھی نہ پایا تھا کہ دروازہ کھلا۔ چند خواص اندر سے نکل کر حاتم کے پاس آئے اور بڑی عزت کے ساتھ اسے اندر لے گئے۔ وہاں جا کر حاتم نے دیکھا کہ ایک بزرگ تخت پر بیٹھے ہیں۔ بڑی نورانی صورت ہے۔ حاتم کو دیکھ کر تخت سے اُٹھے اور اُسے گلے لگا لیا اور اپنے پاس تخت پر جگہ دی۔ طرح طرح کے لذیذ کھانے منگوا کر حاتم کو کھلائے۔ کھانے سے فارغ ہو کر حاتم نے بزرگ سے پوچھا "آپ کے محل کے دروازے پر جو عبارت لکھی ہے اُس کا کیا مطلب ہے؟"

بزرگ نے جواب دیا "اے عزیز! میں کسی زمانے میں رہزن تھا۔ راستہ چلتوں کو لوٹنا میرا کام تھا۔ لیکن میرا ایک قاعدہ تھا کہ دو گھی چپڑی روٹیاں دریا میں ڈال دیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کام اللہ کے لیے کرتا ہوں۔ مدتوں یہی ہوتا رہا۔ ایک بار سخت بیمار پڑا۔ سُدھ بُدھ کی خبر نہ رہی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ فرشتے مجھے کھینچے ہوئے دوزخ میں لیے جا رہے ہیں۔ آخر دو فرشتوں نے آ کر کہا "اسے جنت میں لے جاؤ" جب مجھے جنت کے دروازے پر لے جایا گیا، وہاں کے داروغہ نے کہا "اسے تم ابھی سے کیسے لے آئے۔ اس کی تو بہت عمر باقی ہے۔ اس نام کا دوسرا شخص ہے۔ اُسے لاؤ اور اسے واپس چھوڑ آؤ" انھوں نے ایسا ہی کیا۔ راستے میں وہ دونوں فرشتے پھر ملے۔ انھوں نے کہا "ہم وہ دو روٹیاں ہیں جو تُو اللہ کے نام پر دریا میں ڈالا کرتا تھا" پھر میں جاگ گیا اور

اُسی دن سے رہزنی سے توبہ کرلی۔ جو کچھ میرے پاس تھا اس میں سے تھوڑا سا روک کر باقی سب اللہ کے نام پر لُٹا دیا۔ دریا میں روٹیاں ڈالنا میں کبھی نہ بھولا۔ اب یہ ہوتا ہے کہ جب میں روٹیاں دریا میں ڈالتا ہوں تو دریا سے ایک ہاتھ نکلتا ہے اور وہ سَو دینار میرے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ میں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرتا ہوں، باقی اللہ کے نام پر خیرات کر دیتا ہوں۔ اب میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے اور یہ سب اُسی نیکی کی بدولت ہے جو میں کرکے دریا میں ڈال دیا کرتا تھا۔ اس لیے یہ عبارت لکھ کر میں نے اپنے دروازے پر لگا رکھی ہے۔"

حاتم نے بزرگ کا شکریہ ادا کیا اور اس سے اجازت لے کر شاہ آباد کا رُخ کیا۔ چند ہی دن میں شاہ آباد پہنچ گیا۔ پہلے سرائے میں پہنچ کر اپنے دوست کو دلاسا دیا پھر حُسن بانو کے محل میں جاکر اسے سفر کا حال سُنایا اور اُس سے تیسرا سوال دریافت کیا۔ حُسن بانو نے پہلے تو حاتم کی ہمت کی داد دی پھر کہا "اے جواں مرد مصیبت کے ماروں کے ہمدرد! میرا تیسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص جنگل میں کھڑا کہتا ہے ـــــ کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا وہی پائے گا، یہ پتہ لگا کہ وہ ایسا کیوں کہتا ہے۔" حاتم نے کہا "اچھا، میں دو چار دن میں اس سوال کا جواب لانے کے لیے روانہ ہوتا ہوں۔"

حاتم کا جانا اور تیسرے سوال کا جواب لانا

اب حاتم تیسرے سوال کا جواب لانے کے لیے روانہ ہوا۔ کوئی مہینہ بھر چلا ہوگا کہ ایک پہاڑ دکھائی دیا جو آسمان سے باتیں کرتا تھا۔ اُس کی چوٹی پر ایک حسین جوان کھڑا تھا اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: "شتاب آکہ نہیں تاب اب جدائی کی"۔ حاتم نے قریب جاکر رنج و غم کا سبب پوچھا۔ اُس جوان نے جھنجلا کر کہا "جا اپنا راستہ لے۔ جانے کتنے آئے اور سبب پوچھ پوچھ کر چلے گئے"۔ حاتم نے کہا "اے عزیز! جب تو نے بہتوں کو اپنا دُکھ درد بتایا ہے تو مجھے بھی بتا دے۔ شاید میں اللہ کی مدد سے تیری مشکل آسان کر سکوں"۔

جوان نے کہا "اے مسافر! اگر تو جاننا ہی چاہتا ہے تو سُن۔ میں ایک سوداگر ہوں۔ ایک دن اِسی راستے سے گزر رہا تھا کہ الگن پری سے میری ملاقات ہوگئی۔ اُسے دیکھ کر میرا بُرا حال ہوگیا۔ ہوش و حواس جاتے رہے۔ وہ کسی طرح ہوش میں لائی اور بولی "اے جوان! تو مجھے بہت اچھا لگا۔ جی چاہتا ہے کہ تو کچھ دن میرا مہمان رہے۔ مگر ایک شرط ہے۔ تجھے ایک ہفتے یہاں رہ کر میرا انتظار کرنا ہوگا"۔ اُس سے جُدا ہونے کو جی تو نہ چاہتا تھا۔ مگر

پھر ملاقات ہونے کی اُمید پر میں نے یہ شرط منظور کرلی۔
اِس بات کو سات برس ہونے کو آئے۔ جب سے میں یہاں کھڑا اُس کا انتظار کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر پھر چیخ ماری اور وہی مصرعہ پڑھا:

شتاب آ کہ نہیں تاب اب جُدائی کی

حاتم کو اُس پر بڑا ترس آیا۔ بولا" اے دوست! میری زندگی کا مقصد یہی ہے کہ دوسروں کے کام آؤں۔ تو میرا انتظار کر میں الگن پری کی تلاش میں روانہ ہوتا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو تیری مُراد جلد پُوری ہوگی۔"

اُسے دلاسا دے کر حاتم پریوں کے دیس کو روانہ ہوا۔ کئی دن چلنے کے بعد ایک باغ میں جا پہنچا۔ تھکا ہارا تو تھا ہی تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر بعد اُٹھا تو دیکھا کہ چار پریاں سامنے بیٹھی ہیں۔ انھوں نے پُوچھا" تو کون ہے اور یہاں کیسے آیا ہے؟" حاتم نے آنے کا سبب بیان کیا۔ پریاں ہنسنے لگیں۔ بولیں" دیوانہ ہوا ہے۔ وہاں پہنچنا کوئی آسان کام ہے؟" حاتم نے کہا" آسان ہو یا مشکل مگر مجھے ضرور وہاں پہنچنا ہے۔ ایک اللہ کا بندہ مشکل میں پھنسا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اُس کی مدد نہ کروں۔"

پریوں نے کہا" اگر جان جوکھوں میں ڈالنا چاہتے ہو تو ضرور جاؤ۔ الگن پری کوہ القایر رہتی ہے۔ یہاں سے آٹھ دن چلو تو اُس کی سرحد پر جا پہنچو گے۔" یہ سُنتے ہی حاتم فوراً چل پڑا اور آٹھویں دن الگن پری کی سرحد میں جا پہنچا۔ سامنے ایک دوراہا تھا۔ عقل نے کام نہ کیا کہ کدھر جائے۔ اسی شش و پنج میں تھا کہ کہیں دُور سے رونے پیٹنے کی آواز سُنائی دی۔ حاتم آواز کی طرف چل پڑا لیکن رات کا وقت تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کس کی

آواز ہے۔ ناچار صبح کا انتظار کرنے لگا۔ صبح کو پھر آواز کے سہارے چل نکلا۔ تھوڑی دُور گیا ہوگا کہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک خوبصورت نوجوان ننگے سر ننگے پیر جنگل میں اِدھر اُدھر دوڑتا پھرتا ہے۔ ذرا ذرا دیر بعد رُک جاتا ہے اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگتا ہے۔

حاتم نے اس نوجوان کے پاس جاکر رونے کا سبب پُوچھا۔ اُس نے کہا "میں ایک پردیسی ہوں۔ روزی کی تلاش میں گھر سے نکل کر یہاں آپہنچا۔ یہاں ایک حسین عورت سے ملاقات ہوگئی۔ اُس نے بھی مجھے پسند کیا اور اپنے محل میں لے جاکر مہمان رکھا۔ اُس کا باپ ایک بڑا جادُوگر تھا۔ اُس نے جادُو کے زور سے پتہ لگا لیا کہ میں یہاں چھپا ہوا ہوں۔ ایک دن آکر اپنی بیٹی پر بہت خفا ہوا۔ پھر مجھے بُلا کر کہا کہ اگر میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو میری تین شرطیں پُوری کر۔ پہلی یہ کہ پری رو جانور کا ایک جوڑا لاکر دے، دوسری یہ کہ سُرخ سانپ کا مُہرہ لے کر آ۔ تیسری شرط یہ ہے کہ کھولتے تیل میں غوطہ لگا کر صحیح سلامت نکل آ۔ تو ہی بتا یہ شرطیں میں کیسے پُوری کرسکتا ہوں۔ اس لیے اُسے یاد کرتا ہوں اور روتا ہوں۔"

حاتم نے اُس کی ہمت بندھائی اور کہا کہ "میں تیرے کام کی تدبیر کرتا ہوں" حاتم جانتا تھا کہ پری رو جانور کا جوڑا دشتِ مازندران میں ملے گا۔ پہلے وہ اسی کے لیے روانہ ہوا۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد ایک قلعہ دکھائی دیا۔ قریب پہنچ کر دیکھا کہ لوگ اُس کی خندق میں آگ جلا رہے ہیں۔ پُوچھنے پر معلوم ہوا کہ ہر رات کو یہاں ایک بَلا آتی ہے اور تین چار آدمیوں کو کھا جاتی ہے۔ حاتم نے کہا "آج رات اُسے آنے دو۔ میں اُس کا کچھ علاج کروں گا۔"

رات ہونے سے پہلے حاتم خندق کے پاس چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب آدھی رات گزر گئی تو ایک جانور آتا دکھائی دیا، جس کے آٹھ پاؤں اور سات سر تھے۔ ایک سر ہاتھی کا اور چھ شیر کے۔ جو سر ہاتھی کا تھا اُس میں نو آنکھیں تھیں۔ ذرا سی دیر میں بَلا بالکل قریب آگئی۔ لوگوں نے لکڑیوں میں آگ لگا دی تو وہ بوکھلا کر اِدھر اُدھر دوڑنے لگی۔ اتنے میں وہ حاتم کے بالکل سامنے آگئی۔ حاتم نے تاک کر آنکھ میں تیر مارا تو وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگی اور تھوڑی دیر میں وہ لوٹ لوٹ کر مر گئی۔

شہر کے لوگ بہت خوش ہوئے کہ حاتم کی بدولت بلا سے چھٹکارا ملا۔ سب نے چاہا کہ حاتم کو دھن دولت سے مالا مال کر دیں مگر حاتم نے کچھ قبول نہ کیا۔ سب محتاجوں میں بٹوا دیا اور سب سے درخواست کی کہ اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے دین دُنیا میں سرخرو کرے۔

حاتم ذرا آگے بڑھا تو ایک سانپ اور ایک نیولے کو آپس میں لڑتے ہوئے پایا۔ پوچھا "تم میں ایسی کیا دشمنی ہے۔ کیوں لڑتے ہو؟" سانپ نے کہا "اِس نے میرے باپ کو مارا ہے۔ میں اِسے ماروں گا۔" نیولا بولا "یہ میری خوراک ہے۔ اِسے میں کھاؤں گا۔" حاتم نے کہا "تجھے اپنا پیٹ ہی تو بھرنا ہے۔ میرے گوشت سے بھر لے۔" پھر سانپ سے بولا "تجھے اپنے باپ کا بدلہ لینا ہے تو مجھ سے لے لے۔" دونوں نے یہ سُن کر لڑنا بند کر دیا۔ نیولے نے کہا "تُو مجھے اپنے گالوں کا گوشت کھانے کو دے۔" حاتم نے فوراً تلوار نکال لی۔ قریب تھا کہ گوشت کاٹ ڈالے۔ اتنے میں نیولا چلایا "ٹھہر ٹھہر میں تو تیرا امتحان لیتا تھا۔ شاباش تیری ہمت کا کیا کہنا۔"

ذرا سی دیر میں سانپ اور نیولا لوٹ پوٹ کر آدمی کی شکل میں آگئے

ور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حاتم بڑا حیران ہوا۔ پوچھا "یہ کیا ماجرا ہے؟" سانپ بولا "اصل میں ہم دونوں جن ہیں۔ میں نے اس کے باپ کو مار ڈالا کیونکہ وہ اپنی بیٹی سے میری شادی نہ کرتا تھا۔ یہ اُس کا بھائی ہے۔ یہ بھی شادی کے لیے رضامند نہیں ہوتا۔ میں اِسے بھی مار ڈالوں گا۔" دوسرا بولا "یہ اپنی بہن کی شادی مجھ سے کر دے تو میں اپنی بہن کی شادی اِس سے کر دوں۔" وہ جن جو پہلے نیولے کے رُوپ میں تھا، کہنے لگا "کیا کروں میرے باپ کو یہ شادی منظور نہیں۔" آخر حاتم نے جاکر اُسے راضی کیا اور ایک ہی دن میں دونوں کی شادی ہو گئی۔

شادی سے دونوں جن اتنے خوش ہوئے کہ دونوں نے حاتم کو ایک ایک تحفہ دیا۔ ایک نے عصا دیا۔ اس میں یہ کرامت تھی کہ سانپ بچھو کاٹے تو اثر نہ کرے، کسی دُشمن کا جادُو کارگر نہ ہو، اس کے سایے میں لیٹ جاؤ تو آگ سے نہ جلو، راستے میں دریا آجائے تو اسے ڈال دو۔ ڈالتے ہی یہ کشتی بن جائے۔ دوسرے نے ایک مُہرہ دیا جسے مُنہ میں رکھ لو تو سانپ کے کاٹے کا اثر نہ ہو۔ حاتم دونوں چیزیں لے کر رخصت ہوا۔

حاتم ابھی زیادہ دُور نہ جانے پایا تھا کہ ایک دریا ملا۔ حاتم نے پانی میں وہ عصا ڈال دیا تو وہ فوراً کشتی بن گیا۔ اس طرح حاتم نے دریا پار کیا اور دشتِ ماژندراں کی طرف چل دیا۔ دو دن لگاتار چلنے کے بعد وہ منزل پر پہنچ گیا اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سوچنے لگا کہ دشتِ ماژندراں تک پہنچ تو گیا مگر اب کیا کروں اور وہ جانور کا جوڑا کہاں ڈھونڈوں۔ اسی سوچ بچار میں نیند آگئی اور پری رو جانور کا ایک جوڑا اُسی درخت پر بیٹھا۔ نر مادہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے۔ نر بولا "آج رات اِس

درخت کے نیچے حاتم طائی ہمارا مہمان ہے۔ اس نے دوسروں کے لیے اپنا آرام چین سب کچھ تج دیا ہے۔ ہر وقت یہی دھیان ہے کہ کس طرح کسی کے کام آؤں۔ اب اسے ہمارے جوڑے کی ضرورت پیش آئی ہے۔" حاتم بھی نیچے لیٹا یہ ساری باتیں سُنتا تھا۔

صبح ہوتے ہوتے بہت سے جانور وہاں جمع ہو گئے۔ سب نے کہا "اے حاتم! یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج تو ہمارا مہمان ہے۔ ہمیں تیرے یہاں آنے کا سبب بھی معلوم ہے۔ ہم اپنے بچوں کا ایک جوڑا تیری خدمت میں پیش کرتے ہیں۔" حاتم نے اُن سب کا شکریہ ادا کیا اور کہا "تمھاری اِس عنایت سے ایک نامُراد اپنی مُراد کو پہنچے گا۔" غرض حاتم بچوں کا ایک جوڑا لے کر وہاں سے چل پڑا۔ یہ بھی سُن لو کہ وہ جانور تھا عجیب۔ سر اور چہرہ آدمی کا سا اور گردن کے نیچے کا سارا دھڑ بالکل مور جیسا۔

کافی لمبا سفر طے کر کے حاتم جادُوگر کے شہر میں پہنچا اور سپاہی زادے کو وہ جوڑا دیا۔ جوان بہت خوش ہوا اور اسے لے کر فوراً جادُوگر کے پاس پہنچا۔ اس نے کہا "اب میرا دوسرا سوال پُورا کر اور سُرخ سانپ کا مُہرہ لا کر دے۔" سپاہی زادے نے یہ بات حاتم کے پاس جا کر دُہرائی۔ اس نے کہا "تُو فکر نہ کر۔ اب میں اس کی کھوج میں نکلتا ہوں اور کوہِ قاف جا کر دشتِ سُرخ سے وہ مُہرہ لے کر آتا ہوں۔"

دو ایک دن آرام کرنے کے بعد حاتم مُہرے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ منزلیں طے کرتا ہوا ایک جنگل میں جا پہنچا۔ وہاں ایک بچھو دیکھا جس کا قد مُرغ کے برابر تھا اور جسم سات رنگ کا تھا۔ اتنے میں رات ہو گئی۔ حاتم ایک درخت کے نیچے لیٹ رہا۔ اس کے پاس گائیں اور گھوڑے وغیرہ

گھاس چر رہے تھے۔ وہی بچھو نکلا اور اُس نے ڈنک مار مار کر سب کو مار دیا اور خود ایک پتھر کے نیچے چھپ رہا۔ صبح کو لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ بچھو پھر نکلا اور اُس نے ایک آدمی کے ڈنک مارا۔ وہ بیچارہ گر کر تڑپنے لگا۔ اب بچھو نے جنگل کی راہ لی۔

حاتم بھی بچھو کے پیچھے پیچھے چلا۔ ذرا آگے چل کر بچھو لوٹ پوٹ کر سانپ بن گیا اور بل میں جا گھسا۔ رات ہوئی تو پھر نکلا اور شہر کی طرف چل دیا۔ آخر موری کے راستے سے شاہی محل میں داخل ہو گیا اور اُس نے وہاں بادشاہ کو ڈس لیا۔ وہاں سے نکل کر وزیر کی حویلی میں گھس گیا اور اُس کی بیٹی کو ختم کر دیا۔ پھر سیدھا جنگل کا راستہ لیا۔ جنگل میں پہنچ کر اُس نے شیر کا روپ اختیار کر لیا۔ دریا کے کنارے کچھ لوگ پانی پیتے تھا اُن پر جھپٹا اور ایک کو پھاڑ ڈالا۔ وہاں سے آگے بڑھا تو ایک خوبصورت عورت بن کر سڑک کے کنارے بیٹھ رہا۔ ادھر سے دو نوجوان روزگار کی تلاش میں گزرے۔ اس نے ان دونوں سے بڑی محبت کی باتیں کیں۔ پھر جانے کیا لگائی بجھائی کی کہ دونوں لڑ پڑے اور لڑتے لڑتے مارے گئے۔ اب وہ عورت بھیس بدل کر بھینس بن گئی اور ایک گاؤں میں داخل ہو کر کئی آدمیوں اور بچوں کو روند ڈالا۔ وہاں سے دوڑتی ہوئی جنگل میں پہنچی اور آخر ایک بوڑھے آدمی کی شکل اختیار کر لی۔

اب حاتم سے نہ رہا گیا۔ اس نے سوچا کہ اس کا حال جاننا چاہیے۔ یہ سوچ کر آگے بڑھا اور جھک کر سلام کیا۔ اس بزرگ نے کہا "کہو حاتم! خیر تو ہے۔ اچھے ہو؟" حاتم بڑا حیران ہوا اور پوچھا "اے بزرگ! تمھیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟" اس نے جواب دیا "تیرا کیا، مجھے تیری سات پشتوں کے نام

معلوم ہیں۔ میں سبھی کو جانتا ہوں۔ شاید تجھے معلوم نہیں۔ میں موت کا فرشتہ ہوں۔ جس شکل میں جس کی جان لینے کا حکم ہوتا ہے وہی شکل بنا کر اُس کی جان لے لیتا ہوں۔" حاتم نے کہا "یہ بتائیے میری موت کب آئے گی؟" اس نے جواب دیا "اے نیک دل انسان! ابھی تیری زندگی کے بہت دن باقی ہیں۔ ابھی تو تیرے ہاتھوں سے ہزاروں کے بگڑے کام بنیں گے۔"

یہ سن کر حاتم نے خدا کا شکر ادا کیا اور دشتِ سُرخ کی راہ لی۔ آخر چلتے چلتے ایسی جگہ جا پہنچا جہاں کی زمین گہرے کالے رنگ کی تھی۔ اصل میں یہ کالے ناگوں کا ملک تھا۔ آدمی کی بُو پاکر سانپ نکل آئے اور چاروں طرف سے حاتم کو گھیر لیا۔ حاتم نے وہ عصا زمین میں گاڑ دیا۔ سانپ جہاں تھے وہیں رک گئے اور آخر اپنے بلوں میں جا گھسے۔ حاتم آگے بڑھ گیا اور دشتِ سفید میں جا پہنچا۔ یہاں کے سفید سانپ بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

حاتم آگے بڑھا تو دشتِ سُرخ سامنے تھا۔ یہاں کی زمین خون کی طرح لال تھی۔ گرمی ایسی تھی کہ پیاس کے مارے حاتم کی زبان نکل پڑی۔ سمجھا بس اب موت سر پر منڈلا رہی ہے۔ آخر بے دم ہو کر گر پڑا۔ ہوش و حواس جاتے رہے۔ اتنے میں ایک بزرگ سامنے آئے اور کہا "اے حاتم! ہمّت نہ ہار۔ وہ مُہرہ مُنہ میں ڈال لے۔" حاتم نے ایسا ہی کیا۔ پیاس کی شدّت کم ہو گئی۔ حاتم نے بزرگ سے پوچھا "یہ گرمی کس چیز کی ہے؟" اُس نے کہا "یہ گرمی سُرخ سانپ کے زہر کی ہے۔ پہلے یہ زمین سبز تھی مگر اب گرمی سے لال ہو گئی ہے۔"

مُہرے نے اپنا کرشمہ دکھایا اور حاتم چلنے کے قابل ہو گیا۔ آگے چلا تو سُرخ سانپ بُو پاکر نکل آیا اور پھنکارنے لگا۔ اُس کے مُنہ سے شعلے نکل کر

آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ آس پاس کی ہر چیز شعلوں کی لپیٹ میں آگئی۔ حاتم کے مُنہ میں مُہرہ نہ ہوتا تو جل کر راکھ ہو جاتا۔

حاتم نے عصا زمین میں گاڑ دیا اور رات اسی طرح گزار دی۔ صبح ہوتے ہوتے عصا کی برکت سے سانپ کی حالت غیر ہوگئی اور وہ مُہرہ اُگل کر بھاگ گیا۔ حاتم نے اُسے پگڑی میں رکھا اور لاکر نوجوان کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ اُس کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آگئے۔ حاتم کے قدموں پر گر پڑا۔ حاتم نے اُسے اُٹھاکر گلے سے لگا لیا اور کہاکہ " اب جادُوگر کے پاس جا اور کہہ کہ اب تیسرے سوال کا جواب بھی حاضر ہے۔ کڑھاؤ میں تیل گرم کرائے "

کڑھائی میں تیل گرم ہوگیا تو حاتم نے مہرہ اُس نوجوان کے مُنہ میں ڈال دیا اور اُسے کھولتے تیل میں کُدا دیا۔ اللہ کی مہربانی اور مُہرے کی برکت سے وہ صحیح سالم باہر نکل آیا۔ جس نے یہ کرشمہ دیکھا حیران رہ گیا۔ چند دن میں نوجوان کی شادی جادُوگر کی بیٹی سے ہوگئی۔

ان سے رخصت ہوکر حاتم الگن پری کی تلاش میں کوہِ القا کی طرف چلا۔ پہاڑ پر پہنچ کر ایک غار دکھائی دیا۔ حاتم ایک چکنی ڈھلان کے سہارے پھسلتا پھسلتا تہ تک پہنچ گیا۔ سامنے ایک خوبصورت باغ تھا۔ پرند چہچہا رہے تھے۔ اتنے میں کچھ پری زاد اس کے پاس آئے اور کہنے لگے " اے آدم زاد! یہ باغ الگن پری کا ہے، تُو اِس میں کہاں آ نکلا۔ اُسے خبر ہوگئی تو جیتا نہ چھوڑے گی۔ ہمیں سزا الگ ملے گی "

حاتم نے جواب دیا " دوستو! میں موت سے ڈرنے والا نہیں۔ میں تو خود اُس سے ملنے آیا ہوں " پری زادوں نے سبب پُوچھا تو حاتم نے

سارا قصّہ سُنایا اور کہا" میں اسے وعدہ یاد دلانے آیا ہوں۔" پری زادوں کو ہمدردی پیدا ہوئی۔ الگن پری دو دن بعد وہاں آنے والی تھی۔ اِس لیے انھوں نے حاتم کو باغ میں ہی چُھپا دیا۔

دو دن بعد الگن پری پریوں کے جُھرمٹ میں وہاں آئی۔ دربانوں نے عرض کیا" اے شہزادی! ایک آدم زاد کسی طرح اِس باغ میں داخل ہوگیا ہے۔ ہزار سمجھایا مگر وہ یہاں سے جانے کے لیے راضی نہیں ہوتا اور کہتا ہے شہزادی سے ملے بغیر ہرگز نہ جاؤں گا۔" شہزادی نے آدم زاد کو پیش کرنے کا حُکم دیا اور اس سے آنے کا سبب پُوچھا۔ حاتم نے شہزادی کو اُس کا وعدہ یاد دلایا اور کہا" تیری جُدائی میں کسی غریب کی جان جاتی ہے اور تجھے ترس نہیں آتا۔" شہزادی نے کہا" میں بھلا کسی سے جھُوٹا وعدہ کیوں کرتی؟"

حاتم نے کہا" شہزادی! خفا ہونے کی بات نہیں۔ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ سچ ہے۔ میرا نام حاتم ہے۔ جھُوٹ بولنا میرا کام نہیں۔" حاتم کے یاد دلانے پر پری کو واقعہ تو سارا یاد آگیا مگر بگڑ کر کہنے لگی" آخر تُو کیوں دُنیا کا دُکھ درد بٹاتا پھرتا ہے۔ جا اپنا کام کر۔" مگر حاتم نہ مانا اور اُس نے پری کو اس طرح قایل کیا کہ وہ اُس نوجوان کو بُلانے اور شادی کرنے پر مجبور ہوگئی۔

اب حاتم وہاں سے رخصت ہوا اور کوہ احمر پر پہنچ گیا۔ جس آواز کی کھوج میں یہاں آیا تھا اب وہ سُنائی دے رہی تھی۔ کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: "کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔" حاتم آواز کے سہارے چلتا رہا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ درخت میں ایک لوہے کا پنجرا ٹنگا ہوا ہے اور

اُس میں ایک بوڑھا آدمی بند ہے۔

حاتم حیران ہوکر اُسے دیکھتا رہا۔ پھر قریب جاکر پوچھا "اے بزرگ! تُو کون ہے؟ کس نے تجھ پر یہ ظلم کیا ہے؟ اور اس آواز کا کیا مطلب ہے؟" بوڑھے نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی اور بولا "اے مسافر! میری کہانی بڑی دُکھ بھری ہے۔ تو سُن کر کیا کرے گا لیکن پوچھتا ہی ہے تو سُن اور سبق لے۔ میں ایک سوداگر ہوں۔ احمر میرا نام ہے۔ میرا باپ بڑا دمن دولت چھوڑ کر مرا۔ کچھ ہی دن میں میں نے سب اُڑا دیا اور آخر کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گیا۔

اسی حالت میں میری ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی۔ وہ گڑے خزانے کا پتہ بتا سکتا تھا۔ مگر شرط یہ تھی کہ چوتھائی اُس کا ہوگا۔ میں نے سوچا شاید میرے باپ نے کچھ زمین میں دفن کیا ہو۔ یہ سوچ کر میں اُسے اپنے گھر لے گیا۔ اُس کے بتانے پر واقعی بے شمار دولت نکلی مگر میری نیت خراب ہو گئی۔ اُسے تھوڑا سا دیا اور گھر سے نکال دیا۔

" ایک دن وہ نوجوان بھیس بدل کر پھر آیا اور بولا " مجھے ایسا علم آتا ہے جس سے زمین میں گڑے خزانے نظر آجاتے ہیں" میں نے کہا "مجھے وہ علم سکھا دو۔ مُنہ مانگا انعام دوں گا" اُس نے کہا " جنگل میں چلو۔ وہاں تمہاری آنکھوں میں ایک سُرمہ لگا دوں گا۔ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے" میں خوشی خوشی اُس کے ساتھ یہاں آگیا۔ اُس نے سُرمہ لگایا تو میری دونوں آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ اس کے بعد اُس نے پنجرے میں بند کر کے مجھے یہاں ٹانگ دیا اور بولا " جھوٹوں کی سزا یہی ہے۔ اب تو اپنی آنکھوں کی روشنی چاہتا ہے تو ہر وقت چلا چلا کر یہ کہا کر کہ کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔

" چلتے وقت اُس نوجوان نے کہا " مُدت کے بعد حاتم نام کا ایک جوان

یہاں آئے گا وہ نوریز گھاس کا عرق لاکر ٹپکائے گا تب تیری آنکھیں روشن ہوں گی۔ اے عزیز! تیس سال بیت گئے کہ میں حاتم کا انتظار کر رہا ہوں۔ نہ جانے وہ کب آئے گا اور میری مشکل کب آسان ہوگی۔" حاتم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بولا "اطمینان رکھ۔ میں ہی حاتم ہوں۔ میں ابھی نوریز گھاس کی تلاش میں روانہ ہوتا ہوں۔"

یہ کہہ کر حاتم اُس گھاس کی تلاش میں روانہ ہوا۔ سات دن کے بعد حاتم کو ایک خوشبودار گھاس نظر آئی۔ سمجھ گیا کہ یہی وہ گھاس ہے جس کی تلاش تھی۔ وہ لے کر لوٹا اور اُس کا رس بُوڑھے قیدی کی آنکھوں میں ٹپکایا۔ فوراً کھوئی ہوئی روشنی لوٹ آئی۔ بُوڑھا حاتم کے قدموں پر گر پڑا۔ بہت بہت شکریہ ادا کیا اور حاتم کو انعام دینا چاہا مگر اس کو کس چیز کی ضرورت تھی۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔

حاتم نے بزرگ کو خدا حافظ کہا اور شاہ آباد کی طرف چلا۔ وہاں پہنچ کر پہلے سرائے میں گیا اور منیر شامی کو لے کر حسن بانو کے پاس پہنچا اور اُس کے سوال کا جواب پیش کر دیا۔ پھر پوچھا "اب بتاؤ تمہارا چوتھا سوال کیا ہے؟"

چوتھا سوال

سچے کو ہمیشہ راحت ہے

محسن بانو نے کہا "اے حاتم! شہر خوارزم میں کوئی شخص لگاتار یہ کہتا رہتا ہے کہ "سچے کو ہمیشہ راحت ہے" میرا سوال یہ ہے کہ اس نے کیا سچ بولا اور اس کے بدلے کیا راحت پائی؟" حاتم نے کہا "اللہ مددگار ہے۔ اس کے کرم سے تین سوالوں کے جواب ملے۔ اسی کی مدد سے چوتھے سوال کا جواب بھی ملے گا۔ میں فوراً اس کام کے لیے روانہ ہوتا ہوں۔"

حاتم شاہ آباد سے نکلا اور چلتے چلتے ایک پہاڑ کے نیچے پہنچا۔ دیکھا کہ ایک دریا زور شور کے ساتھ بہہ رہا ہے۔ پانی کا رنگ خون کی طرح سرخ تھا۔ حاتم اس کا راز جاننے کے لیے کنارے کنارے چلا۔ آگے جاکر دیکھا کہ دریا کے کنارے ایک درخت ہے جس میں کٹے ہوئے بہت سے سر لٹکے ہیں۔ ان سے خون ٹپکتا ہے اور پانی میں مل جاتا ہے۔ سارے سر پریوں کے تھے۔ سب سے اونچی شاخ پر جو سر تھا وہ سب سے خوبصورت تھا۔

حاتم ان سروں کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ حاتم سمجھ گیا کہ یہ سب جادو کے کھیل ہیں۔ اس نے طے کرلیا کہ جب تک یہ بھید نہ کھلے گا وہ آگے نہ بڑھے گا۔ اس میں شام ہوگئی۔ سارے سر ایک ایک

کرکے دریا میں گر پڑے اور اپنے اپنے دھڑسے جُڑ کر زندہ ہو گئے۔ ذرا دیر میں دریا کی سطح پر ایک محفل جم گئی۔ ناچ رنگ شروع ہو گیا۔ اس کے بعد دستر خوان بچھا اور طرح طرح کے کھانے چُنے گئے۔ ایک خوان حاتم کے سامنے بھی آیا مگر اس نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا "پہلے مجھے بتاؤ یہ راز کیا ہے۔ تب لقمہ توڑوں گا۔" جو پری خوان لے کر آئی تھی وہ گئی اور پھر آکر بولی "اس وقت تم کھانا کھالو۔ صبح کو ہماری ملکہ تمھیں سب کچھ بتا دیں گی۔" دستر خوان اُٹھ گیا تو پھر ناچ رنگ شروع ہو گیا۔ دن نکلنے تک یہی سلسلہ چلتا رہا۔ صبح کو سارے سر جسموں سے الگ ہو کر پھر اُسی درخت کی شاخوں میں جا لٹکے۔

دوسری شام ہوئی تو کھانے کے بعد ایک پری حاتم کو ملکہ کے پاس لے گئی۔ حاتم نے دریا کی سطح پر پیر رکھا تو وہ دھنستا چلا گیا یہاں تک کہ زمین سے جا ٹکا۔ اب نہ وہ دریا تھا، نہ وہ محفل، نہ وہ درخت۔ ایک لق و دق میدان تھا جس کا اور چھور دکھائی نہ دیتا تھا۔ حاتم گھبرا کر اِدھر اُدھر دوڑنے لگا اور سمجھا کہ موت یہاں لے آئی ہے۔ اتنے میں خواجہ خضرؑ نظر آئے۔ حاتم سے بولے "تُو نے یہ کیا حال بنایا ہے؟ اللّٰہ نے مجھے تیری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ بول کیا چاہتا ہے؟"

حاتم نے کہا "بھُولے بھٹکوں کو راستہ دکھانے والے بُزرگ! پہلے یہ بتائیے کہ یہ کیا جگہ ہے۔ میں یہاں کیسے پہنچا اور وہ سر کیسے تھے؟" حضرت خضرؑ نے فرمایا "اس صحرا کا نام خبر برس ہے۔ جس دریا کی سطح پر تُو نے قدم رکھا تھا وہ سب جادُو کا کھیل ہے۔ احمر جادُوگر نے اپنی بیٹی کو قید کرنے کے لیے یہ طلسم بنایا ہے۔ وہ لڑکی باپ کی مرضی کے خلاف شادی کرنا چاہتی تھی

اِس لیے باپ نے اُسے پری شہزادی ہے" حاتم نے کہا" اے حضرت! مجھے وہ پری بہت پسند آئی۔ مجھے کسی طرح اُس کے پاس پہنچا دیجیے۔"

حضرتِ خضر نے کہا" اے جوان! میرا عصا پکڑ کر آنکھیں بند کر لے۔" حاتم نے ایسا ہی کیا اور پلک جھپکتے اُسی درخت کے پاس جا پہنچا۔ اِس بار حاتم نے سوچا اس درخت پر چڑھنا چاہیے۔ یہ سوچ کر حاتم اس کے نیچے آیا۔ ایک دم ایسا لگا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ ایک تڑاقے کی آواز کے ساتھ درخت پھٹ گیا اور حاتم اس میں سما گیا۔ اتنے میں خواجہ خضر پھر تشریف لائے۔ انھوں نے درخت میں عصا مارا تو وہ موم کی طرح نرم ہو گیا اور حاتم باہر نکل آیا۔ حضرت نے کہا " حاتم! تو خواہ مخواہ کیوں موت کو دعوت دے رہا ہے۔"

حاتم نے کہا" میں احمر جادوگر کی بیٹی شہزادی زریں پوش سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" حضرتِ خضر نے فرمایا" نادان! اِس خیال سے باز آ۔ جب تک احمر جادوگر زندہ ہے وہ اس کی شادی نہ ہونے دے گا۔ تو بیکار اپنی جان گنوا بیٹھے گا۔" حاتم نے کہا" میں اس سے شادی ضرور کروں گا۔ اگر اسی طرح موت آنی ہے تو یوں ہی سہی۔ میں بزدل نہیں کہ موت سے ڈر جاؤں۔" حضرتِ خضر نے دیکھا کہ حاتم دُھن کا پکّا ہے کسی طرح باز نہیں آتا تو اسے اسمِ اعظم سکھا دیا تاکہ کوئی جادو اثر نہ کر سکے۔ اور پھر اسے احمر جادوگر کے مُلک میں پہنچا دیا۔

احمر کا مُلک کوہِ احمر کہلاتا تھا اور وہاں سوائے ایک اُونچے پہاڑ کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ حاتم پہاڑ پر چڑھنے لگا مگر ایک ایک پیر من من بھر کا ہو گیا۔ چلنا دُشوار تھا۔ لیکن اسمِ اعظم پڑھنے سے منزل آسان ہو گئی اور حاتم چوٹی پر

پہنچ گیا۔ وہاں ایک صاف ستھرا میدان ملا جس میں ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ چاروں طرف میووں سے لدے ہرے بھرے درخت تھے۔ حاتم نے نہا دھو کر اسمِ اعظم پڑھنا شروع کر دیا۔

اُدھر احمر جادوگر کو اپنی جادو کی کتاب سے حاتم کے آنے کا حال معلوم ہوا۔ اس نے سوچا کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیے جس سے حاتم اسمِ اعظم بھول جائے۔ یہ سوچ کر اُس نے جادو کے زور سے جھوٹ موٹ کی پریاں بنائیں۔ ان میں ایک پری زرّیں پوش کی شکل کی تھی۔ پریوں کے اِس غول نے حاتم کو گھیر لیا۔ وہ پری حاتم کے پاس جا بیٹھی جو زرّیں پوش کی صورت کی تھی۔ خوشی سے حاتم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اُس نے اسمِ اعظم پڑھنا بند کر دیا۔ جادوگر کی ترکیب کارگر ہوگئی اور اُس نے حاتم کو پکڑوا کے آگ کے کنویں میں ڈلوا دیا۔ لیکن مُہرے کی وجہ سے حاتم محفوظ رہا۔ یہ بات جادوگر کو بھی معلوم ہوگئی۔ اب اُس نے دوسری ترکیب کی۔ اُس نے حاتم کو آزاد کر دیا اور جادو کی پری سے کہا کہ کسی طرح وہ مُہرہ چھین لے۔

نقلی زرّیں پوش حاتم کے پاس آ بیٹھی اور پیار محبت کی باتیں کر کے مُہرہ اُس سے مانگا۔ حاتم مُہرہ دینے والا ہی تھا کہ کسی نے للکار کر کہا "ارے نادان! یہ کیا کرتا ہے۔ اگر تُو نے مُہرہ دے دیا تو تیری جان کی خیر نہیں۔ یہ زرّیں پوش نقلی ہے اور احمر نے جادو کے زور سے بنائی ہے۔ یقین نہ ہو تو آزما لے۔ اسمِ اعظم پڑھ۔ اگر یہ اصلی ہے تو بیٹھی رہے گی۔ نقلی ہے تو ختم ہو جائے گی۔ حاتم نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ اسمِ اعظم پڑھنے لگا تو پری کانپنے لگی اور دیکھتے دیکھتے جل کر راکھ ہوگئی۔

جادوگر سے اور کچھ نہ بن پڑا تو شیطان سے مدد مانگی۔ پہلے تو اُس نے

اِنکار کیا اور کہا کہ "اسمِ اعظم کے آگے میرا زور نہیں چل سکتا۔" لیکن آخرکار مدد کرنے کو راضی ہو گیا اور سوتے میں حاتم کو ایسے سُہانے خواب دکھائے کہ وہ میٹھی نیند سوتا رہا۔ یہاں تک کہ جادوگر کے چوکیداروں نے اُسے قید کر دیا۔ حاتم کو ہوش آیا تو اُس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر ایک چوکیدار کو اشارے سے پاس بُلایا اور کہا "اگر تو مجھے اِس قید سے آزاد کر دے تو بڑا انعام دوں۔" اس نے کہا "اگر مُہرہ دے دو تو آزاد کرتا ہوں۔" حاتم راضی ہو گیا اور چوکیدار نے اُسے آزاد کر دیا۔ حاتم پھر غسل کر کے اسمِ اعظم پڑھنے لگا۔

احمر کو پتہ چلا تو اُس نے جادو سے اُس چوکیدار کو بھسم کرنا چاہا مگر حاتم اسمِ اعظم پڑھ پڑھ کر اُس کا بچاؤ کرتا رہا۔ اب حاتم نے سوچا اِس طرح کام نہ چلے گا۔ خود احمر کی طرف چلو۔ یہ سوچ کر وہ اسمِ اعظم پڑھتا ہوا احمر کی طرف چلا۔ وہ چوکیدار بھی جس کا نام سرنک تھا اُس کے ساتھ ہو لیا۔ احمر کو پتہ چلا کہ حاتم بڑھا چلا آتا ہے تو وہ بھی اپنے لاؤ لشکر کو لے کر شہر سے باہر نکلا اور جادو کے منتر پڑھنے لگا۔

جادو کے زور سے گھنگھور گھٹا اُٹھی، بجلی چمکی اور بادل گرجنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر سرنک خوف سے تھر تھر کانپنے لگا اور حاتم سے بولا "ہوشیار ہو جا۔ یہ سب احمر کے جادو کا کرشمہ ہے۔" حاتم نے اسمِ اعظم پڑھ کر پھونکا۔ احمر کا جادو اُلٹا اُسی کے سر جا پڑا۔ اب تو احمر کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ سمجھ گیا کہ حاتم سے جیتنا مشکل ہے۔ اب اُس نے دوسرا وار کیا۔ جادو کے زور سے اُس نے ایک پہاڑ بنایا۔ یہ پہاڑ حاتم کی طرف بڑھنے لگا۔ سرنک نے اُسے پھر خبردار کیا۔ حاتم نے پھر اسمِ اعظم پڑھا اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر احمر کے لشکر پر جا پڑا۔ چار ہزار جادوگر ہلاک ہو گئے۔

یہ دیکھ کر احمر گھبرایا اور بھاگ نکلا۔ حاتم نے پیچھا کیا تو احمر نے پھر جادُو کا وار کیا۔ اِس بار چار اژدہے پیدا ہوکر حاتم کی طرف لپکے مگر اسمِ اعظم کی تاثیر سے انھوں نے لَوٹ کر احمر کے ساتھیوں کو ہی ہڑپ کر لیا۔ جو بچے وہ احمر کو اکیلا چھوڑ بھاگے۔ جب وہ بھاگنے لگے تو احمر غصّے سے بپھر گیا۔ اُس نے جادُو سے ان سب کو درخت بنا دیا۔ اب جادُوگر بُری طرح بوکھلا چُکا تھا۔ وہ ایک طرف کو اُڑا چلا گیا۔ سرنک نے حاتم کو بتایا کہ" اب وہ اپنے اُستاد کملاق جادُوگر کے پاس گیا ہے۔ وہ اِتنا بڑا جادُوگر ہے کہ اُس نے جادُو سے ایک آسمان اور اُس کے چاند ستارے بنائے ہیں۔ اُس نے یہاں سے تین سَو کوس پر ایک پُوری بستی بسائی ہے جس میں چالیس ہزار جادُوگر رہتے ہیں اور کملاق کو اپنا خدا سمجھتے ہیں۔"

حاتم نے کہا" وہ جھُوٹا ہے۔ اللّٰہ تو بس ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ اُسی کے کرم سے مجھ پر کسی جادُو کا اثر نہ ہوا۔" سرنک بولا" آج سے میں بھی اللّٰہ پر ایمان لاتا ہوں اور اب تمھارا غُلام ہوں۔ تم جو حُکم دو گے بجا لاؤں گا۔ لیکن چلنے سے پہلے ایک کام کرو۔ یہ جو سامنے ہزاروں درخت نظر آتے ہیں یہ سب جادُوگر ہیں۔ یہ احمر کے ساتھی تھے اور اُسے چھوڑے جاتے تھے۔ احمر نے جل کر انھیں درخت بنا دیا۔ تجھ سے بن پڑے تو انھیں قید سے نجات دلا دے۔ یہ سب تیرے جان و مال کو دعا دیں گے۔"

حاتم نے اسمِ اعظم پڑھ کر پھُونکا تو وہ سب اپنی اصلی شکل میں آگئے۔ سب نے حاتم کا شکریہ ادا کیا اور حاتم کے منع کرنے کے باوجود اُس کے ساتھ ہو لیے۔ راستے میں ایک تالاب نظر پڑا۔ سب پیاسے تھے۔ سب نے ڈگڈگا کر پانی پیا۔ احمر بھاگتے بھاگتے اس پر جادُو کر گیا تھا۔ جادُو کا اثر یہ ہوا کہ سب کے

ناخنوں سے خون بہنے لگا اور سب کے جسم پھول گئے۔ حاتم بہت پریشان ہوا۔ آخر اُس نے اسمِ اعظم پڑھ کر پھونکا تو ناخنوں سے خون بہنا بند ہو گیا۔ دوبارہ پڑھ کر پھونکا تو سُوجن دُور ہو گئی۔ پھر اس نے اسمِ اعظم پڑھ کر تالاب پر پھونکا۔ جادُو کا اثر جاتا رہا۔ حاتم نے اپنا سفر پھر شروع کر دیا۔

اُدھر احمر کے ساتھ یہ بیتی کہ جب کچھ نہ بن پڑا تو بھاگا بھاگا اپنے اُستاد کے پاس پہنچا۔ اُسے ساری داستان سُنائی۔ کملاق کو اپنے شاگرد کی بے عزّتی کا حال معلوم ہوا تو طیش میں آ گیا۔ اُسے دلاسہ دینے لگا۔ بولا "گھبرا مت۔ میں حاتم کو باندھ کر ابھی تیرے حوالے کیے دیتا ہوں۔" اُس نے اپنے پہاڑ کے چاروں طرف جادُو کی آگ بھڑکا دی۔ حاتم وہاں پہنچا تو آگ کی اونچی دیوار دکھائی دی۔ حاتم نے اسمِ اعظم پڑھ کر پھونکا تو آگ بُجھ گئی۔ یہ دیکھ کر کملاق نے پھر جادُو کیا۔ اِس بار پہاڑ کے چاروں طرف ایک دریا اُبل پڑا اور حاتم کی طرف بڑھنے لگا۔ یہ دیکھ کر اُس کے ساتھی بہت گھبرائے۔ بولے "یہ جادُو کا دریا ہے۔ یہ ضرور ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔" حاتم نے پھر اسمِ اعظم پڑھا اور دریا غائب ہو گیا۔

کملاق نے تیسری مرتبہ منتر پڑھا تو دس دس من اور پانچ پانچ من کے پتھر برسنے لگے۔ حاتم کے آگے ایک پہاڑ سا بن گیا۔ حاتم نے پھر اسمِ اعظم پڑھا تو زور کی ہَوا چلنے لگی۔ سارے پتھر اُس ہَوا میں اُڑ گئے۔ اب کوہ کملاق صاف دکھائی دینے لگا۔ حاتم اُس کی طرف بڑھنے لگا تو اُس نے پھر منتر پڑھا اور کوہِ کملاق نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ لیکن اسمِ اعظم کی برکت سے وہ پھر نظر آنے لگا۔ حاتم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس پر چڑھ گیا۔ کملاق نے کھیل بگڑتے دیکھا تو اپنے بنائے ہوئے آسمان پر چڑھ گیا۔ حاتم شہر میں داخل ہو گیا۔ بڑا خوبصورت شہر تھا۔ دُکانیں سجی ہوئی تھیں مگر آدمی کا نام و نشان نہ تھا۔ معلوم ہوا کملاق سب کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ حاتم کے

ساتھی بھوکے تھے۔ دُکانوں میں کھانے کا سامان دیکھا تو ٹوٹ پڑے۔ کھاتے ہی سب کی ناکوں سے خون جاری ہو گیا۔ حاتم سمجھ گیا کہ یہ جادُو کا اثر ہے۔ اسمِ اعظم پڑھ کر پھُونکا تب اس کا اثر ختم ہوا۔

اب حاتم کو آسمان کی خبر لینی تھی۔ اُس نے اسمِ اعظم پڑھ پڑھ کر جادُو کے آسمان کی طرف پھُونکنا شروع کیا۔ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پہاڑ پر گرنے لگا۔ ہزاروں جادُوگر موت کی گود میں جا سوئے۔ احمر اور کملاق بھی نیچے آپڑے اور اُٹھ کر ایک طرف کو بھاگ کھڑے ہوئے۔ حاتم نے ان کا پیچھا کیا۔ وہ دونوں گھبرا کر پہاڑ سے نیچے گر پڑے۔ ہڈیاں پسلیاں چکنا چُور ہو گئیں۔ حاتم نے خدا کا شُکر ادا کیا اور وہ سارا مُلک سرنک کے حوالے کر دیا۔ اُس سے اور اُس کے ساتھیوں سے وعدہ لیا کہ صرف خدا کے آگے سر جھکائیں گے اور خدا کے کسی بندے کو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچائیں گے۔

اِس کام سے فارغ ہو کر حاتم اُس دریا کی طرف چلا جس کے کنارے پریوں کے سر لٹکتے دیکھے تھے۔ وہاں پہنچا تو دیکھا نہ وہ درخت ہے، نہ دریا، نہ کٹے ہوئے سر۔ اس کی جگہ ایک خوبصورت محل ہے۔ چاروں طرف پریوں کا پہرہ ہے۔ یہ دروازے پر پہنچا۔ کنیزوں نے زرّیں پوش کو اطلاع کی تو اُس نے اندر بُلا کر عزّت سے اپنے پاس بٹھایا۔ حاتم سے سارا قصّہ سُنا۔ باپ کے مرنے کا پتہ چلا تو رو پڑی۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ اب قید سے تو نجات ملی۔ شادی کرنے کا اختیار ملا۔ آخر اپنی ہمجولیوں کے مشورے سے حاتم سے شادی کر لی۔ حاتم نے شادی کے بعد زرّیں پوش کو اپنے گھر بھجوا دیا اور خود حُسن بانو کے چوتھے سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے شہر خوارزم کی طرف روانہ ہو گیا۔

حاتم اپنے کام کی دُھن میں چلا جاتا تھا کہ ایک شہر میں جا نکلا۔ لوگوں سے پُوچھا "بھائیو! یہاں کوئی ایسا آدمی ہے جو کہتا ہو سچّے کو ہمیشہ راحت ہے"۔ لوگوں نے بتایا کہ ایک شخص نے یہ عبارت لکھ کر اپنے دروازے پر لگا رکھی ہے۔ حاتم پتہ پُوچھتا پُوچھتا اُس کے دروازے پر جا پہنچا۔ سامنے وہ عبارت لکھی ہوئی تھی جس کی حاتم کو تلاش تھی۔ منزل پر پہنچ کر وہ بہت خوش ہوا۔ دروازے پر دستک دی۔ دربان باہر نکلے تو حاتم نے کہا "مجھے تمھارے آقا سے ملنا ہے۔" وہ اندر چلے گئے۔ پھر باہر آئے اور حاتم کو بڑی عزّت کے ساتھ اندر لے گئے۔

اندر جا کر حاتم نے دیکھا کہ ایک خوبصورت جوان تکیہ لگائے قالین پر بیٹھا ہے۔ حاتم نے جُھک کر آداب کیا۔ جوان نے اُٹھ کر حاتم کو گلے لگایا اور بڑی محبت سے برابر بٹھا لیا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھا۔ طرح طرح کے لذیذ کھانے چُنے گئے۔ کھانا کھانے کے بعد جوان نے محبت سے پُوچھا "اے عزیز! تم کون ہو اور اِدھر کیسے آنا ہوا؟" حاتم نے آنے کا مقصد بیان کیا تو وہ بولا "اے نوجوان! تیری ہمّت کو شاباش کہ دوسروں کے لیے دُکھ جھیلتا پھرتا ہے۔ اب آرام کر۔ سفر کی تھکن دُور ہو جائے تو میں تجھے اپنی داستان سُناؤں گا۔"

اگلی صبح ناشتے کے بعد اُس جوان نے اپنا حال حاتم کو سُنایا۔ بولا "برسوں پہلے کی بات ہے کہ میں نے اپنی ساری دولت جوئے میں اُڑا دی۔ نوبت فاقوں تک پہنچی تو سوچا کہ چوری کر۔ پھر سوچا کہ چوری ہی کرنی ہے تو بادشاہ کے گھر کیوں نہ کی جائے۔ یہ سوچ کر شاہی محل پر کمند ڈالی۔ دربان بے خبر سوتے تھے۔ بادشاہ بھی گہری نیند کے مزے لیتا تھا۔ ایک قیمتی موتی جسے گوہرِ شب چراغ کہتے ہیں اُس کے گلے میں پڑا تھا۔ میں نے وہ اُتارا اور کمند کے ذریعے نیچے آ گیا۔ وہاں سے جنگل کی طرف چل دیا۔ ایک درخت کے نیچے کچھ چور بیٹھے چوری کا مال تقسیم کر رہے تھے۔ مجھ سے پُوچھا "تم کون ہو؟"

میں نے گوہرِ شب چراغ دکھاکر ساری کتھا سُنا دی۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کسی نے دُور سے للکارا۔ سب چور بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں وہیں کھڑا رہا۔ اتنے میں ایک بُزرگ قریب آئے اور مجھ سے پُوچھا" تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" میں نے سب کچھ سچ سچ کہہ دیا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے: اللہ نے تجھے نو سَو برس کی عُمر دی ہے۔ لے یہ دولت تیری ہے مگر آج سے جوئے اور چوری سے توبہ کر۔" میں نے توبہ کر لی اور جنگل میں ایک شاندار محل بنوا کر رہنے لگا۔ لوگوں نے میرے ٹھاٹھ دیکھے تو کوتوال سے جا کر کہا کہ پتہ نہیں کہاں سے دولت لُوٹ لایا ہے کہ عیش کرتا ہے۔ اس نے مجھ سے پُوچھا تو میں نے سارا قصہ سچ سچ بتا دیا۔ وہ مجھے بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ بھی میری سچائی سے بہت خوش ہوا اور انعام دے کر مجھے رخصت کیا۔ اس دن سے میں سچائی کی قدر کرنے لگا اور یہ عبارت لکھوا کر دروازے پر لگا دی۔"

حاتم نے جوان مرد کا شکریہ ادا کیا اور اس سے اجازت لے کر رخصت ہوا۔ شاہ آباد پہنچ کر حُسن بانو کی حویلی میں پہنچا اور سفر کا سارا حال سُنایا۔ حُسن بانو نے سُن کر کہا "اے حاتم! تُو نے جو کچھ کہا سب سچ ہے۔" اب حاتم سرائے میں آیا اور منیر شامی سے گلے ملا۔ دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اگلے دن حاتم پھر حُسن بانو کے پاس گیا اور اس سے پانچواں سوال پُوچھا۔

پانچواں سوال
کوہِ ندا کی خبر لانا

حُسن بانو نے حاتم سے کہا " ایک پہاڑ ہے جس کا نام کوہِ ندا ہے۔ اُس سے ایک آواز آتی ہے۔ میرا پانچواں سوال یہ ہے کہ وہ پہاڑ کہاں ہے اور اُس سے آنے والی آواز کا بھید کیا ہے ؟" حاتم نے کہا " اللہ نے چاہا تو میں اِس سوال کا جواب بھی جلد لے کر آؤں گا ۔"

اب حاتم پانچویں سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ جس بستی سے گزرتا کوہِ ندا کا پتہ پُوچھتا۔ ہر ایک حیرت سے حاتم کا مُنہ تکتا کیونکہ کسی نے بھی اُس کا نام نہ سُنا تھا۔ مگر حاتم نے اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا سیکھا ہی نہ تھا۔ اس نے اپنا سفر جاری رکھا۔ چلتے چلتے ایک شہر کے قریب پہنچا۔ میدان میں لوگ جمع تھے۔ حاتم کو دیکھ کر اُس کی طرف دوڑے۔ بولے " اے مسافر! خوش آمدید۔ ہم ایک ہفتے سے تیرا انتظار کر رہے تھے۔

حاتم مجمعے کے قریب پہنچا تو دیکھا دسترخوان بچھا ہے طرح طرح کے کھانے چُنے ہیں۔ پاس ہی ایک جنازہ رکھا ہوا ہے۔ حاتم بڑا حیران ہوا۔ لوگوں سے پُوچھا " یہ میت کس کی ہے۔ اِسے دفناتے کیوں نہیں ؟" اُنھوں نے کہا ہمارے شہر کا دستور ہے کہ کوئی مر جاتا ہے تو اُس کا جنازہ جنگل میں لاکر

رکھ دیتے ہیں اور عمدہ کھانے پکا کر کسی مسافر کا انتظار کرتے ہیں۔ جب تک کوئی مسافر نہ آئے مُردے کو دفن نہیں کرتے۔ اِسے مرے سات دن ہو گئے۔ ہم اسی طرح کھانے پکا کر روز کسی مسافر کا راستہ دیکھتے تھے۔ اللہ کا شکر کہ آج اُس نے تجھے یہاں بھیج دیا۔"

حاتم یہ بات سُن کر بڑا حیران ہوا۔ آخر لوگوں نے مُردے کو قبر میں اُتارا اور دسترخوان کے چاروں طرف آبیٹھے۔ پہلے حاتم کو کھلایا پھر اوروں نے کھایا۔ اس کے بعد سب نہائے دھوئے اور اُجلے اُجلے کپڑے پہن کر اپنے اپنے گھروں کو سدھارے۔ کچھ لوگ حاتم کو اپنے ساتھ شہر لے گئے۔ کئی دن تک مہمان رکھا۔ جب حاتم نے کُوچ کا ارادہ کیا تو لوگوں نے سفر کا مقصد پُوچھا۔ حاتم نے سارا قصّہ سُنا کر کہا کہ "مجھے کوہِ ندا کی تلاش ہے۔"

یہ سُن کر ایک شخص بولا "میں نے بزرگوں سے سُنا ہے کہ دکن کی طرف ایک طلسمات ہے۔ اُس کے بائیں طرف ایک عالی شان شہر بستا ہے۔ وہاں نہ کسی نے مُردہ دیکھا اور نہ قبر۔" حاتم نے کہا "مجھے اُسی سمت جانا چاہیے۔" یہ کہہ کر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور دکن کی طرف چل دیا۔ چلتے چلتے ایک شہر کے قریب پہنچا۔ دیکھا اُس کے آس پاس کسی قبر کا نشان نہیں۔ سمجھا یہی وہ شہر ہے جس کا پتہ اُس بزرگ نے دیا تھا۔

حاتم شہر کے اندر داخل ہوا۔ لوگ بڑی خاطر تواضع سے پیش آئے۔ ایک شخص نے حاتم کو اپنا مہمان کیا اور اپنے گھر لے گیا۔ دسترخوان بچھایا اور روٹی سالن رکھ کر بولا "اے مسافر! آج تیرے لیے وہ نعمت لایا ہوں کہ کبھی چکھی نہ ہو گی۔" حاتم نے کہا "اے معزز میزبان! میری ساری عمر سیر و سفر میں کٹی ہے۔ کوئی جانور اور کوئی پرندہ ایسا نہیں جس کا گوشت میں نے

نہ کھایا ہو۔ تُو انوکھی چیز کہاں سے لایا ہے؟" وہ بولا "تُو ٹھیک کہتا ہے مگر یہ گوشت آدمی کا ہے۔" یہ سنتے ہی حاتم نے ہاتھ کھینچ لیا اور بولا "تم لوگوں نے یقیناً کسی مسافر کی جان لی ہے اور اُس کا گوشت مجھے کھلاتے ہو۔"

یہ سُن کر وہ شخص بولا "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم کسی مہمان کی جان لے لیں۔" حاتم نے کہا "پھر یہ کیا بھید ہے؟" وہ بولا "ہماری بستی کا دستور ہے کہ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو مرنے سے پہلے اُسے ذبح کر دیتے ہیں اور اُس کا گوشت بانٹ کھاتے ہیں۔ اسی لیے نہ ہمارے شہر میں کوئی مرتا ہے نہ کوئی قبر بنتی ہے۔" یہ سُن کر حاتم کا غصہ قابو سے باہر ہو گیا اور بولا "لعنت ہے تم پر اور تمھارے رواج پر۔ اچھوں کو بیمار اور بیماروں کو اچھا کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔ تم خدائی میں دخل دیتے ہو اور بے گناہوں کا خون اپنے سر لیتے ہو۔"

یہ کہہ کر حاتم اُس شہر سے باہر نکل گیا۔ بھوکا تھا۔ دن نکلنا مشکل ہو گیا۔ صبح کو شکار کر کے پیٹ بھرا اور اللہ کا شکر ادا کر کے آگے بڑھ گیا۔ راستے میں دیکھا کہ شہر کے باہر ایک میدان میں لوگ جمع ہیں اور آگ جلائے اس کے گرد کھڑے ہیں۔ حاتم نے پوچھا "کیا ماجرا ہے؟" لوگوں نے کہا "تجھے اس سے کیا لینا۔ تُو مسافر ہے اپنا راستہ پکڑ۔" حاتم نے کہا "دوستو! خفا کیوں ہوتے ہو۔ میں نے تو یوں ہی ہمدردی سے ایک بات پوچھ لی۔ تم نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔" یہ سُن کر وہ لوگ شرمندہ ہو گئے۔ کہنے لگے "ہمارے شہر کا ایک آدمی مر گیا ہے۔ اُسے اور اُس کی بیوی کو جلانے کے لیے یہ آگ دہکائی ہے۔"

حاتم ہکا بکا رہ گیا۔ بولا "دوستو! یہ عجب دستور ہے کہ مردوں کے ساتھ

جیتوں کو بھی جلاتے ہو؟" انھوں نے کہا "اے مسافر! تو اجنبی ہے۔ شاید پہلی بار ہمارے دیس میں آیا ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے۔ ہمارا یہ دستور آج کا نہیں مُدتوں کا ہے کہ شوہر کے مرنے پر بیوی اپنی خوشی سے اُس کے ساتھ جل جاتی ہے۔ تمھیں یقین نہ ہو تو آج خود دیکھ لینا۔"

حاتم وہیں ٹھہر گیا۔ ذرا دیر میں لوگ مُردے کو لائے۔ آگے آگے ایک جوان عورت چل رہی تھی۔ دُلھنوں کی طرح سُرخ لباس پہنے، سارا زیور سجائے، سولھا سنگار کیے اور ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ لیے خوشی خوشی آگ کی طرف چل جا رہی تھی۔ حاتم آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔ لوگوں نے لاش کو آگ میں رکھ دیا اور عورت مُسکراتی ہوئی آگ میں کُود پڑی۔ دونوں ذرا سی دیر میں جل کر راکھ ہو گئے۔ اس کے بعد لوگ شہر کو لوٹ گئے۔ حاتم کے ہوش و حواس دُرست ہوئے تو وہ بھی اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

آگے جا کر ایک اور منظر دیکھا۔ لوگ زبردستی ایک زندہ آدمی کو قبر میں دبائے دیتے ہیں اور وہ چیخ پُکار مچا رہا ہے۔ حاتم نے وہاں جا کر اُنھیں روکا اور پُوچھا "یہ کیا قصّہ ہے؟" لوگوں نے کہا "ہمارے سردار کی بیٹی مر گئی ہے۔ یہ اُس کا شوہر ہے۔ ہمارا دستور ہے کہ بیوی کے ساتھ شوہر کو زندہ دفن کر دیتے ہیں مگر یہ آدمی راضی نہیں ہوتا۔" حاتم نے کہا "مُردوں کے ساتھ زندوں کو گاڑ دینا کہاں کا انصاف ہے؟" مگر وہ نہ مانے۔ آخر طے پایا کہ حاتم ان کے سردار سے بات کرے۔

حاتم نے سردار کو سمجھانا چاہا مگر اُس نے کہا "میرا داماد ایک مسافر تھا۔ اس نے میری بیٹی سے شادی کرنی چاہی تو میں نے اپنے شہر کا دستور اسے سمجھا دیا۔ اُس وقت تو وہ راضی ہو گیا۔ اب آزمائش کا وقت آیا تو اپنی بات

سے پھرتا ہے۔" حاتم نے اُس شخص سے کہا، "آخر تُو نے جھوٹا وعدہ کیا ہی کیوں تھا؟" وہ بولا "میں نے تو بغیر سوچے سمجھے یوں ہی ہاں کر دی تھی۔" حاتم نے کہا "اب اگر تُو خوشی سے دفن نہیں ہوتا تو یہ لوگ زبردستی تجھے گاڑ دیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ تُو خوشی سے دفن ہو جا۔ میں رات کو تجھے نکال لوں گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رات کو حاتم نے قبر کھول کر اُسے نکال لیا اور مٹی برابر کر دی۔

اگلے دن حاتم کوہِ ندا کی تلاش میں روانہ ہونے لگا تو سردار نے کہا "کوہِ ندا یہاں سے دُور نہیں۔ اس کے دو راستے ہیں۔ بائیں طرف کا راستہ خطرناک ہے۔ اس سے ہرگز نہ جانا۔ داہنی طرف کا راستہ ٹھیک رہے گا۔" حاتم سردار کا شکریہ ادا کر کے چل نکلا۔ دس دن تک سیدھا چلا گیا۔ گیارھویں دن وہ دوراہا ملا جس کا سردار نے ذکر کیا تھا۔ لیکن سردار کی نصیحت بھول کر یہ بائیں طرف چل دیا۔

دو دن اسی راستے پر چلتا رہا۔ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ جنگل کے سارے جانور کیا شیر اور کیا ہاتھی سب بھاگے چلے آتے ہیں۔ حاتم نے سوچا یقیناً کوئی خوفناک جانور ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ حاتم پیڑ پر چڑھ گیا اور وہاں سے تماشا دیکھنے لگا۔ ذرا دیر میں ایک چھوٹا سا جانور بڑی بھیانک شکل کا دکھائی دیا جس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ حاتم بھی اُسے دیکھ کر ڈر گیا اور کمر سے خنجر نکال لیا۔

اتفاق سے وہ جانور اسی درخت کے نیچے آکر رُکا اور آدمی کی بُو پا کر اُچھلنے لگا۔ حاتم نے ایسا تُلا ہوا ہاتھ مارا کہ سامنے کے دونوں پیر کٹ کر گر پڑے۔ وہ دوبارہ حاتم پر جھپٹا مگر حاتم کے دوسرے وار نے اُس کی آنتیں باہر نکال دیں۔ خون کی چھینٹیں اِدھر اُدھر اُڑنے لگیں۔ خون کی بُوند

جہاں گرتی وہاں آگ لگ جاتی۔ حاتم دیر تک پیڑ پر بیٹھا رہا۔ جب آگ بجھ گئی تو نیچے اُترا۔ جانور اب دَم توڑ چکا تھا۔ حاتم نے اُس کے دانت، دُم اور کان کاٹ کر تھیلے میں رکھ لیے اور آگے چلا۔

تھوڑی دُور چلنے کے بعد اُسے ایک قلعہ نظر آیا۔ حاتم اندر داخل ہو گیا۔ مکان عالی شان، دُکانیں سامان سے بھری ہوئی، مگر آدمی کا نام و نشان نہ تھا۔ بڑا چکرایا۔ سمجھا اس شہر کے رہنے والے کسی دیو بھوت سے ڈر کر بھاگ گئے ہیں۔ چلتے چلتے حاتم شاہی محل میں داخل ہو گیا۔ وہاں بادشاہ، اُس کے رشتہ دار اور کچھ نوکر چاکر موجود تھے۔ پہلے نوکروں نے حاتم کو دیکھا اور حیران ہوئے کہ آج مسافر کیسے اِدھر آنکلا۔ اتنے میں بادشاہ نے اوپر کھڑکی سے سر نکال کر جھانکا اور حاتم سے پوچھا "اے مسافر! تُو کون ہے، کہاں سے آتا ہے اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

حاتم نے عرض کیا "میں شاہ آباد سے آیا ہوں اور کوہِ ندا جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" بادشاہ نے کہا "اے عزیز! تُو راستہ بھول گیا ہے اور شاید تیری موت تجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔" حاتم نے کہا "ٹھیک ہے۔ اگر میری موت ہی مجھے یہاں کھینچ لائی ہے تو اُس سے کون بچا سکتا ہے مگر تُو بتا کہ کیوں محل میں بند ہو کر بیٹھا ہے اور تیرے شہر میں کیوں خاک اُڑ رہی ہے؟"

بادشاہ نے کہا "میرے شہر میں ایک بَلا آتی ہے جس نے ہزاروں کو ہلاک کر دیا۔ اُسی کے ڈر سے میری ساری رعایا شہر چھوڑ کر بھاگ گئی۔ حاتم سمجھ گیا کہ یہ اُسی بَلا کا ذکر ہے جس کا وہ کام تمام کر چکا ہے۔ اُس نے کہا "اے بادشاہ! مُبارک ہو۔ اللہ نے تجھے اور تیری رعایا کو اس خوفناک بَلا سے چھٹکارا دلایا۔" حاتم نے بَلا کے مارے جانے کا سارا قصہ سُنایا اور

تھیلے سے اُس کے کان، دانت اور دُم نکال کر دکھائے۔ بادشاہ فوراً نیچے اُتر آیا اور حاتم کو گلے سے لگا لیا۔ اُس کی بڑی شاندار دعوت کی۔ پھر چاروں طرف ہرکارے دوڑا کر سب کو خبر کرا دی کہ بلا سے نجات مل گئی۔ حاتم کے سامنے ہی شہر دوبارہ پھر سے آباد ہونے لگا۔

حاتم وہاں سے رخصت ہو کر پھر کوہِ ندا کی طرف چلا۔ چلتے چلتے ایک شہر میں جا نکلا۔ لوگوں نے بڑی خاطر تواضع کی اور اُسے شہر کے رئیس کے پاس لے گئے۔ اُس نے کہا "اے مسافر! خوش آمدید۔ اِس شہر میں یا تو سکندر بادشاہ آیا تھا یا آج تُو آیا ہے۔ لیکن یہ بتا تیرا اِدھر کیسے گزر ہوا؟"

حاتم نے ساری داستان سُنائی اور کہا "مجھے کوہ ندا کا کچھ حال معلوم ہو تو بتا۔" رئیس نے کہا "وہ ایسی چیز نہیں جس کا حال کوئی کسی کو بتا سکے۔ تُو کوئی دن یہاں رہ۔ خود ہی کچھ نہ کچھ معلوم ہو ہی جائے گا۔" اُس نے حاتم کے لیے ایک مکان کا بندوبست بھی کر دیا۔ حاتم آرام سے وہاں رہنے لگا۔

ایک دن عجیب واقعہ پیش آیا۔ حاتم بیٹھا لوگوں سے باتیں کر رہا تھا کہ شہر کے قریب والے پہاڑ سے آواز آئی "یا اخی، یا اخی۔" یہ آواز سُنتے ہی ایک نوجوان اُٹھا اور بے تحاشا پہاڑ کی طرف دوڑنے لگا۔ حاتم اُس کے پیچھے دوڑا۔ بار بار اُس سے پوچھتا تھا "اے عزیز! تجھے کس نے بُلایا ہے اور کہاں جاتا ہے؟" مگر اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پہاڑ پر نظریں جمائے اُسی طرف بھاگتا رہا۔

ذرا دیر میں وہ نوجوان اور پہاڑ دونوں حاتم کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ حاتم افسوس کرتا ہوا لوٹ آیا اور اُمید کے خلاف سب کو خوش پایا۔ حاتم نے اُس نوجوان کو یاد کیا تو لوگ بولے "یہاں کوئی کسی کے لیے نہیں روتا۔

ہمارے دیس کی یہی ریت ہے۔ اگر چاہتا ہے کوئی دن ہمارا مہمان رہے تو وہی کر جو یہاں کا دستور ہے۔" حاتم بیچارہ چُپ ہو رہا۔ لیکن سوچتا تھا حُسن بانو کو کوہِ ندا کا حال کیسے بتاؤں گا۔ حاتم چھ مہینے اس شہر میں رہا اور پندرہ آدمی اس پہاڑ کی آواز کا لقمہ بنے۔ جو گیا پھر لوٹ کر نہ آیا۔

حاتم کی دوستی ایک نوجوان سے ہوگئی۔ اُس کا نام بھی حاتم تھا۔ دونوں میں بہت دوستی ہوگئی۔ دونوں ایک ہی گھر میں رہتے تھے اس لیے ہر وقت ساتھ ہی رہتے۔ ایک دن دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ پہاڑ کی طرف سے وہی آواز آئی اور حاتم کا دوست اُس کی طرف دوڑنے لگا۔ حاتم کو اس سے بہت محبت تھی۔ اس نے ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا اور ساتھ ہو لیا۔

راستے میں حاتم نے اس سے بار بار پُوچھا "دوست کہاں جاتے ہو؟ رُک جاؤ" مگر وہ کچھ نہ بولا۔ برابر دوڑتا رہا۔ ایک بار حاتم نے اپنے دوست کا ہاتھ پکڑ لیا مگر وہ ہاتھ چھڑا کر پھر بھاگنے لگا۔ اب دونوں پہاڑ کے نیچے پہنچ چکے تھے۔ دوسرا حاتم تیزی سے پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ حاتم نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیے۔ اِسی طرح دونوں پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے۔ وہاں ایک قلعہ نظر آیا۔ دونوں اُسی طرح ایک دوسرے سے گتھے ہوئے اُس قلعے کی کھڑکی میں جا کودے۔

اب جو حاتم اُٹھ کر دیکھتا ہے تو نہ قلعہ ہے، نہ پہاڑ۔ بس ایک لمبا چوڑا میدان ہے۔ چاروں طرف سبزہ ہے مگر تھوڑی سی جگہ سبزے سے خالی ہے۔ وہ نوجوان اُس خالی جگہ میں پہنچا اور چت گر پڑا۔ گرتے ہی آنکھیں پتھرا گئیں۔ اتنے میں زمین پھٹی اور وہ اُس میں سما گیا۔ اس کے بعد زمین برابر ہو گئی اور جتنی جگہ میں نوجوان سمایا تھا اُس پر سبزہ نکل آیا۔

اِس واقعے سے حاتم کو صدمہ بھی ہوا اور حیرانی بھی۔ سمجھ میں نہ آیا کیا کرے مگر اللہ کا نام لے کر ایک طرف کو چل دیا۔ آگے چل کر ایک وسیع دریا نظر پڑا جو بڑے زور شور سے بَہ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیسے دریا کو پار کرے اِس لیے کنارے کنارے چلتا رہا۔ اتنے میں ایک کشتی بہتی ہوئی آئی اور حاتم کے پاس آکر رُک گئی۔

کشتی کو کھینے والا کوئی نہ تھا پھر بھی حاتم اللہ کا نام لے کر اُس میں جا بیٹھا۔ کشتی خود بخود چلنے لگی۔ حاتم نے دیکھا کہ ایک کونے میں کچھ لپٹا رکھا ہے۔ کھول کر دیکھا۔ گرما گرم نان اور مچھلی کے کباب تھے۔ پیٹ بھر کر کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اتنے میں زور کی آندھی آئی جو تین دن تک اسی طرح چلتی رہی۔ آندھی رُکی تو حاتم نے دیکھا ناؤ کنارے آ لگی ہے۔ خدا کا شکر ادا کیا جو ہر جگہ اور ہر حال میں آدمی کی خبرگیری کرتا ہے۔ پھر حاتم کشتی سے اُتر آیا۔

حاتم کشتی سے اُتر تو آیا مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جائے تو کدھر جائے۔ نہ آدم تھا نہ آدم زاد۔ کوئی راستہ بتانے والا نہ تھا۔ سات دن اِسی طرح بھوکا پیاسا راستہ ڈھونڈتا پھرا۔ آخر ایک پہاڑ دکھائی دیا۔ اُس کی طرف چلا اور تین دن میں وہاں پہنچا۔ پھر سوچا اب اوپر چڑھنا چاہیے۔ بارہ دن میں اُوپر پہنچا تو ایک میدان نظر پڑا جس کی زمین بالکل سُرخ تھی۔ جتنے جانور اس میدان میں دکھائی دیے اُن سب کا رنگ بھی سُرخ تھا۔ حاتم برابر چلتا رہا۔ کوئی پانچ چھ کوس چلنے کے بعد ایک دریا ملا جس کا پانی خون کی طرح لال تھا اس دریا کے جانور بھی اسی رنگ کے تھے۔ حاتم کنارے کنارے چلتا رہا۔ بھوک لگتی تو شکار کر کے پیٹ بھرتا۔ مُہرہ مُنہ میں رکھ کر پیاس بجھاتا۔

اِسی طرح چلتے چلتے کئی ہفتے گزر گئے۔ حاتم زندگی سے مایوس ہوگیا۔ ایک دن کیا دیکھتا ہے کہ دریا کی تہ سے کوئی چیز اُبھر کر اُوپر آرہی ہے۔ رُک کر دیکھنے لگا۔ وہ اُوپر آگئی تو دیکھا کہ ایک کشتی ہے جو اُس کی طرف بڑھی چلی آتی ہے۔ جب وہ قریب آگئی تو حاتم سوار ہوگیا۔ دسترخوان میں روٹیاں اور کباب لپٹے رکھے تھے۔ انھیں کھا کر خدا کا شکر ادا کیا۔

کشتی چلتے چلتے بیچ منجدھار میں جا پہنچی۔ دریا کی لہریں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ حاتم نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کرلیں۔ سات دن یہی حال رہا۔ کہیں آٹھویں دن جاکر کشتی کنارے لگی۔ حاتم اُتر کر سجدے میں گر پڑا اور پھر چلنا شروع کر دیا۔ سات دن چلنے کے بعد ایک دریا کے کنارے پہنچا۔ اس کا پانی ایسا تھا جیسے پگھلی ہوئی چاندی۔ حاتم پیاسا تھا۔ پانی لینے کے لیے دریا میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ بھی چاندی کا ہوگیا۔ یہ دیکھ کر حاتم بڑا پریشان ہوا کہ کیا کرے۔

اِتنے میں پھر ایک کشتی آتی دکھائی دی۔ حاتم ٹھہر گیا۔ کشتی قریب آئی تو یہ اندر جا بیٹھا۔ کشتی فوراً چل پڑی۔ حاتم کو ایک طباق میں گرم گرم حلوہ رکھا ملا۔ جی بھر کے کھایا۔ کئی دن بعد کشتی کنارے لگی۔ بالکل سامنے ایک پہاڑ تھا۔ حاتم اس کی طرف چل پڑا۔ مہینہ بھر میں اُس کے پاس پہنچا۔ دیکھا ہر طرف قیمتی ہیرے جواہر بکھرے پڑے ہیں۔ حاتم نے کچھ قیمتی پتھر اُٹھائے اور جیب میں رکھ لیے۔ آگے چل کر اُن سے بڑے پتھر ملے۔ حاتم نے پچھلے پتھر نکال پھینکے اور نئے جیبوں میں بھر لیے۔

اِتنے میں صاف شفاف پانی کا ایک چشمہ دکھائی دیا۔ حاتم نے وہاں بیٹھ کر ہاتھ مُنہ دھویا۔ اُس کے پانی سے ہاتھ تو ٹھیک ہوگیا لیکن

ناخن چاندی کے رہ گئے۔ حاتم وہیں پڑکر سو رہا۔ صبح کو دریا سے دو جاندار نکلے جن کا سر آدمی کا سا تھا، ناخن شیر کے سے تھے اور پاؤں ہاتھی کے سے تھے۔ حاتم دیکھ کر ڈرا تو اُنھوں نے کہا "اپنے دل میں کسی طرح کا خوف نہ لا۔ ہم بھی تیری طرح اللہ کی مخلوق ہیں اور تیری بھلائی کے لیے تیرے پاس آئے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ حاتم کے پاس بیٹھ گئے اور بولے "تجھ جیسے نیک آدمی کے دل میں یہ لالچ بُری آئی کہ تو نے قیمتی پتھر اُٹھا کر جیب میں رکھ لیے۔" حاتم نے کہا "اللہ نے ہر چیز اپنی مخلوق کے لیے پیدا کی ہے۔ اگر میں نے کوئی چیز اُٹھائی تو کیا بُرا کیا۔" اُنھوں نے کہا "یہ تو ٹھیک ہے مگر وہ پتھر اللہ نے پریوں کے لیے بنائے ہیں تو ان کا حق مت چھین۔ اگر تجھے اس سفر کی نشانی کے لیے یہ ہیرے جواہرات چاہییں تو ہم اس سے بڑے اور قیمتی دیتے ہیں۔ وہ پتھر تو جیب سے نکال پھینک۔" حاتم نے اپنی جیبیں خالی کر دیں اور ان کے دیے ہوئے قیمتی پتھر جیبوں میں رکھ لیے۔

حاتم اپنے مُلک پہنچنے کے لیے بے قرار تھا۔ اس نے ان دونوں سے پتہ پُوچھا۔ وہ بولے "اللہ کی مدد تیرے ساتھ ہے۔ فکر نہ کر سیدھا چلے جا۔ مگر راستے میں لالچ نہ کرنا کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھوئے گا۔" حاتم نے اُن دونوں کا شکریہ ادا کیا اور آگے چل پڑا۔ پیچھے چاندی کا جیسا دریا ملا تھا۔ آگے اُسی طرح کا سونے کا دریا ملا۔ حاتم اُس سے پار اُتر کر اور آگے چلا۔

چلتے چلتے ایک اور دریا ملا۔ اُس کے کنارے اِتنے بڑے بڑے موتی پڑے تھے جیسے مُرغی کا انڈا۔ حاتم بڑا حیران ہوا۔ جی چاہا دو چار موتی اُٹھا لے۔ مگر ان اللہ کے بندوں کی نصیحت یاد آئی اِس لیے حاتم نے موتیوں کو ہاتھ

بھی نہ لگایا۔ دریا کا پانی پیا تو ایسا تھا جیسے کسی نے دودھ میں شہد گھول دیا ہو۔

حاتم وہاں سے آگے چلا تو دُور سے تیز روشنی دکھائی دی۔ پاس جاکر دیکھا تو سونے کا پہاڑ جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔ حاتم اُس پر چڑھنے لگا۔ تین دن کے بعد چوٹی پر پہنچا تو ایک وسیع میدان نظر آیا جس کی زمین سُنہری تھی۔ بیچوں بیچ ایک خوبصورت محل تھا جس کے در و دیوار سونے کے تھے۔ حاتم اندر داخل ہوا تو وہاں سونے کے بہت سے درخت دکھائی دیے۔

حاتم اِس سوچ میں کھڑا تھا کہ یہ کیا کرشمہ ہے۔ اِتنے میں سامنے سے پریاں آتی دکھائی دیں جو سر سے پاؤں تک زیوروں میں لدی ہوئی تھیں۔ پریاں حاتم کو دیکھ کر حیران تو ہوئیں لیکن قریب آتی گئیں۔ حاتم نے اُن سے پُوچھا "یہ محل کس کا ہے؟" اُنھوں نے کہا "یہ محل پری نوش لب کا ہے۔" اِتنے میں پری نوش لب خود بھی آ پہنچی۔ حاتم اُس کا حُسن دیکھ کر بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو پری نوش نے پُوچھا "تو کون ہے اور یہاں کیسے پہنچا؟" حاتم نے حُسن بانو اور منیر شامی کا قصہ سُنایا۔ پری بہت خوش ہوئی اور حاتم کو چار دن تک مہمان رکھا۔

پانچویں دن حاتم وہاں سے رخصت ہوا۔ کوئی بیس دن چلنے کے بعد ایک سونے کا دریا ملا۔ ایک کشتی حاتم کا انتظار کر رہی تھی۔ جیسے ہی حاتم سوار ہوا وہ چل پڑی۔ ایک طباق گرم گرم حلوے سے بھرا رکھا تھا۔ حاتم نے وہ حلوہ کھایا اور دریا سے پانی لے کر پیا تو کٹورا اور آگے کے دو دانت سونے کے ہو گئے۔ چالیس دن تک یہ کشتی چلتی رہی۔ اُس کے بعد جب

کنارے پر جا کر رُکی تو حاتم نے اُتر کر خُدا کا شُکر ادا کیا۔

حاتم آگے بڑھا تو ایک ایسے میدان میں پہنچا جس کی زمین آگ کی طرح تپ رہی تھی۔ اس میں چلنا دُوبھر ہو گیا۔ حاتم نے مہرہ مُنہ میں رکھ لیا تو بھی تسلّی نہ ہوئی۔ حاتم زمین پر گِر کر تڑپنے لگا۔ موت سر پر منڈلاتی دکھائی دینے لگی۔ حاتم اللہ کو یاد کر کے گُناہوں سے توبہ کرنے لگا۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہو گیا۔ اِتنے میں وہ دونوں پھر آئے جن کے جسم کا کچھ حصّہ آدمی کا تھا اور کچھ جانور کا۔ اُنھوں نے حاتم کو پانی پِلایا تو وہ ہوش میں آیا۔

حاتم نے اُن سے پُوچھا "یہ کون سی جگہ ہے اور یہاں اِتنی گرمی کیوں ہے؟" وہ بولے "یہاں سے آگ کا دریا قریب ہے۔ تُو یہ مُہرہ لے اور مُنہ میں ڈال لے۔ اِس کی مدد سے تُو اس دریا کو پار کر لے گا۔" یہ کہہ کر وہ دونوں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ حاتم نے مُہرہ مُنہ میں رکھ لیا اور آگے چل پڑا۔

تھوڑی دُور چلا تھا کہ آگ کی لپٹیں دکھائی دینے لگیں۔ حاتم سمجھ گیا کہ اب آگ کا دریا قریب ہے۔ پاس پہنچا تو دیکھا کہ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ شعلوں کے بیچ ایک کشتی دکھائی دی۔ ہمّت تو نہ ہوتی تھی مگر جی کڑا کیا اور آنکھوں پر پٹّی باندھ کے کشتی میں سوار ہو گیا۔

تین دن بعد کشتی کنارے سے لگی۔ اب جو آنکھ کھولی تو نہ کشتی تھی، نہ آگ کا دریا۔ بلکہ ایک ہرا بھرا جنگل تھا۔ زمین کے ذرّے ذرّے سے وطن کی سُہانی خوشبو آ رہی تھی۔ حاتم خوش ہو کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ ایک آدمی گُزرا۔ حاتم نے پُوچھا "یہ کون سا دیس ہے؟" اُس نے کہا "یمن" حاتم کا دل خوشی سے اُچھلنے لگا۔ گھر یاد آیا، ماں باپ یاد آئے اور زرّیں پوش یاد آئی۔ جی چاہا پہلے گھر چلو۔ لیکن پھر فرض یاد آیا کہ منیر شامی کا کام ختم نہیں ہوا تو

اُس نے شاہ آباد کا رُخ کیا۔

شاہ آباد پہنچ کر حاتم سیدھا حُسن بانو کی حویلی میں گیا اور کوہِ ندا کا سارا حال سُنایا۔ اپنے چاندی کے ناخن، سونے کے دانت اور وہ قیمتی ہیرے جواہر دکھائے جو ساتھ لایا تھا۔ حُسن بانو نے حاتم کی بہادری کی بہت تعریف کی۔ وہاں سے حاتم منیر شامی کے پاس سرائے میں آیا۔ وہ یہ سُن کر کہ حاتم پھر کامیاب لوٹا ہے بہت خوش ہوا اور اس کا شُکریہ ادا کیا۔ تین دن دونوں ہنسی خوشی ایک ساتھ رہے۔ چوتھے دن حاتم پھر حُسن بانو کے پاس پہنچا اور اُس سے چھٹا سوال معلوم کیا۔

چھٹا سوال
مُرغابی کے انڈے کے برابر موتی لانا

حُسن بانو نے حاتم سے کہا "اب میں اپنا چھٹا سوال بتاتی ہوں۔ میرے پاس ایک موتی ہے جو مُرغابی کے انڈے کی برابر ہے۔ مجھے اس کے ساتھ کا دوسرا موتی چاہیے۔ کہیں سے ایسا موتی لاکر دے کہ میرے پاس ایک سے موتیوں کا جوڑا ہو جائے۔" حاتم نے کہا "اللہ مدد کرے تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اُس نے چاہا تو یہ کام بھی ہو جائے گا۔" یہ کہا اور حُسن بانو سے اجازت لے کر سرائے میں آیا۔ پھر منیر شامی سے رخصت ہوکر موتی کی کھوج میں چل پڑا۔

شاہ آباد سے پانچ کوس گیا ہوگا کہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ یا اللہ بغیر اتے پتے کے کیسے موتی کو ڈھونڈوں۔ گھنٹوں بیٹھا یہی سوچتا رہا۔ پھر شام ہو گئی۔ اس وقت سات رنگ کی چڑیا کا ایک جوڑا درخت پر آبیٹھا۔ دونوں باتیں کرنے لگے۔ حاتم جانوروں کی باتیں سمجھتا تھا۔ اور ان کی باتوں سے اس کے کتنے کام بنے تھے۔ کان لگاکے اُن کی باتیں سُننے لگا۔

مادہ، نر سے بولی "اِس جنگل میں رہتے برس بیت گئے، مگر یہاں کی

آب و ہوا ہمیں راس نہ آئی۔ کیوں نہ کہیں اور چلے چلیں۔" نر نے کہا" ہاں ٹھیک ہے۔ دن نکلے یہاں سے کہیں اور اُڑ چلیں گے۔" اس کے بعد دونوں ذرا دیر چپکے بیٹھے رہے۔ مادہ نے پھر بات شروع کی۔ بولی "اِس درخت کے نیچے کوئی مسافر بیٹھا ہے۔ جانے بیچارہ کس سوچ میں ہے اور کیوں اتنا پریشان ہے؟"

نر بولا" یہ یمن کا رہنے والا ہے۔ حاتم اس کا نام ہے۔ ہر وقت دوسروں کی بھلائی میں لگا رہتا ہے۔ منیر شامی ایک نوجوان ہے۔ اِس وقت یہ اُس کے کام سے نکلا ہے۔ اِسے ایسا موتی چاہیے جو مُرغابی کے انڈے کی برابر ہو۔ اِس وقت سوچ رہا ہے کہ اُس کی تلاش میں کدھر جاؤں۔" وہ بولی "کیا ایسا کوئی نہیں جو اُس موتی کا پتہ بتا سکے؟" نر بولا" میں جانتا ہوں کہ ایسا موتی کہاں ہے اور کس طرح مل سکتا ہے۔ کہو تو ابھی اسے بتا دوں۔" مادہ نے کہا" اگر ہم اس کی کوئی مدد کرسکیں تو اچھی بات ہی ہے۔"

نر بولا" میں بتاتا ہوں کہ اس موتی کا قصہ کیا ہے۔ قہرمان نام کا ایک دریا ہے۔ پُرانے زمانے کی بات ہے کہ اس کے کنارے ایک پرندہ رہتا تھا۔ وہ تیس برس کے بعد ایک انڈا دیتا تھا۔ یہ انڈا اصل میں موتی ہوتا تھا۔ ایک بار اُس نے دو انڈے دیے۔ اُن میں سے ایک انڈا پریوں کے بادشاہ شمس شاہ کے ہاتھ لگا۔ دوسرا انڈا برزخ کے جزیرے میں ماہ یار سلیمانی کے پاس رہا۔

"حُسن بانو کے پاس جو موتی ہے وہ شمس شاہ والا ہے۔ یہ بہت گھومتا پھرتا اس کے پاس پہنچا۔ دوسرا ابھی تک ماہ یار سلیمانی کے پاس ہے۔ اگر حاتم اُس تک پہنچ جائے تو وہ موتی مل سکتا ہے۔ اُس نے موتی کے لیے

ایک شرط مقرر کی ہے۔ وہ یہ پُوچھتا ہے کہ یہ موتی آیا کہاں سے۔ جو یہ بتادے موتی اُسی کا ہے۔" مادہ بولی "اگر یہ جوان ہماری زبان سمجھتا ہے تو کام بالکل آسان ہے۔ جائے اور تمھارا سُنایا ہوا قصّہ دُہرا دے۔" نر بولا "یہ کام اِتنا آسان نہیں۔ برزخ کے جزیرے تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ راستے میں بہت سے خطرے ہیں۔ وہ مُلک دیووں کا ہے۔ وہ آدم زاد کو پائیں تو جیتا نہ چھوڑیں گے۔"

نر کا جواب سُن کر مادہ پریشان ہوگئی۔ بولی "آخر وہاں پہنچنے کا کوئی طریقہ بھی ہے؟" نر بولا "ہاں۔ اِسے چاہیے کہ ہمارے تھوڑے پر اپنے پاس رکھ لے تو بہت کام آئیں گے۔ اُس مُلک میں خوفناک جانوروں کا بہت ڈر ہے۔ اگر ہمارے پروں کو جلاکر جسم پر مَل لیا جائے تو جانور دُور بھاگ جائیں گے۔ اس کے مَلنے سے صورت بھی دیووں کی سی ہو جائے گی اور دیو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔" مادہ بولی "پھر وہ دیو سے آدمی کیسے بنے گا؟" نر نے جواب دیا "وہ ہمارے سفید پر احتیاط سے رکھ لے۔ جب انھیں جلاکر راکھ جسم پر مَلے گا تو اپنی اصلی شکل میں آجائے گا۔"

"جب یہ اصلی شکل میں آجائے گا تو دیو اسے پکڑ کر ماہ یار سلیمانی کے پاس لے جائیں گے۔ وہ اس سے پُوچھے گا کہ 'تُو کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور کیوں آیا ہے؟' اُس وقت یہ اپنے جانے کا سبب بتائے گا اور ماہ یار اِس سے موتی کی پیدائش کا حال پُوچھے گا۔ اِسے چاہیے کہ مجھ سے سُنا ہوا قصّہ یہ اُسے سُنادے۔" اِس بات چیت کے بعد چڑیاں پھڑپھڑا کر اُڑ گئیں۔ بہت سے پر جھڑ کر زمین پر آگرے۔ حاتم نے اُنھیں جمع کرکے رکھ لیا اور چین کی نیند سوگیا۔ صبح کو اُٹھا اور برزخ کے جزیرے کی طرف چل کھڑا ہوا۔

حاتم اپنی منزل کی طرف چلا جاتا تھا۔ ایک دن ذرا سستانے کے لیے ایک پیڑ کے نیچے لیٹ گیا۔ ذرا دیر میں کسی کے رونے کی آواز کان میں پڑی۔ حاتم بے قرار ہو گیا اور اُٹھ کر آواز کی طرف چلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک لومڑی زمین پر پڑی تڑپ رہی ہے۔ حاتم نے وجہ پوچھی۔ اُس نے کہا "اے مسافر! اللہ تیرا بھلا کرے جو دوسروں کے درد سے تیرا دل دُکھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ پاس کے گاؤں میں ایک بہیلیا رہتا ہے۔ وہ میرے نر اور بچوں کو پکڑ لے گیا۔ یہ صدمہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا"

حاتم نے لومڑی سے کہا "تو میرے ساتھ چل اور دُور سے بہیلیے کا گھر بتا دے پھر انھیں چھڑا کر لانا میرا ذمّہ ہے" لومڑی نے یہ ہمدردی دیکھی تو اُٹھ کر حاتم کے قدموں سے سر ملنے لگی۔ پھر اُسے راستہ دکھانے کو ساتھ چلی۔ گاؤں میں پہنچ کر لومڑی نے دُور سے بہیلیے کا گھر دکھایا اور خود ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ گئی۔

حاتم بہیلیے کے گھر پہنچا۔ دروازے پر دستک دی۔ بہیلیا باہر آیا تو حاتم نے کہا "بھائی! میں بڑی بُری بیماری میں مبتلا ہوں۔ میری بیماری لومڑی کے خون سے جا سکتی ہے۔ اگر تمھارے پاس لومڑی یا اُس کے بچّے ہوں تو مجھے دے دو" اُس نے لوطڑ اور بچّے حاتم کے حوالے کر دیے۔ حاتم نے اُسے مُنہ مانگی قیمت دی اور لومڑ اور بچّے لومڑی کے حوالے کر دیے۔ سب حاتم کو دعا دیتے ہوئے جنگل کی طرف چل دیے۔

اب حاتم پھر برزخ کے جزیرے کی طرف چل دیا۔ ایک دن دیکھا کہ دُور پانی کا چشمہ چمک رہا ہے۔ حاتم پیاسا تھا۔ اُس طرف بڑھا۔ پاس جا کر دیکھا تو چشمہ نہ تھا بلکہ چاندی کی طرح چمکتا ہوا سفید سانپ تھا جو

کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ حاتم اُسے دیکھ کر واپس ہولیا۔ اِتنے میں کسی نے آواز دی "اے جوان! تو لوٹ کیوں گیا؟" حاتم نے مڑ کر دیکھا تو سانپ پھن اُٹھائے اُس سے مخاطب تھا۔

حاتم نے کہا "اے خوبصورت سانپ! میں نے تجھے پانی کا چشمہ جانا۔ پیاسا تھا دوڑا چلا آیا۔ اب پھر پانی کی تلاش میں جاتا ہوں" سانپ نے کہا "فکر نہ کر یہاں تجھے سب کچھ مِل جائے گا" یہ کہہ کر سانپ رینگنے لگا۔ حاتم پیچھے پیچھے چلا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں ایک باغ میں جا پہنچے۔ یہ باغ بڑا ہرا بھرا تھا۔ خوبصورت پودے پھلوں سے لدے کھڑے تھے۔ بیچ میں صاف شفاف پانی کا ایک حوض تھا۔ اُسے دیکھ کر حاتم کا دِل باغ باغ ہو گیا۔

حاتم تو باغ کی سَیر میں کھو گیا اور سانپ حوض میں کُود پڑا۔ ذرا دیر میں پری زاد حوض سے نِکلے۔ اُن کے سروں پر قیمتی ہیرے جواہر کے خوان تھے۔ وہ لاکر اُنھوں نے حاتم کے آگے رکھ دیے اور کہا "ہمارے آقا نے یہ آپ کے لیے بھیجے ہیں" ذرا دیر بعد اُن کا آقا بھی آ گیا۔ خوبصورت جوان تھا۔ بہت سے خادم اُس کے ساتھ تھے۔ آکر حاتم کے گلے مِلا۔ حاتم نے کہا "اے مہربان! تُو نے مجھ پر بڑی عنایت کی مگر یہ تو بتا کہ تُو ہے کون؟"

نوجوان نے جواب دیا "تُو سفر کا تھکا ہارا ہے۔ ہاتھ مُنہ دھو کر کھانا کھالے۔ پھر باتیں ہوں گی" وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ دستر خوان بچھ گیا اور اُس پر طرح طرح کے کھانے چُن دیے گئے۔ دونوں نے سَیر ہو کر کھانا کھایا۔ حاتم کو نوجوان کی داستان سُننے کی بڑی بے چینی تھی۔ اُس نے پھر تقاضا کیا۔

نوجوان نے کہا "اے معزز مہمان! میں وہی سانپ ہوں جو تجھے یہاں لایا تھا۔ اصل میں مَیں پری زاد ہوں۔ شمس شاہ میرا نام ہے۔ میرے دل میں یہ

خواہش پیدا ہوئی کہ آدمیوں کے مُلک پر حملہ کروں اور انھیں ہرا کر اُن کے مُلک کو اپنی حکومت میں شامل کر لوں۔ یہ سوچ کر میں نے ایک بھاری لشکر جمع کیا اور طے کر لیا کہ اگلی صبح کو حملہ کر دیں گے۔ صبح کو سو کر اُٹھے تو میں اور میرا لشکر سب سانپ بن چکے تھے۔

"اب میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوا اور اللہ سے توبہ کرنے لگا۔ آخر اُسے رحم آیا اور میرے لشکر کے سب سپاہی اپنی اصلی حالت پر آ گئے مگر میں سانپ کا سانپ ہی رہا۔ میں نے پھر گڑگڑا کر توبہ کی۔ حکم ہوا 'جا ہم نے تیری خطا معاف کی۔ لیکن تُو تیس سال تک اسی شکل میں رہے گا۔ اس کے بعد یمن کا ایک جوان حاتم نام کا یہاں آئے گا تو اُسے دیکھ کر اپنی اصلی حالت میں آ جائے گا۔ پھر اُس نے تیرے لیے دعا کر دی تو ٹھیک ہے ورنہ تُو پھر سانپ بن جائے گا۔' حاتم! آج اِس بات کو پُورے تیس سال ہو رہے ہیں۔ اب تو میرے لیے دعا کر دے تو میں اس عذاب سے چھوٹ جاؤں۔"

حاتم تو ہر ایک کا ہمدرد تھا۔ اُس نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے۔ فوراً آواز آئی "حاتم! تیری دعا قبول کی جاتی ہے۔" اِس طرح شمس شاہ کو چھٹکارا مِلا۔ اُس نے حاتم کا شکریہ ادا کیا اور اِدھر آنے کی وجہ پُوچھی۔ حاتم نے کہا "میں شاہ آباد سے آ رہا ہوں۔ اِس وقت برزخ کے جزیرے جا رہا ہوں تاکہ مُرغابی کے انڈے کی برابر موتی لاؤں۔" شمس شاہ نے کہا "بھائی! یہ کام بہت دُشوار ہے۔ اِس سے ہاتھ اُٹھا۔ اُس جزیرے کا راستہ خطروں سے بھرا ہوا ہے۔"

حاتم نے کہا "میں خطروں سے گھبرانے والا نہیں۔ جس کام کا بیڑا اُٹھا لوں کر کے رہتا ہوں۔ میں برزخ کے جزیرے ضرور جاؤں گا چاہے کچھ بھی ہو۔" شمس شاہ نے کہا "اگر تم نے ارادہ کر ہی لیا ہے تو بسم اللہ۔ خدا تمھاری

مدد کرے۔ میں کچھ پری زاد تمھارے ساتھ کیے دیتا ہوں۔ وہ ہر حال میں تمھاری مدد کریں گے۔" چنانچہ شمس شاہ نے چھ پری زاد حاتم کے ساتھ کر دیے۔ انھوں نے حاتم کو اُڑن کھٹولے پر بٹھایا اور برزخ کے جزیرے کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ سفر تین دن تک جاری رہا۔ چوتھے دن یہ کھٹولا ایک درخت کے نیچے اُترا۔ ایک پری زاد تو کھٹولے کے پاس رہا۔ باقی کھانے پینے کی تلاش میں ادھر اُدھر چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں بہت سے دیو وہاں شکار کھیلتے آ نکلے۔ انھوں نے اُڑن کھٹولے کو گھیر لیا۔ پری زاد اور دیو آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ پری زاد نے کئی کو تو مار گرایا۔ آخر پکڑا گیا۔ دیو حاتم اور پری زاد کو اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ اُس نے دونوں کو ایک کنویں میں قید کر دیا۔ اُدھر یہ ہوا کہ پری زاد لوٹ کر آئے۔ دیکھا کہ نہ حاتم ہے نہ پری زاد۔ بس تین چار دیو مرے پڑے ہیں۔ سمجھ گئے کہ دیووں سے لڑائی ہوئی ہوگی وہ دونوں کو پکڑ کر لے گئے ہوں گے۔

پری زاد اسی سوچ میں تھے کہ ایک دیو نے کروٹ بدلی۔ پری زادوں نے پوچھا "تو کون ہے اور کس کا نوکر ہے؟" وہ بولا "میں مقرنس دیو کا نوکر ہوں۔ ہم شکار کھیلتے اِدھر آ نکلے۔ یہاں ایک پری زاد سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اُس سے لڑائی میں کئی دیو مارے گئے۔" یہ سُن کر پری زاد شمس شاہ کے پاس پہنچے اور یہ قصّہ سُنایا۔ اُسے بڑا غصّہ آیا۔ شمس شاہ نے تیس ہزار پری زادوں کا لشکر لے کر مقرنس پر حملہ کر دیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ آخر مقرنس قید ہوا اور شمس شاہ کے سامنے لایا گیا۔ آتے ہی وہ شمس شاہ کے پیروں پر گر پڑا۔ آخر حاتم اور اُس پری زاد کو بھی قید سے نجات ملی۔

شمس شاہ نے ایک بار پھر حاتم کو سمجھایا کہ اِس مشکل سفر کا ارادہ چھوڑ دے مگر حاتم نے جواب دیا کہ "مرد کبھی اپنا ارادہ نہیں بدلتے۔ جس طرح بھی ہو مجھے وہ

موتی چاہیے۔" یہ سُن کر شمس شاہ نے کہا" اچھا میں تمھارے ساتھ کچھ پری زاد کیے دیتا ہوں۔" اِس بار اُس نے کچھ بُوڑھے تجربہ کار پری زاد حاتم کے ساتھ کر دیے۔ یہ قافلہ پندرہ دن تک سفر کرتا رہا۔ بُھوک پیاس لگتی تو اُتر کر کھا پی لیتے۔ پھر اُڑنے لگتے۔ سولھویں دن ایک پہاڑ پر اُترے۔ وہاں حاتم کو کسی کے رونے اور کراہنے کی آواز سُنائی دی۔ پری زادوں سے پُوچھا" کون روتا ہے؟"

اُنھوں نے بتایا کہ پری زادوں کا ایک شہزادہ مہرآور بہت دنوں سے یہاں رہتا ہے۔ وہ برزخ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر برزخ کی کوئی شرط ہے جسے وہ پُورا نہیں کر سکتا۔" یہ سُن کر حاتم کو اُس سے ہمدردی ہوئی۔ کہا "چلو۔ ذرا اُس سے ملیں۔ ممکن ہے کوئی ایسا کام ہو جسے ہم پُورا کر سکیں۔" یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور پری زادوں کو ساتھ لے کر آواز کی طرف چلا۔

دیکھا کہ ایک خوبصورت جوان پتھر پر بیٹھا رو رہا ہے۔ حاتم قریب گیا۔ پُوچھا" دوست! تجھے کیا تکلیف ہے جو اِس طرح بلک بلک کر رو رہا ہے؟" اُس نے کہا" اے اجنبی! تجھے اِس سے کیا مطلب کہ میں کیوں روتا ہوں۔ تُو جا اور اپنا کام کر۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ۔" حاتم نے کہا" خفا کیوں ہوتے ہو۔ تمھارا درد نہ دیکھا گیا اس لیے پُوچھ بیٹھے۔" اب نوجوان نے معافی مانگی اور کہا" میں غم کی وجہ سے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہوں۔ اِسی لیے تجھے ایسا رُوکھا جواب دے دیا۔ اب تُو اطمینان سے بیٹھ۔ میں تجھے اپنی داستان سُناتا ہوں۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنی دردبھری کہانی سُنائی۔

شہزادے کی داستان سُن کر حاتم نے اُسے دلاسا دیا۔ کہا" میں برزخ سے وہ موتی حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں جو مُرغابی کے انڈے کی برابر ہے۔ مجھے اُس کی پیدائش کا پُورا حال معلوم ہے۔ وہ حال سُن کر موتی دینے پر مجبور ہے۔ میں

اُس سے ملوں گا تو تیری شادی کی بات بھی کروں گا ممکن ہے وہ راضی ہو جائے۔"
شہزادے نے حاتم کی بات پر یقین نہ کیا اور ہنسنے لگا۔

حاتم کے ساتھ جو پری زاد تھے وہ بولے "شہزادے! ہنسنے کی بات نہیں۔ ہم شمس شاہ کے ملازم ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ حاتم کو موتی کا سارا حال معلوم ہے۔" شہزادے نے یہ سُنا تو اُٹھ کر حاتم کو گلے لگا لیا اور بولا "میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔" اب دونوں اُڑن کھٹولے پر بیٹھ گئے اور برزخ کے جزیرے کی طرف روانہ ہو گئے۔

پری زادوں کو نیچے ایک باغ نظر آیا۔ یہ سیر کرنے کے خیال سے وہاں اُتر گئے۔ یہ باغ مہاکال دیو کا تھا۔ اُس نے آدم زاد اور پری زاد کو ساتھ ٹہلتے دیکھا تو حیران ہوا۔ فوراً دیوؤں کو حکم دیا کہ دونوں کو پکڑ لائیں۔ دونوں کو مہاکال دیو کے سامنے لایا گیا۔ وہ شہزادہ مہرآور سے بولا "تو پری زاد ہے۔ اِس لیے تجھے تو چھوڑے دیتا ہوں لیکن اِس آدم زاد کو ہرگز نہ چھوڑوں گا۔" شہزادے نے بہت خوشامد کی مگر وہ حاتم کو چھوڑنے کے لیے کسی طرح راضی نہ ہوا۔

مہاکال نے حاتم کو ایک مکان میں قید کرا دیا۔ مہرآور اور پری زاد آزاد کر دیے گئے۔ یہ ایک جگہ بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ بہت دیر سوچنے کے بعد طے کیا کہ جب پہرے دار سو جائیں تو حاتم کو اُڑا کر لے جانا چاہیے۔ یہ طے کر کے وہ اُس مکان کے پاس جا چھپے جس میں حاتم قید تھا۔ رات کو پہرے دار میٹھی نیند سو گئے تو پری زاد اُس مکان میں جا اُترے اور حاتم کو اُڑن کھٹولے پر بٹھا کر لے اُڑے۔ اِس طرح راتوں رات وہ حاتم کو مہاکال کی سرحد سے باہر لے گئے۔

تین دن بعد پری زاد اُڑن کھٹولا لیے قہرمان کی سرحد پر پہنچ گئے اور حاتم سے بولے "اب آگے جانا ہمارے قابو سے باہر ہے۔ یہاں سے ہم اپنے

مُلک کو لُوٹتے ہیں۔" حاتم نے انھیں رخصت کر دیا لیکن مہرآور نے کہا "میں تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ ہر حال میں ساتھ رہوں گا۔" یہ وہی جگہ تھی جہاں حاتم کو چڑیا کے پروں کی راکھ جسم پر مَلنی تھی۔ اُس نے مہرآور سے کہا "میں تو ان پروں کی راکھ جسم کو مَل کر دیو بن جاؤں گا۔ تو میرے ساتھ کیسے چل سکے گا۔" اُس نے کہا "میں اُڑتا ہوا تیرے ساتھ چلوں گا۔"

حاتم نے لال پر جلا کر اُن کی راکھ جسم کو مل لی۔ راکھ مَلتے ہی اُس کی صورت دیو جیسی ہو گئی۔ اِس طرح دیو کا رُوپ اختیار کر کے حاتم دیووں کے مُلک میں داخل ہو گیا۔ دیو اُسے دیکھتے مگر دیو سمجھ کر کچھ نہ کہتے۔ مہرآور بھی اُس کے ساتھ ساتھ اُڑتا رہا۔ کئی دن دونوں اِسی طرح چلتے رہے۔ دن بھر سفر کرتے۔ رات ہوتی تو دونوں ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے اور آرام کرتے۔ اِسی طرح دریائے قہرمان کے کنارے پہنچ گئے۔

یہ دریا ایسا تھا کہ دیکھ کے ڈر لگتا تھا۔ پہاڑ سے اُونچی لہریں اُٹھتی تھیں اور آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ ہاتھی کے برابر کے جانور اِس میں تیرتے پھرتے تھے۔ دریا کا پاٹ ایسا تھا کہ دوسرا کنارہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اسے دیکھ کر دونوں پریشان ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس کا تو پار کرنا مشکل ہے۔ آخر مہرآور کو یاد آیا کہ یہاں سے تھوڑی دُور اُس کے دوست شمشان پری زاد کا شہر ہے۔ اُس کے پاس ایسے گھوڑے ہیں جو اُڑ بھی سکتے ہیں اور تیر بھی سکتے ہیں۔

مہرآور اُڑتا ہوا اپنے دوست شمشان کے شہر میں پہنچا۔ اُس نے دو شاندار گھوڑے دے دیے۔ یہ گھوڑے تیرنے اور اُڑنے میں لاجواب تھے۔ مہرآور انھیں لے کر واپس آ گیا۔ پھر ایک گھوڑے پر وہ خود بیٹھا اور دوسرے پر حاتم کو بٹھایا۔

اُن کے بیٹھتے ہی گھوڑے ہَوا سے باتیں کرنے لگے اور تیسرے دن دریا کے پار جا پہنچے۔ دریا کے پار پہنچ کر مہرآور نے حاتم سے کہا " میرا ملک یہاں سے بہت نزدیک ہے۔ تم اجازت دو تو میں جاکر ایک لشکر ساتھ لے آؤں" حاتم نے کہا " لشکر لاکر کیا کروگے؟ ہم جنگ کے ارادے سے تو جا نہیں رہے" مہرآور بولا " ہاں دوست! یہ تو ٹھیک ہے مگر ہم لاؤ لشکر کے ساتھ داخل ہوں گے تو زیادہ عزت ہوگی" حاتم نے کہا " ٹھیک ہے۔ جاؤ۔ مگر یہ بتاؤ تمھاری واپسی کب تک ہوگی؟" مہرآور بولا " آج سے آٹھویں دن میں ضرور لوٹ آؤں گا"

اِس طرح حاتم سے اجازت لے کر شہزادہ مہرآور اپنے مُلک میں پہنچا۔ ماں باپ نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو دیکھا تو خوشی سے بے قابو ہوگئے۔ فوراً اُسے سینے سے لگالیا اور حال پُوچھا۔ مہرآور نے سارا قصّہ سُنادیا اور بولا " اب میری درخواست یہ ہے کہ ایک لشکر میرے ساتھ کر دیجیے تاکہ برزخ جاکر شہزادی کو بیاہ لاؤں" باپ نے کہا " بیٹا! لشکر ساتھ کرنے کو تو میں تیار ہوں مگر یہ بتاؤ تم جب تک اُس کے سوال کا جواب نہ دوگے اُس کی بیٹی کو کس طرح بیاہ کر لاؤ گے؟"

اِس کے جواب میں شہزادے نے سارا قصّہ سُنایا مگر باپ کو یقین نہ آیا اور بولا " تم کیسی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔ جو کام پری زاد ہو کر تم نہ کرسکے، وہ کام کوئی آدم زاد کیسے کرسکتا ہے؟" شہزادے نے حاتم کے بہت سے کارنامے سنائے اور اُس کے بارے میں بہت کچھ بتایا پھر کہا کہ حاتم کوئی معمولی آدمی نہیں۔ وہ بہت سے پری زادوں پر بھاری ہے۔ آخر بیٹے نے کہہ سُن کر باپ کو مطمئن کرہی دیا اور ایک بھاری لشکر لے کر آٹھویں دن حاتم سے جا ملا۔

رات کو دُور تک چھاونی سی بس گئی۔ دونوں نے ساتھ بیٹھ کر مزیدار کھانے کھائے اور ہنسی خوشی رات گزاری۔ دن نکلا تو کُوچ کا نقارہ بجا۔ لشکر

چلنے کے لیے تیار ہوا۔ حاتم اور مہر آور گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ اِس طرح یہ قافلہ برزخ کے بادشاہ ماہ یار سلیمانی کے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ ماہ یار سلیمانی کو پہرے داروں نے خبر کی کہ ایک بھاری لشکر شہر کی طرف بڑھا چلا آتا ہے۔ اُس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ آگے بڑھ کر اس لشکر کو روک دے۔

چنانچہ ماہ یار کی فوج شہر کے دروازے پر جمع ہو گئی۔ شہزادہ اور حاتم پہلے تو یہ سمجھے کہ یہ فوج استقبال کے لیے آئی ہے۔ پھر پتہ چلا کہ اُن کے آنے کا مقصد ان کا راستہ روکنا ہے۔ شہزادے نے یہ دیکھ کر فوراً اطلاع کرائی کہ "ہم لڑنے کے خیال سے نہیں آئے۔ بادشاہ سے ملاقات کی آرزو رکھتے ہیں۔"

فوج کے سردار نے شہزادے کا یہ پیغام بادشاہ کو پہنچا دیا اور اطلاع دی کہ شہزادہ مہر آور ایک آدم زاد کو لے کر آیا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔" بادشاہ نے حکم دیا کہ دونوں کو عزت کے ساتھ شہر میں لایا جائے۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی اور انھیں ایک خوبصورت مکان میں ٹھہرایا گیا۔

اگلے دن بادشاہ نے دونوں کو دربار میں بُلایا اور عزت سے اپنے پاس بٹھایا۔ دیر تک مہر آور سے باتیں کرتا رہا۔ پھر حاتم کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا "بھائی! تم کون ہو، کدھر سے آئے ہو، یہاں آنے کا کیا سبب ہے؟" حاتم نے جواب دیا "اے پرستان کے بادشاہ! میں یمن کا رہنے والا ہوں۔ یہاں آنے کے لیے میں نے ہزاروں کوس کا سفر کیا۔ راستے میں طرح طرح کے خطرے تھے۔ ان کا مقابلہ کرتا ہوا یہاں پہنچا۔ اب پتہ چلا کہ یہاں آنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ مگر اللہ جس کی مدد کرے اُس کی سب مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔"

بادشاہ یہ سُن کر بہت خوش ہوا۔ بولا "اے دُور دراز کے مسافر! سچ سچ تُو بڑی ہمت والا ہے اور اللہ کی مدد ضرور تیرے ساتھ ہے ورنہ یہاں جیتا نہ پہنچتا۔

پھر بھی تُو نے بڑے دُکھ جھیلے ہوں گے۔ آخر یہ تو بتا تُو نے اتنی تکلیفیں کس لیے برداشت کیں؟" حاتم نے جیب سے فوراً وہ موتی نکالا جو حُسن بانو نے دیا تھا اور بولا "اِس کے ساتھ کا دوسرا موتی آپ کے خزانے میں ہے۔ اگر وہ موتی مجھے مِل جائے تو میری محنت ٹھکانے لگ جائے۔"

بادشاہ نے کہا "مجھے تجھ سے ہمدردی ہے لیکن میں نے ایک شرط رکھی ہے۔ اگر کوئی اس موتی کی پیدائش کا حال بتا دے تو میں اس موتی کے ساتھ اپنی بیٹی بھی اُس کے حوالے کر دوں۔" یہ سُن کر حاتم نے موتی کی پیدائش کا حال سُنانا شروع کیا اور پرندے سے جو کچھ سُنا تھا سب بتا دیا۔ بادشاہ سر جھکائے سُنتا رہا۔ جب حاتم کہہ چکا تو اُٹھا اور حاتم کو گلے سے لگا لیا۔ پھر وہ موتی منگا کر حاتم کے آگے رکھ دیا اور درباریوں کو حکم دیا کہ شادی کی تیاری کرو۔ دو ایک دن میں تیاریاں مکمّل ہو گئیں۔

شادی کے دن شہزادی خوبصورت پوشاک پہنے، سولھا سنگار کیے سجی بنی آئی۔ حاتم فوراً بولا "اے بادشاہ! یہ شہزادی آج سے میری بہن ہے۔ میں خوشی سے اِس کا ہاتھ شہزادہ مہرآور کے ہاتھ میں دیتا ہوں۔" یہ سُن کر سب بہت خوش ہوئے۔ بادشاہ کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔ وہ یہ جان کر بہت خوش ہوا کہ اب اُس کی بیٹی کی شادی ایک پری زادے سے ہو گی۔ پری زادوں کی رسم کے مطابق شادی ہوئی۔ اِس طرح حاتم کی مدد سے مہرآور کی مُراد بھی پُوری ہو گئی۔

شادی کے چوتھے دن حاتم اور مہرآور ماہ یار سے اجازت لے کر روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے دریائے قہرمان کے کنارے پہنچے۔ یہاں آکر حاتم نے اپنے دوست سے کہا "اب تم ہنسی خوشی اپنے گھر کو سدھارو۔ میں اپنی منزل کی

طرف روانہ ہوتا ہوں۔" اُس نے جواب دیا " یہ بات مروت کے خلاف ہے۔ تم نے میرے لیے اتنا کام کیا اور میں تمھیں اکیلا چھوڑ دوں۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ میں تمھیں شمس شاہ کے پاس پہنچا کر لوٹوں گا۔" یہ کہا اور لشکر کو شہزادی سمیت اپنے گھر کی طرف بھیج دیا۔

اب دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کے شمس شاہ کے مُلک کی طرف چلے۔ پہلے قہرمان دریا پار کیا پھر پہلے کی طرح دیووں کی سرحد سے گزرے۔ آخر شمس شاہ کی سرحد میں جا پہنچے۔ اُس کے مخبروں نے خبر دی کہ حاتم اور اُس کا نیا ساتھی مہرآور سفر سے لوٹ آئے ہیں اور اب اُس کی طرف آرہے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوا اور لشکر لے کر ان کے استقبال کو چلا۔ ابھی تھوڑی دُور ہی آیا تھا کہ حاتم نظر آیا۔ دوڑ کر گلے لگا لیا۔ پھر شہزادے کے بارے میں پُوچھا۔ حاتم نے دونوں کی ملاقات کرائی اور شہزادے کی مہربانیوں کا حال سُنایا۔

شمس شاہ نے شہزادے کا شکریہ ادا کیا اور کہا " تم نے بڑی مہربانی کی کہ میرے دوست حاتم سے میری ملاقات کرائی۔ میں اس کی طرف سے بہت پریشان تھا۔ تم نہ ہوتے تو انھیں سفر میں زیادہ دشواری ہوتی۔" غرض وہ دونوں کو ساتھ لایا۔ ایک خوبصورت باغ میں ان کے ٹھہرنے کا بندوبست کیا۔ چالیس دن تک شاندار مہمان داری کی۔ خوب خوب دعوتیں کیں۔ اکتالیسویں دن دونوں نے شمس شاہ سے اجازت چاہی۔

اُس نے کہا " جی تو نہیں چاہتا کہ تمھیں رخصت کردوں مگر تمھیں وطن سے نکلے بہت دن ہوگئے اِس لیے تمھیں نہیں روکتا۔ جاؤ اللہ نگہبان ہے۔" یہ کہہ کر کچھ پری زاد ان کے ساتھ کر دیے۔ چار پری زاد مہرآور کو اُڑن کھٹولے پر بٹھا کر اس کے مُلک کی طرف لے چلے۔ چار پری زادوں نے حاتم کو دوسرے

اُڑن کھٹولے پر بٹھایا اور شاہ آباد کا رُخ کیا۔

شاہ آباد وہاں سے کافی دُور تھا۔ ایک مہینے کے لمبے سفر کے بعد حاتم کا اُڑن کھٹولا وہاں پہنچا۔ حاتم شہر کے باہر ہی اُتر گیا۔ شمس شاہ کے نام ایک شکریے کا خط لکھ کر پری زادوں کو رخصت کیا اور خود شہر میں داخل ہوا۔ حُسن بانو کو حاتم کے آنے کی اطلاع ملی تو فوراً بُلایا اور پردے کے پیچھے بیٹھ کر حاتم سے سفر کا حال سُنا۔ حاتم نے دونوں موتی نکال کر اُس کے آگے رکھ دیے۔

حُسن بانو نے حاتم کی ہمّت اور بہادری کی بہت تعریف کی۔ وہاں سے رخصت ہو کر حاتم سرائے میں پہنچا اور منیر شامی سے ملاقات کی۔ اُسے اپنی کامیابی کا حال سُنایا اور کہا "اللہ کی مدد سے حُسن بانو کے چھ سوالوں کے جواب مل گئے۔ اب صرف ایک سوال رہ گیا ہے۔ اُس کی عنایت سے اس کا جواب بھی مل جائے گا" یہ منیر شامی حاتم کے قدموں میں گر پڑا اور اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

ساتواں سوال
حمّام بادگرد کی خبر لانا

سات دن تک حاتم منیر شامی کے ساتھ سرائے میں رہا۔ آٹھویں دن حُسن بانو کی خدمت میں پہنچا اور پوچھا کہ ساتواں سوال کیا ہے۔ وہ بولی "میں نے سُنا ہے ایک حمّام ہے جو دن رات چکّی کی طرح گھومتا رہتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو لوگ اس میں نہاتے کیونکر ہیں؟ اِس بھید کا پتہ لگاؤ۔" حاتم نے کہا "اس حمّام کا کچھ اتا پتا تو بتاؤ۔" حُسن بانو بولی "بس اتنا سُنا ہے کہ وہ دکن کی طرف ہے۔ اِس کے سوا کچھ نہیں معلوم۔"

حاتم ساتواں سوال سُن کر شاہ آباد سے نکلا اور جنگل کی راہ لی۔ چلتے چلتے ایک شہر میں جا نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک کنویں کے چاروں طرف بھیڑ جمع ہے۔ حاتم نے پُوچھا "کیا ماجرا ہے؟" کسی نے کہا "یہاں کے حاکم کا بیٹا دیوانہ ہو کر کنویں پر بیٹھ رہا تھا۔ آج تیسرا دن ہے کہ وہ کنویں میں کُود پڑا۔ اس کے ماں باپ کا روتے روتے بُرا حال ہے۔ ہزار کانٹے اور رسّیاں ڈالتے ہیں مگر اُس کی لاش بھی ہاتھ نہیں آتی۔ لاش مِل جاتی تو شاید ماں باپ اُس کو دیکھ کر صبر کر لیتے۔"

اتنے میں اُس کے ماں باپ روتے پیٹتے وہاں آ پہنچے۔ اُن کی حالت

دیکھی نہ جاتی تھی۔ کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ حاتم کا دل بھی بھر آیا۔ بولا "اتنا نہ گھبراؤ۔ میں اللہ کی راہ میں اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتا ہوں۔ بس یہی آرزو ہے کہ میری جان کسی کے کام آئے۔ میں ابھی کنویں میں کودتا ہوں۔ تم میرا انتظار کرنا۔" یہ کہہ کر حاتم کنویں میں کود گیا۔ پاؤں تہ سے ٹکے تو حاتم نے آنکھیں کھول دیں۔ اب کنواں تھا نہ پانی بلکہ ایک کھلا میدان تھا۔

حاتم نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ دور ایک موتیوں جڑا تخت نظر آیا۔ اس پر ایک خوبصورت نوجوان بیٹھا تھا۔ اس کے چاروں طرف پریاں جمع تھیں۔ حاتم چپکے چپکے قریب پہنچا اور گھنے درختوں میں چھپ کر تماشا دیکھنے لگا۔ اتنے میں پریوں کی نظر حاتم پر پڑ گئی اور وہ چیخ اٹھیں۔

ان میں ایک پری جو سب سے خوبصورت تھی اور صورت سے اُن کی سردار معلوم ہوتی تھی وہ جوان کے پاس تخت پر بیٹھی تھی۔ اس نے نوجوان سے کہا "تمھارا ایک بھائی بند اور یہاں آ پہنچا۔ اگر کہو تو اُسے بھی یہاں بلا لیں۔" وہ بیچارہ شاید آدمی کو ترس گیا تھا۔ بولا "ہاں میرا بھی یہی جی چاہتا ہے۔" یہ جواب سن کر وہ پریوں سے بولی "جاؤ اور اُس نوجوان کو ادب سے یہاں لے آؤ۔"

وہ آئیں اور حاتم کو تخت کے قریب لے آئیں۔ ان دونوں نے اٹھ کر حاتم کا استقبال کیا، تخت پر جگہ دی اور مزاج پوچھا۔

حاتم نے اپنے سفر کا حال بتایا اور کنویں پر جو کچھ دیکھا تھا وہ سب بھی سنایا۔ پھر اس نوجوان سے کہا "اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کنویں میں کودنے والا نوجوان تو ہی ہے یا کوئی اور؟"

نوجوان نے کہا "ہاں میں ہی وہی شخص ہوں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میں

اُس کنویں پر آ نکلا۔ اتفاق سے یہ حسینہ جو میرے برابر بیٹھی ہے مجھے نظر آ گئی۔ میں اِس کی محبت میں باولا بن گیا اور اُس کنویں میں چھلانگ لگا دی۔ آخر اِس باغ میں پہنچا اور اِسے پا لیا۔ اب زندگی چَین سے کٹ رہی ہے۔"

حاتم نے کہا "تُو یہاں رنگ رلیاں منا رہا ہے اور وہاں تیرے ماں باپ کی حالت تباہ ہے۔" نوجوان نے کہا "اُن سے مِلنے کی صورت صرف یہ ہے کہ یہ حسین پری اجازت دے تو جا سکتا ہوں۔" حاتم نے پری سے کہا "اللہ کے واسطے اِسے دو چار دن کے لیے اجازت دے دے۔" پری مُسکرا کر بولی "نہ اِسے کسی نے جانے سے منع کیا، نہ کوئی اِسے یہاں لایا۔ یہ خود ہی دیوانہ ہو کر چلا آیا۔"

حاتم نے نوجوان سے کہا "چل اُٹھ کھڑا ہو۔ تجھے اجازت مِل گئی۔" یہ سُن کر وہ ظالم بولی "اِسے اجازت نہیں کہتے۔" حاتم نے یہ سُنا تو سر جُھکا لیا۔ پھر کہا "خدا کے واسطے تُو اِس کے ماں باپ پر رحم کر۔" پری نے کہا "ہماری قوم کی یہ چال نہیں۔ یہ پھیکے چونچلے ہمیں نہیں بھاتے۔ آدم زاد بے وفا ہوتے ہیں۔ یہ جُھوٹا لیا گیا ہے۔ مجھے دل سے نہیں چاہتا۔"

جوان بولا "ٹھیک کہتی ہو۔ اپنی قسمت ہی خراب ہے۔ تمھارے لیے گھر بار چھوڑا۔ جان سے ہاتھ دھو کر کنویں میں گرا۔ کیا کیا تکلیفیں اُٹھائیں۔ پھر بھی تم مجھے بے وفا کہتی ہو۔" اِس پر پری نے کہا "میں تو تیری چاہت کو اُس وقت سچ مانوں گی جب تُو میرا کہا بجا لائے۔" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ بولا "میں حاضر ہوں جو حُکم ہو بجا لاؤں۔ بتاؤ۔ دیر نہ کرو۔"

پری نے اپنے خادموں کو حکم دیا "ایک کڑھاؤ میں گھی بھر کے چُولھے پر چڑھاؤ۔ جب گھی کڑکڑائے تو مجھے خبر کرو۔" جب گھی کھَولنے لگا تو اُس نے

نوجوان کا ہاتھ پکڑ کے کہا "کیوں جی! تم ہمیں چاہتے ہو تو اِس میں کُود پڑو"
جوان خوشی خوشی کڑھاؤ کی طرف چلا۔ چاہتا تھا کہ آپ کو اس میں گرا دے۔ اِتنے میں پری دیوانوں کی طرح دوڑ پڑی اور اُس کے گلے سے لپٹ گئی۔ بولی "آج سے میں تیری کنیز ہوں۔ اب جو تو کہے سو کروں" اِس کے بعد پھر راگ رنگ کی محفلیں جمنے لگیں۔ اِسی میں ایک مہینہ اور بیت گیا۔

حاتم نے کہا "مجھے لمبے سفر پر جانا ہے۔ اب رخصت چاہتا ہوں مگر جی چاہتا ہے کہ جانے سے پہلے ایک بار تجھے تیرے ماں باپ سے مِلا دیتا" پری بول اُٹھی "بہت بہتر" پھر پریوں کو حکم دیا "ان دونوں کو فوراً کنویں پر پہنچا آؤ" اُنھوں نے پلک جھپکتے دونوں کو لے جا کر کنویں پر بٹھا دیا۔

کنویں پر لوگ جمع تھے اور ابھی تک حاتم کا انتظار کر رہے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ نوجوان کے ماں باپ دوڑ کر حاتم کے قدموں پر گر پڑے۔ دونوں خوشامد کر کے حاتم کو بھی اپنے گھر لے گئے۔ اُسے چودہ دن تک اپنے گھر مہمان رکھا۔ بڑی خاطر کی۔

پندرھویں دن حاتم ان سب سے رخصت ہو کر جنگل کی طرف چل دیا۔ ایک مُدّت کے بعد ایک بستی نظر آئی۔ شہر پناہ کے باہر ایک بوڑھا آدمی کھڑا تھا۔ وہ حاتم کو اپنے گھر لے آیا۔ پوچھا "اے جوان! تیرا کیا نام ہے۔ کہاں جائے گا؟" یہ بولا "حاتم نام ہے۔ حمام بادگرد کی خبر کو جاتا ہوں"

اُس نے سر نیچا کر لیا۔ گھڑی بھر کے بعد سر اُٹھا کے کہا "اے عزیز! پہلی بات تو یہ ہے اس کا پتہ معلوم نہیں۔ دوسرے جو وہاں جانے کا ارادہ کرے وہ پہلے اپنی جان سے ہاتھ دھو لے۔ راستے میں قطلان کے بادشاہ حارس نے چوکی بٹھائی ہے کہ جو کوئی اس حمام کو پوچھتا ہوا آئے، پہلے اُسے

میرے پاس لاؤ۔ معلوم نہیں وہ کیوں بُلاتا ہے۔ نہ جانے جیتا چھوڑتا ہے یا مار ڈالتا ہے۔ اے جوان! اپنی جوانی پر ترس کھا۔ یہیں سے لَوٹ جا۔ وہاں کا جانا جہان سے جانا ہے۔"

حاتم نے کہا "اے نیک دل بُزرگ! تُو جو کچھ کہتا ہے، میری ہی بھلائی کے لیے کہتا ہے لیکن جو بات خدا کے واسطے ہو اُس سے پھرنا اچھا نہیں۔ تُو مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ ہاں اگر شہر قطان کا راستہ جانتا ہے تو مجھے بتا دے جو میں اپنی راہ لگوں۔"

بُزرگ نے دیکھا اس کا ارادہ اٹل ہے تو ساتھ ہو لیا اور شہر کے باہر جا کر کہا "اے مسافر! قطان کے دو راستے ہیں تُو بائیں طرف کے راستے سے سیدھا چلا جا۔ تو کئی شہروں اور قصبوں سے گزُرے گا۔ اس کے بعد ایک پہاڑ نظر آئے گا۔ وہاں ہزاروں آفتیں اور لاکھوں بلائیں ہیں۔ اگر تُو اُن سے بچ کر اُوپر پہنچ گیا تو ایک بہت بڑا میدان نظر آئے گا۔ اُس سے گزُرتا ہوا بائیں طرف کو چلا جائیو۔ شہر قطان میں جا پہنچے گا۔ داہنی طرف کا راستہ قریب کا ہے مگر اس میں اَن گنت آفتیں ہیں۔ اُدھر سے ہرگز نہ جائیو۔ اگر میرا کہا نہ مانے گا مصیبت میں پھنسے گا۔"

غرض حاتم اُس سے رخصت ہو کر روانہ ہوا۔ چند روز بعد ایک شہر نظر آیا۔ نقاروں کی آواز گونج رہی تھی۔ ہر طرف ناچ رنگ تھا۔ حاتم نے لوگوں سے پوچھا "کیا قصہ ہے۔ کیا اِس شہر میں شادی ہے؟" کسی نے جواب دیا "اِس شہر میں یہ دستور ہے کہ سال کے آخری دن امیر غریب سب، بلکہ بادشاہ اور وزیر بھی اپنی اپنی جوان لڑکیوں کو بنا سجا کر ایک خیمے میں بٹھا دیتے ہیں۔ پھر ایک بڑا سا سانپ جنگل کی طرف سے آتا ہے اور ایک جوان کی شکل بنا کر

خیمے میں جاتا ہے۔ سب کو دیکھ کر کسی ایک کو پسند کرتا ہے اور اُسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ ہم نے ڈر کر شادی اور خوشی کا ڈھونگ رچایا ہے۔ ہر ایک کو یہی دھڑکا ہے کہ کس کی بیٹی کی موت آتی ہے۔ آج تو نقّارے بجتے دیکھتا ہے۔ کل چھاتی پیٹتے دیکھیو۔ ایک دن کی شادی اور ساری زندگی کا غم۔"

یہ کتھا سُنا کر وہ تو آہ بھر کے چُپ ہو رہا۔ حاتم نے جی میں کہا "یہ کام جن کا ہے۔ وہ سانپ نہیں۔" پھر ان سے کہا "اِس آفت کو میں اِسی رات تمھارے سر سے دفع کرتا ہوں۔" یہ سنتے ہی لوگ اُسے ہاتھوں ہاتھ بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اور اُس کی کہی ہوئی بات دُہرائی۔

بادشاہ نے کہا "اے جواں مرد! اگر تو کسی طرح اِس مصیبت سے نجات دلا دے تو میں اور میری ساری فوج اور رعایا تجھے اپنا بادشاہ مان لیں۔" حاتم نے کہا "تمھارا تاج اور تخت تمھیں مُبارک ہو۔ میں جو کام کرتا ہوں اللہ کے لیے کرتا ہوں۔ اگر یہ کام کروں گا تو کسی پر احسان نہ ہوگا۔"

بادشاہ نے کہا "بہت خوب۔"

پھر حاتم نے کہا "ایک کام کرنا ہوگا۔ جب وہ آئے اور کسی کی لڑکی پسند کر کے لے چلے تو لڑکی کا باپ اُس کے پاس جائے۔ کہے "صاحب! تمھیں اِس لڑکی کو لے جانے کا اختیار ہے مگر ایک بات سُن لو۔ ہمارا ایک سردار مُدّت کے بعد آج آیا ہے۔ ہم اُس کی اجازت کے بغیر لڑکی کو تمھارے حوالے نہیں کر سکتے۔ اگر وہ بگڑ گیا تو ایک پَل میں جلا کے خاک کر دے گا۔" سب نے کہا "ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کریں گے۔"

بادشاہ نے تمام دن حاتم کو اپنے پاس بِٹھائے رکھا۔ شام ہوئی تو

غل ہوا کہ سانپ آتا ہے، سانپ آتا ہے۔ حاتم بادشاہ کے خیمے سے باہر نکلا۔ دیکھا کہ ایک اژدہا آسمان سے سر لگائے چلا آتا ہے۔ ڈیل ایسا ہے کہ جو پتھر اُس کے نیچے آتا ہے پس کر سُرمہ ہو جاتا ہے۔ یکایک سانپ نزدیک آیا اور اپنی دُم سخت کر کے اس طرح ہلائی کہ جتنے لوگ وہاں موجود تھے اوندھے گر پڑے۔ پھر چاروں طرف دیکھا اور زمین پر لوٹ پوٹ کے ایک خوبصورت جوان بن گیا۔ بادشاہ اُسے لے کر اپنے خیمے میں آیا اور جڑاؤ تخت پر بٹھایا۔ وہ بیٹھتے ہی بولا" اپنی اپنی لڑکیاں مجھے دکھاؤ۔"

وہاں سے نکل کر وہ لڑکیوں کے خیمے میں گیا اور کسی کو پسند کیے بغیر باہر نکل آیا۔ بادشاہ کے خیمے میں آیا اور جہاں شہزادی بیٹھی تھی وہاں جاکر بولا "یہی مجھے پسند ہے۔ اسے میرے حوالے کر دو۔"

بادشاہ نے کہا" ہمارے شہر کا ایک سردار جو ہمارے ایک بزرگ کا بیٹا ہے، وہ آج ہی واپس آیا ہے۔ اُسے بلاتے ہیں۔ جیسا حکم وہ دے گا ویسا ہی کریں گے۔" اُس نے کہا" وہ آج تک کہاں تھا۔ آج کیسے آیا؟ خیر بلاؤ۔"

فوراً حاتم کو بلایا گیا۔ جوان نے اُس سے پوچھا" تو کون ہے؟ یہاں کیوں آیا ہے؟ تو ہمارے فرماں برداروں کو بہکا کر کیوں اس شہر کو برباد کرانا چاہتا ہے؟"

حاتم نے کہا" جب تک میں اس شہر میں نہ تھا، انھوں نے تیرا کہا کیا۔ اب میں اس مُلک کا مالک ہوں۔ اب میری بات سُن۔ جو ہمارے باپ دادا کی رسمیں پوری کرتا ہے۔ بیٹی اس کو دیتے ہیں۔" جوان نے پوچھا" وہ کیا ہے؟" حاتم نے کہا" میرے پاس ایک مُہرہ ہے۔ پہلے تو وہ گھس کر پلاتے ہیں۔" وہ بولا "یہ رسم ہے تو لے آ۔"

حاتم نے وہ مُہرہ پانی میں گھسا۔ جوان پانی لے کر پی گیا۔ اُس کا یہ اثر ہوا کہ جو جو علم اُسے یاد تھا سب بھول گیا مگر سمجھا کچھ نہیں۔ پھر ڈھٹائی سے بولا "اب کوئی رسم اور رہ گئی ہو تو اُسے پورا کرنے کو بھی حاضر ہوں۔"

حاتم نے کہا "دوسری رسم یہ ہے کہ ایک مٹکے میں اُترو اور پھر نکل کر دکھاؤ۔" اُس نے کہا "مٹکا منگاؤ۔" حاتم نے مٹکا منگایا۔ وہ اُس میں اُتر گیا۔ حاتم نے مُنہ پر پتھر رکھ کے اسم اعظم پڑھنا شروع کر دیا۔ اُس کی برکت سے ڈھکنا پہاڑ سے سوا بھاری ہوگیا۔ بہت زور کیا مگر نکل نہ سکا۔ حاتم نے لوگوں سے کہا "اب اِس کو لکڑیوں میں دبا کر آگ لگا دو۔" انھوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ جن تو تھا ہی جل کر بھسم ہوگیا۔

بادشاہ اور رعایا سب نے حاتم کے گُن گائے۔ بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ تین دن تک مہمان رکھا۔ چوتھے دن حاتم وہاں سے رخصت ہو کر آگے بڑھا۔ چلتے چلتے ایک پہاڑ ملا۔ یہ اُس پر چڑھنے لگا۔ آخر ایک بڑا جنگل دکھائی دیا۔ حاتم برابر چلتا رہا۔ اُس سے نکلا تو ایک دوراہا نظر آیا۔ اِسے نصیحت یاد تھی۔ بائیں طرف کے راستے پر چلنے لگا۔ کچھ دُور جا کر سوچا اِس راہ سے جانا بیکار ہے۔ بہتر ہے کہ داہنی طرف چلوں۔ اللہ مدد کرے گا تو کوئی بلا میرے پاس نہ آسکے گی۔

یہ بات جی میں ٹھہرا کر اُلٹا پھرا۔ پھر داہنی طرف کے راستے پر چل دیا۔ ذرا دُور چلا تھا کہ کانٹوں بھرا جنگل ملا۔ سارے کپڑے تار تار ہوگئے۔ بدن لہولہان ہوگیا۔ بڑی مشکل سے اس جنگل سے نکلا۔ اب چھپکلیوں کا جنگل سامنے تھا۔ وہ سب اسے کھانے کو دوڑیں۔ اُن کا ڈیل ڈول ایسا تھا کہ دیکھ کے ڈر لگتا تھا۔ حاتم خوف سے کانپنے لگا۔ اتنے میں ایک بُوڑھا نُورانی

صورت کا وہاں آیا۔ کہنے لگا "اے جوان! تو نے بزرگوں کا کہنا نہ مانا۔ آخر زک اٹھائی۔" حاتم بولا "میں نے بُرا کیا۔ اپنی خطا پر نادم ہوں۔" بزرگ نے کہا "مُہرہ نکال کر زمین پر ڈال۔ یہ خود ہی غائب ہو جائیں گی۔"

حاتم نے مُہرہ جیب سے نکال کر زمین پر پھینک دیا۔ زمین پہلے زرد ہوئی، پھر سیاہ اور پھر سبز۔ آخر سُرخ ہو گئی۔ چھپکلیاں دیوانی ہو کر آپس میں لڑ مریں۔ ذرا دیر میں سب ختم ہو گئیں۔ آگے چلا تو بچھّو آدمی کی بُو پا کر دوڑ پڑے۔ کتنے تو ان میں بلّی کے برابر تھے اور کتنے لومڑی کے برابر۔ حاتم نے یہ دیکھا تو سہم کر کانپنے لگا۔ ایسا گھبرایا کہ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ادھر اُدھر تکنے لگا۔ وہی بزرگ پھر آ پہنچا۔ ہاتھ پکڑ کے کہنے لگا "گھبرا مت۔ ہمّت سے کام لے۔ مُہرہ پھر زمین پر ڈال اور قدرت کا تماشا دیکھ۔"

حاتم نے مُہرہ زمین پر ڈالا تو وہ رنگ بدلنے لگی۔ جب لال ہوئی تو بچھّو آپس میں لڑنے لگے۔ ایک کے ڈنک سے دوسرے کا بدن پھٹ گیا۔ تین دن یہ لڑائی چلتی رہی۔ پھر جنگل صاف ہو گیا۔ چوتھے دن خدا کا شکر ادا کیا اور مُہرہ اٹھا کے آگے چلا۔

کئی دن کے بعد ایک بڑا سا شہر نظر آیا۔ حاتم اندر داخل ہوا۔ لوگ پوچھنے لگے "اے جوان! تو کس راستے سے آیا۔ کیسے جیتا بچا۔ چھپکلیوں، بچھّوؤں اور ببول کے کانٹوں سے تو کیسے بچ نکلا۔" حاتم نے جواب دیا "ان آفتوں نے مجھے گھیرا ضرور تھا مگر اللہ کے کرم سے اب جنگل چھپکلیوں اور بچھّوؤں سے صاف ہو گیا۔ اب راستے میں کسی طرح کا ڈر نہیں۔" یہ سن کر سوداگر بولے "اب ہم اس راستے سے آیا جایا کریں گے۔ باہر کے سوداگر بھی آیا کریں گے۔ شہر میں رونق رہا کرے گی۔"

حاتم کے کہنے سے بہت سے مسافر اسی راستے سے گئے۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو اُس نے پیچھے پیچھے ہرکارے دوڑائے کہ دیکھیں اور صحیح بات آکر بتائیں۔ اُدھر حاتم کو بُلا کے اپنے پاس رکھا اور کہا" اے مسافر! تو نے سفر کی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ کوئی دن دم لے۔ پھر جہاں چاہے جائیو" لیکن مطلب یہ تھا کہ اگر تو سچا ہے تو ٹھیک ہے۔ نہیں تو سُولی چڑھا دوں گا۔ کئی نگہبان لگا دیے کہ یہ مسافر کہیں جانے نہ پائے۔

جب مسافر اور سوداگر جنگل سے صحیح سلامت نکل گئے تو ہرکارے لوٹ آئے۔ بادشاہ سے عرض کی" جو کچھ اس مسافر نے کہا تھا سچ ہے۔ اب کوئی آفت راستے میں نہ رہی۔ بادشاہ نے چاروں طرف خبر بھجوا دی کہ اب راستے میں کوئی ڈر نہ رہا۔ جس کا جی چاہے بے کھٹکے آئے۔ اور حاتم سے معذرت کی اور کہا" اے جوان! مجھ سے خطا ہوئی۔ معاف کر"

حاتم نے کہا" سمجھ میں نہیں آتا آپ کس بات کی معافی مانگتے ہیں۔ میں تو جس دن سے آیا ہوں بڑے آرام سے رہ رہا ہوں" بادشاہ نے کہا" میں ظاہر میں سلوک کرتا تھا مگر اصل میں تو قیدی تھا۔ اگر تیری بات جھوٹ ہوتی تو شہر کے باہر سُولی دلواتا تاکہ پھر کوئی ایسی خبر نہ اڑائے" حاتم نے کہا" یہ تو انصاف کی بات ہے کہ جھوٹے کی گردن مار دیں"

یہاں سے چل کر حاتم شہر قطان میں داخل ہوا اور ایک سرائے میں اُترا۔ پھر کچھ قیمتی موتی لے کر بادشاہ کے محل کو چلا۔ چوبداروں نے بادشاہ کو خبر کی کہ" ایک جوان شاہ آباد سے آیا ہے اور حاضر ہونا چاہتا ہے" بادشاہ نے کہا" لے آؤ"

چوبدار حاتم کو لے کر اندر گئے۔ حاتم جُھک کر آداب بجا لایا۔ اُس نے

قیمتی موتی بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے۔ بادشاہ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ حاتم کو کُرسی پر جگہ دی۔ حال پُوچھا۔ غرض بادشاہ اُس پر بہت ہی مہربان ہو گیا۔ چھ مہینے اِس طرح گزرے کہ ایک دن نہ دیکھتا تو چین نہ پڑتا۔

حاتم نے بادشاہ کو ایک دن اور خوش و خرّم دیکھا تو کئی قیمتی پتھر پھر پیش کیے۔ بادشاہ نے کہا "تو بار بار کیوں نذر پیش کرتا ہے اور کیوں مجھے شرمندہ کرتا ہے۔ تجھے یہاں آئے اتنے دن ہو گئے، کبھی کسی چیز کی خواہش نہ کی۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اب تُو کچھ مانگے اور میں تجھے وہ چیز بے عُذر پیش کروں۔"

حاتم نے کہا "بادشاہ کی عمر بڑھے۔ میرے دل کی ساری آرزوئیں پُوری ہو چکیں ایک باقی ہے سو مرتے دَم تک نہ نکلے گی۔" بادشاہ نے کہا "ایسی کیا چیز ہے؟ اگر تُو کہے تو اپنی بیٹی بھی تجھ سے بیاہ دوں۔" حاتم نے کہا "حضور کی بیٹی کو میں اپنی بہن سمجھتا ہوں۔ یہ بات نہیں لیکن ایک اور تمنا ہے۔ یہ سوچ کر عرض نہیں کرتا کہ شاید قبول نہ ہو گی۔" بادشاہ نے کہا "خدا کے واسطے جلدی کہہ ڈال۔" اُس نے کہا "آپ پُورا کرنے کا وعدہ فرمائیں تو عرض کروں۔"

بادشاہ نے وعدہ کیا اور قسم کھائی تو حاتم نے عرض کیا "حمّام باد گرد دیکھنے کی آرزو ہے۔ اجازت ہو تو اس کی سیر کروں۔" یہ سُن کر بادشاہ نے سر جھکا لیا۔ حاتم نے پُوچھا "کیا بات ہے۔ آپ چُپ کیوں ہو گئے؟"

بادشاہ نے سر اُٹھایا۔ بولا "اے عزیز! بھلا میں چُپ کیسے نہ ہوں۔ پہلے تو میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی کو حمّام باد گرد کی طرف نہ جانے دوں گا۔ تجھے وہاں جانے دوں تو میری قسم ٹوٹتی ہے۔ دوسرے یہ کہ تجھ سا جوان

جان سے جائے گا۔ تیسرے یہ کہ تجھ سے چھوٹنے کا مجھے دُکھ ہو گا لیکن یہ بھی ہے کہ تجھے اجازت نہ دوں تو اپنی بات سے پھرتا ہوں۔"

حاتم نے کہا "بس اب اجازت دیجیے۔ اللہ نے چاہا تو جلد خیریت سے لَوٹوں گا۔ بات یہ ہے کہ منیر شامی برزخ سوداگر کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ سات سوالات پُوچھتی تھی۔ چھ سوالوں کے جواب میں دے چُکا ہوں۔ اب ایک رہ گیا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ میں حمّام بادگرد کی خبر بھی لا سکوں اور حُسن بانو کا بیاہ اُس شہزادے سے ہو جائے۔"

یہ بات سُن کر بادشاہ نے کہا" اے جوان! تیری ہمّت پر شاباش کہ تُو نے غیروں کے لیے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا۔ خدا تیری مدد کرے۔ مگر یہ سُن لے کہ اُدھر گیا ہوا آج تک لَوٹ کر نہیں آیا۔ اب یہ بھی بتا دے کہ تیرا نام کیا ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے؟"

اُس نے جواب دیا" میرا نام حاتم ہے۔ یمن کا رہنے والا ہوں۔" یہ سُنتے ہی بادشاہ اُٹھا اور حاتم کو گلے لگایا۔ پھر اُسے اپنے پاس بٹھا کر بولا "بادشاہت تیرے چہرے سے ٹپکتی ہے۔ دُنیا ہمیشہ یاد رکھے گی کہ تُو کس طرح دوسروں کے کام آتا تھا۔ آنے والے زمانے میں جب کوئی دوسروں کا دُکھ درد بٹایا کرے گا تو لوگ اُسے حاتم ثانی کہا کریں گے۔"

اِس کے بعد بادشاہ نے اپنے وزیر کو بُلا کر حکم دیا کہ" ابھی حمّام بادگرد کے دربان کو ایک خط لِکھو اور حاتم کے حوالے کر دو۔" اُس نے فوراً خط لِکھ کر دے دیا۔ کئی آدمی حاتم کے ساتھ کیے۔ تھوڑی دُور خود بھی ساتھ آیا۔ پھر گلے مِل کر رخصت ہو گیا مگر آنکھ کے آنسو نہ تھمتے تھے۔

حاتم اُن لوگوں کے ساتھ حمّام بادگرد کی طرف روانہ ہوا۔ پندرہ دن

چلنے کے بعد حمام نظر آنے لگا۔ حاتم نے پُوچھا "یہ قلعہ ہے یا پہاڑ؟" اُنھوں نے عرض کیا "یہی حمام بادگرد کا دروازہ ہے۔"

یہ قافلہ چلتا رہا۔ ساتویں دن دروازے تک پہنچے۔ حاتم نے وہ خط دربان کو دے دیا۔ اُس نے پڑھا اور ادب سے کھڑا ہوگیا۔ بڑی عزت سے کُرسی پر بٹھایا۔ تھوڑی دیر بعد حمام کے دروازے پر لے گیا۔

حاتم نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو دروازے پر لکھا تھا "یہ طِلسمات کیومرث بادشاہ کے وقت میں بنا ہے۔ اِس کا نشان مُدّتوں رہے گا۔ جو کوئی اِس طِلسمات میں جائے گا جیتا نہ بچے گا۔ اگر بچ گیا تو ایک باغ میں جا نِکلے گا۔ وہاں طرح طرح کے پھل کھائے گا اور وہیں زندگی کے دن پُورے کرے گا۔"

اِسے پڑھ کر حاتم نے سوچا کہ حمام کا سارا حال تو یہیں لِکھا ہے۔ اب اندر جانا کیا ضرور ہے۔ پھر سوچا حُسن بانو نے اندر کا حال پُوچھا تو کیا بتاؤں گا۔ آخر سب کو رخصت کیا اور آپ اندر داخل ہوگیا۔ مشکل سے دس قدم چلا ہوگا کہ نہ دروازہ تھا نہ دیوار۔ ایک لق و دق جنگل تھا۔ اِس کے علاوہ اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرا۔ کچھ دکھائی نہ دیا۔ چوتھے دن یہ طے کیا کہ بس ایک طرف کو چلے جاؤ۔ یہ چلتا رہا۔ ایک دن ایک آدمی کی شکل نظر آئی۔ جب نزدیک پہنچا تو اُس نے سلام کیا اور ایک آئینہ بغل سے نکال کر حاتم کے ہاتھ میں دیا۔ حاتم نے کہا "شاید تو یہاں کا حجّام ہے۔ یہ بتا حمام بادگرد یہاں سے کدھر کو ہے؟"

وہ بولا "میں حمامی ہوں۔ جو یہاں آتا ہے اُسے لے جا کر حمام میں

نہلاتا ہوں۔ پھر انعام کا اُمیدوار ہوتا ہوں۔" حاتم نے کہا "بہت خوب! تو پھر چلو۔"

حاتم آگے آگے، نائی پیچھے پیچھے خوشی خوشی چلے جاتے تھے۔ جیسے ہی دونوں حمام کے اندر داخل ہوئے، دروازہ آپ سے آپ بند ہو گیا۔ آخر حجام اسے حوض پر لے گیا اور بولا "آپ اِس میں اُتریں تو میں پانی ڈالوں، میل چھڑاؤں۔"

حاتم حوض میں اُتر پڑا۔ حمامی نے گرم پانی کا برتن حاتم کے ہاتھ میں دیا کہ سر پر ڈال لو۔ اُس نے ڈال لیا۔ اُس نے پھر بھر کر دیا۔ حاتم نے پھر ڈال لیا۔ تیسری مرتبہ جو پانی سر پر ڈالا ایک زور کا تڑاقہ ہوا۔ حمام میں اندھیرا ہو گیا۔ ذرا دیر بعد اندھیرا دُور ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ نہ حوض ہے، نہ حجام اور نہ حمام۔ پانی سے بھرا ایک گنبد ہے جس میں یہ قید ہے۔

ایک پل نہ گزرا تھا کہ پانی پنڈلیوں تک آگیا۔ حاتم گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اِتنے میں پانی گھٹنوں سے اُوپر پہنچا۔ اس نے گھبرا کر دیواروں سے سر ٹکرایا مگر راستہ نہ مِلا۔ اب پانی آدمی بھر باڑھ ہو رہا تھا۔ یہ تیراک تھا، تیرنے لگا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ شاید اِسی لیے اِس حمام سے لوگ نہ نکل سکے اور ڈوب گئے۔

اِتنے میں پانی اور اُونچا ہوا۔ یہاں تک کہ گنبد سے جا لگا۔ وہیں ایک زنجیر لٹکی دکھائی دی۔ حاتم نے دونوں ہاتھوں سے زنجیر پکڑ لی کہ ذرا تو دَم لوں۔ پھر ویسی ہی آواز آئی۔ اب جو دیکھا تو جنگل میں کھڑا ہے۔ خوش ہوا کہ طوفان سے بچا اور طلسمات سے رہائی ہوئی:

آگے بڑھا تو ایک عالی شان عمارت جھل مِل جھل مِل کرتی نظر آئی۔

نزدیک پہنچا تو بائیں باغ دکھائی دیا۔ دروازہ کُھلا تھا۔ اندر چلا گیا۔ پھر کر دیکھا تو دروازہ غائب۔ بڑا گھبرایا۔ کیا کرتا ناچار آگے چلا گیا۔ ہزاروں درخت پھلوں سے لدے نظر آئے۔ یہ بھوکا تو تھا ہی توڑ توڑ کر کھانے لگا مگر جتنا کھاتا پیٹ نہ بھرتا۔

حاتم گھومتا پھرتا بارہ دری کے پاس جا پہنچا۔ وہاں عجب منظر دیکھا۔ بارہ دری کے قریب بہت سے پتھر کے آدمی ننگے کھڑے تھے۔ کہیں سے ایک طوطی نے آواز دی " اے جوان! اِدھر کیوں آیا ہے۔ شاید تیری موت تجھے کھینچ لائی ہے۔" حاتم نے سر اُٹھایا تو طوطی کا پنجرہ نظر آیا۔ اُس پر لکھا تھا:۔

" اے اللہ کے بندے! اب تُو بچ کر یہاں سے نہ جا سکے گا۔ یہ طلسمات کیومرث بادشاہ کا ہے۔ ایک دن وہ شکار کھیلتا اِدھر آنکلا تھا۔ یہاں ایک ہیرا پڑا دیکھا۔ اُٹھا لیا۔ تول کر دیکھا تو تین سَو مثقال کا پایا۔ اُس نے سوچا اِسے ایسی جگہ رکھوں کہ کسی کے ہاتھ نہ لگ سکے۔ یہ بات جی میں ٹھہرا کر حمام بادگرد کا یہ طلسمات بنایا۔ اِس طوطی کو وہ ہیرا نگلا دیا اور پنجرے میں بند کر کے یہاں لٹکا دیا۔ سامنے جو ہیروں جڑی کُرسی ہے اُس پر تیر کمان رکھ دیا کہ جو کوئی اِس طلسمات میں آپھنسے اور باہر نکلنے کا ارادہ کرے تو یہ تیر کمان اُٹھا لے۔ اِس طوطی کے سر میں تیر مارے۔ اگر لگ گیا تو اُسی دَم اِس طلسمات سے نجات ملے اور ہیرا بھی ہاتھ آئے، نہیں تو پتھر کا ہو جائے گا۔"

یہ پڑھ کر حاتم نے بُتوں کی طرف دیکھا۔ جہاں کے تہاں کھڑے ہیں۔ ہل بھی نہیں سکتے۔ حاتم کے دل میں آیا کہیں یہی انجام نہ ہو۔ آخر کرسی کے پاس گیا۔ تیر کمان اُٹھایا اور بسم اللہ کہہ کر چھوڑ دیا۔ طوطی پھڑک کے رہ گئی۔ نشانہ چُوک گیا۔

حاتم گھٹنوں تک پتھر کا ہو گیا۔ طوطی بولی "اے جوان! جا یہ مکان تیرے قابل نہیں"
حاتم اُس جگہ سے اُچھل کر تیر کمان سمیت سَو قدم پیچھے جا پڑا۔ پاؤں ایسے بوجھل ہو گئے کہ اُٹھ نہ سکتے تھے۔ اپنی حالت پر آنسو آگئے۔ سوچنے لگا کتنی تکلیفیں اُٹھا کر یہاں تک پہنچا۔ سب محنت بیکار گئی۔ اب ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مروں گا۔ اِس سے اچھا تو یہ ہے کہ ایک تیر اور چلاؤں یا تو اِس مصیبت سے چھوٹ جاؤں گا یا اَوروں کی طرح پُورا پتھر کا ہو جاؤں گا۔
یہ سوچ کر دوسرا تیر پھر مارا۔ وہ بھی نشانے پر نہ لگا۔ حاتم کمر تک پتھر کا ہو گیا۔ طوطی نے پھر وہی بات کہی "اے جوان! پرے سرک۔ یہ جگہ تیرے لائق نہیں"
حاتم آپ سے آپ اُچھلا اور دو سَو قدم پیچھے جا پڑا۔ اب وہ اور بُتوں کے پاس کھڑا تھا۔ زار زار رونے لگا اور کہنے لگا "مجھ سا بدنصیب بھی کوئی نہ ہو گا کہ ہر تیر اُلٹا کام کرتا ہے" پھر جی میں کہا "اے حاتم! اپنی موت اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ آنکھوں پر پٹی باندھ لے۔ ایک تیر جو باقی رہ گیا ہے اُس کو بھی آزما لے"
اب کے حاتم نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور اللہ اکبر کہہ کے تیر چلا دیا۔ تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور طوطی کا کلیجہ چھِد گیا۔ وہ پھڑ پھڑا کے پنجرے سے باہر گر پڑی۔ اُس کے گرتے ہی زور کی آندھی آئی، گھٹا اُٹھی، بجلی کڑکنے لگی اور اندھیرا ہو گیا۔ پھر ایسے زور کا شور ہوا کہ حاتم بے ہوش ہو کر گر پڑا۔
تھوڑی دیر بعد حاتم کو ہوش آیا۔ اب آندھی تھم چکی تھی، گھٹا اُتر گئی تھی اور شور بند ہو گیا تھا۔ چاروں طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ حاتم نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے چاروں طرف دیکھا۔ نہ حمام تھا، نہ باغ، نہ کرسی، نہ پنجرا اور نہ طوطی۔ ہاں ایک بڑا سا ہیرا زمین پر پڑا چمک رہا تھا اور پتھر کے بُت حاتم کے پاس کھڑے تھے۔

حاتم اُٹھا اور دَوڑ کے ہیرا اُٹھا لیا۔ پھر بے اختیار سجدے میں گر پڑا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اللہ کے حکم سے وہ سب کے سب بُت آدمی ہو گئے اور حیرت سے حاتم کو دیکھنے لگے۔ ایک نے آگے بڑھ کر کہا "اے جوان! تو اِس جگہ کیونکر سلامت رہا۔ وہ باغ کدھر گیا اور حمّام کیا ہوا۔" حاتم نے سارا قصّہ سُنایا۔ وہ سب کے سب اُس کے پیروں پر گر پڑے۔ بولے "آج سے ہم سب تیرے غلام ہیں۔" حاتم نے ان سب کو دلاسا دیا اور انھیں ساتھ لے کر شہرِ قطان کی طرف چلا۔

تھوڑی دُور چلا تھا کہ وہ دروازہ نظر آیا جس سے اندر داخل ہوا تھا۔ اُس سے باہر نکلا تو وہ لشکر بھی موجود تھا۔ دو چار دن وہاں ٹھہر کر آرام کیا۔ پھر سب کے ساتھ شہرِ قطان کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ دنوں کے سفر کے بعد شہر میں داخل ہوا۔ بادشاہ کو پتہ چلا کہ حاتم کامیاب واپس آرہا ہے تو اُس نے بڑھ کر استقبال کیا۔ بڑی محبت سے پیش آیا اور اُسے ساتھ لاکر اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ حال پُوچھا۔

حاتم نے حمّام بادگرد کا حال تفصیل سے سُنایا اور وہ ہیرا نکال کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ بولا "یہ ہیرا سرکار کی نذر ہے لیکن چاہتا ہوں کہ یہ ایک بار حُسن بانو کو دکھا دوں تاکہ اُسے یقین آجائے۔ پھر یہ ہیرا آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔" بادشاہ نے کہا "ہاں یہ ہیرا تم ضرور اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

پھر حاتم نے عرض کی "یہ بیچارے جو میرے ساتھ آئے ہیں، سب پتّھر کے ہو گئے تھے۔ میری درخواست ہے کہ انھیں ایک ایک گھوڑا اور سفر کا سامان عنایت ہو جو یہ لوگ آرام سے اپنے اپنے گھر پہنچ سکیں اور آپ کے

جان و مال کو دعا دیں۔"

بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ تیز چلنے والے گھوڑے اور سفر کا سامان حاضر کیا جائے۔ پھر سب کو انعام دے کر رخصت کیا۔

حاتم بھی بادشاہ سے رخصت ہو کر شاہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ کئی مہینے سفر کرنے کے بعد بڑے ٹھاٹ باٹ سے شہر میں داخل ہوا۔ ہرکاروں نے حُسن بانو کو حاتم کے آنے کی خبر دی۔ اُس نے بڑی عزّت کے ساتھ بُلوایا اور جڑاؤ کُرسی پر بٹھا کر سفر کا حال پُوچھا۔

حاتم نے بڑے جوش و خروش سے اپنے سفر کا حال سُنایا۔ وہ سُن کر ہی خوش ہو گئی۔ پھر حاتم نے ہیرا نکال کر دکھایا تب تو حُسن بانو نے سر نیچا کر لیا۔ مارے شرم کے پسینے پسینے ہو کر چُپ رہ گئی۔

حاتم نے کہا" میں اپنا وعدہ پُورا کر چُکا، اب تُو اپنا وعدہ پُورا کر۔" وہ آہستہ سے بولی" آج سے میں بھی تیری ہو چُکی۔ میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہے کر۔ اپنے پاس رکھ یا کسی اور کے سپرد کر، تجھے اختیار ہے۔" حاتم بولا" جو کچھ تُو نے کہا، میں نے کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ ساری تکلیف میں نے اپنے لیے نہیں اُٹھائی بلکہ منیر شامی شہزادے کے لیے برداشت کی ہے۔ وہ مُدّتوں سے تجھے پانے کے لیے بے قرار ہے۔ لازم ہے کہ اب تُو بھی اسے قبول کر۔"

حُسن بانو نے کہا" اب تم ہی میرے بڑے ہو۔ جو مناسب سمجھو کرو۔ اگر وہ میرا شوہر بننے کے لائق ہے تو مجھے کوئی عُذر نہیں۔" حاتم نے فوراً منیر شامی سے کہلا بھیجا کہ" پوشاک بدل کر، سج سجا کر فوراً چلے آؤ۔"

ذرا سی دیر میں وہ بن سنور کر آ پہنچا۔ ایک جڑاؤ کُرسی اُس کے لیے بھی بچھائی گئی۔ حُسن بانو نے پردے کی اوٹ سے منیر شامی کو دیکھا۔ وہ اُسے

جی سے پسند آیا۔ شرما کر اٹھی اور نیچی نظر کیے دوسرے مکان میں چلی گئی۔

دوسرے دن ایک عالی شان محل منیر شامی کو دیا گیا۔ شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سارا شہر سجایا گیا۔ ہر طرف راگ رنگ کی محفلیں جم گئیں۔ قاضی نے آکر نکاح پڑھایا۔ مبارک سلامت ہوئی۔ حسن بانو کی سہیلیاں آکر نوشاہ کو اندر لے گئیں، دُلہن کے پاس مسند پر بٹھایا۔ وہ بھی شادی کا جوڑا پہنے، قیمتی زیوروں سے بجی سجائی، عطر میں ڈوبی، پھولوں میں بسی بیٹھی تھی۔

شادی کی باقی رسمیں شروع ہوئیں۔ سب سے پہلے آرسی مصحف کی رسم ہوئی۔ آرسی کے آگے سے گھونگھٹ سرکایا گیا۔ دولہا نے دُلہن کی جھلک دیکھی تو غش آگیا۔ گلاب چھڑکا گیا تو اُسے ہوش آیا۔ پھر دُلہن کو گود میں لے کر چنڈول میں سوار کیا۔ بڑی دھوم دھام سے شادیانے بجواتا دُلہن کو لے کر محل میں داخل ہوا۔ حاتم نے اپنے دوست کو گلے لگا کر مبارک باد دی۔

دو چار دن بعد حاتم منیر شامی سے رخصت ہو کر خوش خوش یمن کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑے دنوں میں شہر کے قریب جا پہنچا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو اُس نے استقبال کے لیے وزیر کو بھیجا۔ وزیر شہزادے کو لے کر بڑے کرّ و فر کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔

باپ کو دیکھ کر حاتم اُس کے قدموں پر گر پڑا۔ اُس نے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور محل میں لے گیا۔ حاتم نے جھک کر ماں کو سلام کیا۔ اُس نے بڑھ کر بلائیں لیں، چھاتی سے لگایا اور کلیجہ ٹھنڈا کیا۔

محل میں مبارکباد کی دھوم مچی، شہر میں آیین آیین ہوئی۔ گھر گھر خوشی کے شادیانے بجے۔ بادشاہ نے ہر ایک چھوٹے بڑے کو رتبے کے مطابق انعام دیے۔ محتاجوں کی جھولیاں سونے چاندی سے بھر دیں۔ شہزادی زریں پوش

مارے خوشی کے پھولی نہ سمائی۔ ہر ایک نے خدا کا شکر ادا کیا۔

بادشاہ دربارِ عام میں جا کر بیٹھا۔ وزیروں، امیروں اور درباریوں سے کہنے لگا "ابھی تو دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دوسروں کے لیے اپنا سُکھ چھوڑیں اور دُکھ سہیں۔ سچ یہ ہے کہ دُنیا میں وہی بھلے ہیں اور راج کرنا بھی اُنھیں کو پھبتا ہے۔" یہ کہہ کر تخت اور تاج حاتم کو سونپا۔ خود گوشہ پکڑا اور اللہ اللہ کرنے لگا۔ غرض دس برس، سات مہینے اور نو روز میں حاتم کی سیر تمام ہوئی۔ منیر شامی کی مُراد پوری ہوئی۔ آخر یہ رہا نہ وہ رہا۔ ایک کہانی کہنے سُننے کو باقی رہ گئی۔